الرّفیقُ الفصِیح
لمشکوٰۃ المَصَابِیح
جلد ۱۶
افادات
حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہ

S.R.Waraq-16

ا

الرفیق الفصیح
لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۱۶

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

S.R.Waraq-16

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد: شش دہم

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح

جلد شش دہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ١٦

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۶۹	حدیث نمبر﴿۲۹۶۳﴾بابرکت نکاح -------------------------------	۳۱
۷۱	باب النظر الی المخطوبة وبیان العورات	۳۲
//	(مخطوبہ کوایک نظر دیکھنےاورستر کا بیان)	۳۳
۷۲	مخطوبہ کو دیکھنے کی مصلحت-------------------------------------	۳۴
۷۳	﴿الفصل الاول﴾	
//	حدیث نمبر﴿۲۹۶۴﴾اپنی مخطوبہ کو دیکھ لینا مستحب ہے ----------------	۳۵
۷۴	اختلاف ائمہ --	۳۶
۷۶	مخطوبہ کے کن اعضاء کو دیکھنے کی اجازت ہے؟------------------------	۳۷
۷۷	حدیث نمبر﴿۲۹۶۵﴾اپنے شوہر سے دوسری عورت کا حال بیان کرنا منع ہے -	۳۸
۷۸	حدیث نمبر﴿۲۹۶۶﴾ستر دیکھنے کی ممانعت --------------------------	۳۹
۷۹	مرد کا ستر --	۴۰
۸۰	عورت کا ستر محرم کے حق میں ------------------------------------	۴۱
۸۱	امرد کا حکم--	۴۲
//	غلام کا حکم ---	۴۳
۸۲	حدیث نمبر﴿۲۹۶۷﴾غیر محرم سے تنہائی کرنا --------------------------	۴۴
۸۳	حدیث نمبر﴿۲۹۶۸﴾دیور تو موت ہے ------------------------------	۴۵
۸۴	حدیث نمبر﴿۲۹۶۹﴾معالج کا عورت کا ستر دیکھنا ----------------------	۴۶
۸۶	حدیث نمبر﴿۲۹۷۰﴾اچانک نظر کا حکم ----------------------------	۴۷
۸۷	اجنبی عورت پر نگاہ پڑے اور پسند آجائے تو اس کا علاج ----------------	۴۸
//	حدیث نمبر﴿۲۹۷۱﴾غلط خواہش کا علاج--------------------------	۴۹
۸۹	﴿الفصل الثانی﴾	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۹۷	اقسام ضیافت --	۳۵۲
۲۹۸	﴿الفصل الاول﴾	۳۵۴
۲۹۹	حدیث نمبر﴿۳۰۶۸﴾ ولیمہ کا حکم----------------------------------	〃
۳۰۰	لبس مزعفر للرجل --	۳۵۵
۳۰۱	وزن نواۃ من ذھب کی تفسیر میں اقوال----------------------------	〃
۳۰۲	صاحب البدائع کی رائے --	۳۵۶
۳۰۳	حدیث نمبر﴿۳۰۶۹﴾ شاندار ولیمہ --------------------------------	۳۵۷
۳۰۴	حدیث نمبر﴿۳۰۷۰﴾ شب زفاف کے بعد ولیمہ ------------------------	۳۵۸
۳۰۵	حدیث نمبر﴿۳۰۷۱﴾ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ ----------------------	۳۵۹
۳۰۶	عتق مہر بن سکتا ہے یا نہیں ------------------------------------	۳۶۰
۳۰۷	حدیث نمبر﴿۳۰۷۲﴾ ولیمہ میں دعوت دینا ----------------------------	۳۶۱
۳۰۸	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب ------------------------------------	۳۶۲
۳۰۹	ولیمہ اور حجاب --	〃
۳۱۰	دعوت ولیمہ قبول کرنا چاہئے ----------------------------------	۳۶۳
۳۱۱	حدیث نمبر﴿۳۰۷۳﴾ مختصر ولیمہ ------------------------------	〃
۳۱۲	حدیث نمبر﴿۳۰۷۴﴾ دعوت ولیمہ قبول کرنا ------------------------	۳۶۴
۳۱۳	حدیث نمبر﴿۳۰۷۵﴾ دعوت میں کھانا کھانا--------------------------	۳۶۵
۳۱۴	حدیث نمبر﴿۳۰۷۶﴾ بدترین ولیمہ ------------------------------	۳۶۶
۳۱۵	حدیث نمبر﴿۳۰۷۷﴾ بن بلائے مہمان کا حکم ----------------------	۳۶۷
۳۱۶	﴿الفصل الثانی﴾	۳۶۹
۳۱۷		

تمت وبالفضل عمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(کتاب النکاح)

مباحث اربعہ علمیہ مفیدہ

کتاب کے شروع میں چند اہم امور قابل ذکر ہیں، (۱) ماقبل سے مناسبت، (۲) مشروعیت کا ثبوت (۳) نکاح کے لغوی واصطلاحی معنی، (۴) نکاح کے حکم شرعی میں مذاہب ائمہ (۵) نکاح کے فوائد ومصالح۔

البحث الاول ما قبل سے مناسبت

چونکہ نکاح کے اندر معاملات وعبادات دونوں کی حیثیت موجود ہے کیونکہ اس میں زوج پر مہر واجب ہوتا ہے جو مال ہے اور نان ونفقہ واجب ہوتا ہے نیز اس میں خانگی زندگی استوار ہوتی ہے اور یہ سب معاملات میں سے ہیں پھر دوسری طرف تخلی لمحض العبادۃ سے نکاح افضل ہے اور وہ سنن مرسلین میں سے ہے۔ نیز "تحصین الفرج عن الوقوع فی الزنا"، زنا میں واقع ہونے سے شرمگاہ کی حفاظت ہے اور یہ سب عبادات میں سے ہیں، بناء بریں مصنف علام نے عبادات ومعاملات کے بعد کتاب النکاح کا آغاز فرمایا جو عبادت ومعاملات دونوں کو جامع ہے۔ (درس مشکوۃ: ۷/۳)

البحث الثانی مشروعیت کا ثبوت

نکاح کی مشروعیت! کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت اور قیاس ہر ایک سے ثابت ہے، کتاب اللہ میں ارشاد خداوندی ہے، "وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ" (سورۃ النور آیت ۳۲) [تم میں سے جن (مردوں اور عورتوں) کا اس وقت تک نکاح نہ ہوا ہو ان کا بھی نکاح کراؤ، اور

004

تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے قابل ہوں ان کا بھی اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں بے نیاز کر دے گا اور اللہ بہت وسعت والا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

اور حدیث پاک میں ہے "قال علیہ السلام النکاح من سنتی" فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی، وتزوجوا فانی مکاثر بکم الامم" (ابن ماجۃ: ۱۳۲، باب ما جاء فی فضل النکاح) اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد گرامی ہے فرمایا: "من رغب عن سنتی فلیس منی" [حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح میرا طریقہ ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا: کہ جس نے میرے طریقہ سے اعراض کیا تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے]۔

اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جہاد کے لئے ساز و سامان کو تیار کرنا نوافل میں مشغول ہونے سے بہتر ہے اور نکاح کرنا بایں معنی جہاد ہے کہ بذریعہ نکاح ایسے افراد وجود میں آتے ہیں، جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرسکیں۔

اور قیاس سے نکاح کی مشروعیت اس طور پر ثابت ہے کہ نکاح بنات آدم کی حفاظت کا ذریعہ اور ان پر مال خرچ کرنے کا سبب ہے، اور اس سے مرد اور عورت دونوں کی عفت و عصمت حاصل ہوتی ہے۔ (التوضیح الضروری شرح المختصر القدوری ۹۳ / ۲)

المبحث الثالث نکاح کے لغوی و اصطلاحی معنی

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ النکاح فی اللغۃ الضم، اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ اس کا اطلاق عقد اور وطی پر بھی آتا ہے (پھر آگے فرماتے ہیں) اور ازہری کہتے ہیں کہ اصل معنی اس کے وطی کے ہیں اور عقد یعنی تزوج کو جو نکاح کہتے ہیں وہ اسی لئے کہ نکاح سبب وطی ہے اور ابو القاسم زجاجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "النکاح فی الکلام العرب الوطی والعقد جمیعاً" یعنی یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک ہے لہٰذا دونوں معنی حقیقی ہوئے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بعض اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ در اصل "نکح" (نون کے ضمہ اور کاف کے سکون کے ساتھ) کہتے ہیں کہ فرج (شرمگاہ) کو پھر اس کا استعمال وطی کے معنی میں ہونے لگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ نکاح کی حقیقت شرعیہ میں حنفیہ وشافعیہ کا اختلاف ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ اسکے معنی حقیقی وطی کے ہیں اور عقد اس کے معنی مجازی ہیں، اور شافعیہ کے نزدیک مسئلہ اس کے برعکس ہے لہٰذا عند الاحناف قرآن وحدیث میں جس جگہ لفظ نکاح "مجرداً عن القرائن" استعمال ہوگا وہاں اس سے مراد وطی ہوگا، اور شافعیہ کے نزدیک وہاں عقد مراد ہوگا۔ (الدر المنضود: ۲/ ۴، فتح الملہم: ۵۴۲/ ۶، اوجز المسالک: ۹/ ۲۶۵)

زنا سے حرمت مصاہرت کا ثبوت

اس اختلاف پر ایک اہم مسئلہ بھی متفرع ہورہا ہے جس کو حنفیہ اور شافعیہ دونوں ہی نے یہاں ذکر کیا ہے وہ یہ کہ "وَلَا تُنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآئُكُمْ" اور جن غلاموں سے تمہارے باپ دادا (کسی وقت) نکاح کر چکے ہوں تم انہیں نکاح میں نہ لاؤ۔ میں چونکہ حنفیہ کے نزدیک نکاح سے وطی مراد ہے عقد مراد نہیں، لہٰذا وطی اپنے عموم کے پیش نظر حلال وحرام دونوں کو شامل ہونے کی وجہ سے مزنیۃ الاب اس میں داخل ہوجائے گی، لہٰذا جس طرح ابن کے لئے منکوحہ الاب حرام ہے اسی طرح مزنیۃ الاب بھی حرام ہوگی، بخلاف شافعیہ کے ان کے نزدیک حرام نہ ہوگی۔

چنانچہ مسئلہ مشہور ہے کہ حنفیہ کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے اور شافعیہ کے نزدیک نہیں ہوتی ہے یہ گفتگو تو تھی نکاح کی حقیقت شرعیہ پر۔ اور اس کے اصطلاحی معنی عرف فقہاء میں یہ ہیں "هو عقد يفيد ملك المتعة قصداً"، یعنی نکاح اس خاص عقد کا نام ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ مرد کے لئے عورت کی فرج اور جملہ اعضاء سے تمتع کا جواز حاصل ہوجائے بالقصد نہ کہ تبعاً، اس آخری قید سے شراء الامۃ خارج ہوگیا اس لئے کہ اگرچہ وہاں بھی بعینہ یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن تبعاً کیونکہ اصل مقصود تو وہاں ملک رقبہ کا حصول ہے پھر اسی کے ضمن میں ملک متعہ بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ (الدر المنضود: ۲/ ۴، اوجز المسالک: ۹/ ۲۶۵)

البحث الرابع حکم نکاح

حکم نکاح میں تین مذاہب ہیں، ظاہریہ، ائمہ ثلاثہ، شافعیہ

(۱) ظاہریہ کے نزدیک نکاح فرض عین ہے "عند القدرة علی الوطی والمهر والنفقة" (۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت ہے فی حال الاعتدال، اور شدت احتیاج واشتیاق کی حالت میں جبکہ زنا کا اندیشہ ہو واجب ہے۔ "وواجب فی حال التوقان ای شدة الاحتیاح والاشتیاق ان خاف علی نفسه الزنا"۔ (۳) امام شافعی کے نزدیک فی حال الاعتدال مباح ہے اور عند التوقان مندوب ہے، اسی لئے ان کے نزدیک پہلی صورت میں "تخلی للنوافل" اولیٰ ہے اشتغال بالنکاح سے، لیکن واضح رہے کہ فقہاء احناف وغیرہ سب نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ خوف جور کی صورت میں نکاح کرنا مکروہ اور تیقن جور کی صورت میں حرام ہے، جور یعنی حقوق زوجیت کا ضیاع۔ وھٰذا اجمال المذاهب۔

مذاہب ائمہ کی تفصیل

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ نکاح اعتدال کی حالت میں جبکہ خوف زنا نہ ہو سنت مؤکدہ ہے بشرطیکہ اداءِ مہر ونفقہ وغیرہ پر قدرت ہو اور اگر اس کو خوف زنا ہو تو واجب ہے اور تیقن زنا کی صورت میں فرض ہے بالشرط المذکور (شامی) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے (نووی میں ۴۴۸/۱) شافعیہ کے مسلک کی یہ تفصیل لکھی ہے کہ اس میں چار قسم کے آدمی ہیں، (۱) تائق واجد، یعنی جس کو نکاح کی شدید حاجت ہو غلبہ شہوت کی وجہ سے، اور وہ مؤن نکاح (مہر ونفقہ وغیرہ) پر قادر ہو، (۲) غیر تائق غیر واجد دونوں چیزیں نہ ہوں، (۳) تائق غیر واجد، توقان کی کیفیت ہے لیکن وسعت نہیں، (۴) واجد غیر تائق، وسعت تو ہے لیکن غلبہ شہوت نہیں، قسم اول کے لئے نکاح مستحب ہے قسم ثانی کے لئے مکروہ ہے، ثالث کے لئے بھی مکروہ ہے لیکن یہ شخص مامور بالصوم ہے، قسم رابع کے لئے اکثر شافعیہ کے نزدیک نکاح کا ترک اولیٰ ہے اور تخلی للعبادۃ افضل ہے، اور بعض کے نزدیک نکاح اولیٰ ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہی لکھا ہے کہ نکاح کا وجوب کسی کے حق میں نہیں ہے، لیکن (شرح اقناع: ۳/۲۸۰) میں تائق واجد کے حق میں ایک روایت یہ لکھی ہے کہ اگر اس کو خوف

زنا ہو اور تسری وغیرہ پر بھی وہ قادر نہ ہو تو اس پر نکاح واجب ہے اور نیل المارب (فی فقہ الحنابلہ) میں یہ تفصیل لکھی ہے کہ غیر ذی شہوۃ کے حق میں مباح ہے، اور ذی شہوت اگر ایسا ہے کہ اس کو خوف زنا ہے تو اس پر نکاح واجب ہے اگر چہ فقیر ہو اور اگر خوف زنا نہ ہو تو پھر سنت ہے اور دردیر مالکی نے شرح کبیر میں یہ لکھا ہے کہ جو شخص راغب نکاح ہو اور اس کو زنا کا اندیشہ ہو اس کے حق میں نکاح واجب ہے والا فمندوب اور غیر راغب کے حق میں مکروہ یا مباح ہے۔

اس تفصیل کے بعد حکم نکاح میں راجح اور مشہور قول ہمارے یہاں یہی ہے، کہ سنت مؤکدہ ہے "یأثم بترکه کما فی الدر المختار وغیرہ"، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اور بھی اقوال لکھے ہیں، فرض کفایہ، "واجب علی الکفایة، واجب لعینه، "قال الشامی هو افضل من اشتغال بتعلم وتعلیم وافضل من التخلی للنوافل"

اس سلسلہ میں شافعیہ حضرات کی ایک دلیل باری تعالیٰ عزوجل کا یہ قول " وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا" (سورۃ آل عمران آیت ۳۹) بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدح فرمائی ہے ترک وطی پر۔

جمہور کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ان کی شریعت میں ایسا ہی ہو ہماری شریعت میں تو نکاح کی ترغیب اور اس کا امر وارد ہے آیات واحادیث میں۔

صحیحین کی حدیث طویل میں ہے "ولکنی اصوم افطر وا تزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی" [لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں] امام ترمذی نے کتاب النکاح کے شروع میں یہ حدیث مرفوع ذکر کی ہے جس کے راوی ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں "اربع من سنن المرسلین الحیاء والتعطر والسواك والنكاح" [چار چیزیں مرسلین علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں (۱) حیاء کرنا، (۲) عطر استعمال کرنا، (۳) مسواک کرنا، (۴) نکاح کرنا] "وقال حدیث حسن غریب، اور بعض دوسری احادیث خود کتاب میں آرہی ہیں۔ (الدر المنضود: ۳/ ۴، اوجز المسالک: ۹/۲٦۹)

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: "لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنْ اَجَلِيْ اِلَّا عَشْرَةُ اَيَّامٍ وَاَعْلَمُ اِنِّيْ

اَمُوْتُ فِیْ آخِرِهَا یَوْماً وَلِیْ طُوْلُ النِّکَاحِ فِیْهِنَّ تَزَوَّجْتُ مَخَافَةَ الْفِتْنَةِ“ [اگر میری زندگی کے صرف دس دن باقی ہوں اور مجھے علم ہو جائے کہ آخری دن میں میرا انتقال ہو جائے گا اور ان دنوں مجھ کو نکاح کی قدرت ہو تو فتنہ کے اندیشہ میں ضرور نکاح کرلوں] ۔(اوجزالمسالک: ۱۰/۲۷)

البحث الخامس نکاح کے فوائد وفضائل

نکاح کے فوائد وفضائل بہت ہیں، سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ نکاح نہ صرف سید المرسلین بلکہ جملہ انبیاء والمرسلین کی سنت اور ان کا طریق ہے،”قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ ولقد ارسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لهم ازواجا وذریة“ [حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے ہی بہت سے رسول بھیجے ہیں اور انہیں بیوی بچے ہی عطا فرمائے ہیں] (سورۃ الرعد: آیت ۳۸)، (التعلیق الصبیح: ۲/۴) میں احیاء العلوم سے نقل کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی کتاب میں صرف ان ہی انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے جو متاہل اور متزوج تھے حتی کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بھی اگر چہ مجامعت نہیں فرمائی لیکن نکاح کیا تھا، نیل فضل اور اقامت سنت کے لئے ۔اور کہا گیا ہے کہ غض بصر کیلئے، اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام بھی جب نزول فرمائیں گے تو اس وقت نکاح کریں گے اور ان کے اولاد بھی ہوگی۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب النکاح کے شروع میں میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اربع من سنن المرسلین الحیاء والتعطر والسواك والنكاح، وقال حدیث حسن غریب“۔ چار چیزیں مرسلین علیہم السلام کی سنت ہیں (۱) حیاء، (۲) عطر کا استعمال (۳) مسواک کرنا، (۴) نکاح کرنا۔

اور فوائد کے ذیل میں یہاں چند فائدے کتب حدیث وفقہ سے لکھے جاتے ہیں۔

(۱) ”تحصین فرجه وفرج زوجته“ اپنی اور اپنی بیوی دونوں کی شرمگاہ کی حفاظت، عفت وپاکدامنی کا حصول ”فانه اغض للبصر واحصن للفرج“

وفی المشكوة عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا تزوج العبد فقد استكمل نصف الدين فليتق الله في النصف الباقي۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جب بندہ نکاح کر لیتا ہے نصف دین کی تکمیل کر لیتا ہے، پس باقی نصف میں اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام طور سے آدمی کے دین کو خراب کرنے والی دو چیزیں ہوتی ہیں ایک فرج اور دوسرے بطن، نکاح ان دو میں سے ایک سے کفایت کرتا ہے اسلئے نصف دین کہا گیا ہے۔

(۲) "قضاء الوطر بنیل اللذۃ والتمتع بالنعمۃ" حاجت طبعیہ کو پورا کرنا حصول لذت کے ساتھ اور شہوت وعورت جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں ان سے جائز اور مناسب طریقہ سے متمتع ہونا، علماء نے لکھا ہے کہ منافع نکاح میں سے یہی ایک منفعت ایسی ہے جو جنت میں بھی پائی جائے گی، اس لئے کہ جنت میں گو نکاح ہوگا لیکن توالد وتناسل وہاں نہ ہوگا بلکہ صرف حصول لذت وراحت کیلئے ہوگا، میں کہتا ہوں نکاح کے اس فائدہ کا حصول اول تو محسوس ومشاہدہ ہے دوسری احادیث میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے "فانہ احصن للفرج" کہ نکاح شرمگاہ کو حرام کاری سے بچاتا ہے، ایسے ہی حدیث پاک میں ہے، "وبضعۃ اھلہ صدقۃ قالو یارسول اللہ احدنا یقضی شھوتہ ویکون لہ صدقۃ قال ارأیت لو وضعھا فی غیر محلھا الحدیث"، اور اپنی بیوی کی شرمگاہ بھی صدقہ ہے لوگوں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ ہم میں ایک شخص اپنی خواہش پوری کرتا ہے اور اس میں اسکو صدقہ کا ثواب ملتا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بتاؤ اگر وہ اس کو غیر محل میں استعمال کرتا تو گناہ ہوتا کہ نہیں۔ ایسے ہی وہ قصہ جو حدیث شریف کی متعدد کتابوں میں ہے۔ (صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای امرأۃ الحدیث وفی آخرہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رأ احدکم امرأۃ فاعجبتہ فلیات اھلہ فان معھا مثل الذی معھا" حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں کوئی شخص کسی عورت کو دیکھے اور وہ اس کو پسند آئے، پس چاہیئے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے، پس بلاشبہ اس کے ساتھ بھی وہی ہے جو اس کے ساتھ ہے۔ اسی طرح آیۃ کریمہ "فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَهَا" پھر جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کر لیا تو ہم نے اس سے تمہارا نکاح

کردیا۔ (احزاب: آیت ۳۷) کی تفسیر میں ابن عباس سے مروی ہے کہ "وطر" سے مراد جماع ہے، والمراد لم یبق له بها حاجة الجماع وطلقها. (روح المعانی) معلوم ہوا کہ نکاح کا ایک بڑا فائدہ حصول لذت اور حاجت طبعیہ کو جائز وحلال طریقہ پر پورا کرنا بھی ہے۔

(۳) القیام بمصالح المرأة. عورت کی ضروریات کا تکفل اور ذمہ داری جو ایک بہت بڑی خدمت ہے بلکہ ایک زبردست نظام زندگی ہے اس لئے کہ بیوی کے تکفل کے ساتھ اولاد صغار کا بھی تکفل ہے، نیز ان کی تعلیم وتربیت اور اس کا نظم ہے بخلاف اولاد زنا کے کہ ان کا نہ کوئی باپ ہے اور نہ ماں نہ مربی نہ معلم۔

(۴) تحصیل النسل علی الوجه الاکمل، یعنی بنی نوع انسان کی تحصیل وبقاء بطریق اکمل، حفظ نسب کے ساتھ بغیر کسی پر ظلم وستم اور عصمت دری کے بلکہ کمال محبت وانس کے ساتھ، قال تعالیٰ: ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾. اور اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان کے پاس جا کر سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے جذبات رکھدئے۔ (سورۂ روم: آیت ۲۱)

(۵) تکثیر الاسلام والمسلمین، وتحقیق مباهاة النبی صلی الله علیه وسلم. امت مسلمہ کو بڑھا کر آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تفاخر علی الامم کا زیادہ سے زیادہ موقعہ فراہم کرنا، "تناکحوا تکاثروا فانی اباهی بکم الامم یوم القیامة". نکاح کرو کثرت بڑھاؤ، پس بے شک میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تم پر فخر کروں گا۔ (شرح اقناع) وفی روایة فانی مکاثر بکم الامم. (ابوداؤد)

بہشتی زیور میں کتاب النکاح میں لکھا ہے کہ نکاح بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، دین اور دنیا دونوں کے کام اس سے درست ہوجاتے ہیں اور اس میں بہت فائدے اور بے انتہا مصلحتیں ہیں آدمی گناہ سے بچتا ہے دل ٹھکانے ہوجاتا ہے نیت خراب اور ڈانواں ڈول نہیں ہونے پاتی اور بڑی بات یہ ہے کہ فائدہ کا فائدہ اور ثواب کا ثواب، کیونکہ میاں بیوی کا پاس بیٹھ کر محبت و پیار کی باتیں کرنا ہنسی دل لگی

میں دل بہلانا نفل نمازوں سے بھی بہتر ہے۔

فائدہ: درمختار زکریا ۵ / ۴: میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے کوئی ایسی عبادت مشروع نہیں فرمائی جس کا تسلسل آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر قیامت تک اور پھر اس سے آگے جنت میں باقی رہے سوائے نکاح اور ایمان کے صرف یہ دو عبادتیں ایسی ہیں جو اس طرح کی ہیں، لیکن اس پر علامہ شامی نے نقد کیا ہے۔ اسکو دیکھ لیا جائے۔ (الدر المنضود ۴، ۵ / ۴)

نقد اولاً تو اس لئے کہ نکاح کا عبادت ہونا دنیا میں اس حیثیت سے ہے کہ وہ اسلام اور مسلمین کے وجود میں آنے کا سبب ہے نیز سبب عفت ہے اور یہ حیثیت جنت میں نہ ہوگی، ثانیاً اس لئے کہ ذکر و شکر یہ دو عبادتیں ایسی ہیں جو دنیا اور جنت میں دونوں میں پائی جائیں گی، بلکہ جنت میں دنیا سے زائد ہوگی، پھر حصر کیسے درست ہوا۔ (شامی: ۵۷ / ۴ مطبوعہ زکریا دیوبند)

رکن نکاح

ایجاب و قبول بلفظ الماضی۔

شرائط نکاح چار ہیں: (۱) عاقد میں سے ہر ایک اصالۃً یا وکالۃً دوسرے کا لفظ سنے، (۲) ایسے دو گواہوں کی موجودگی جو آزاد، عاقل، بالغ مسلمان ہوں، (۳) گواہوں کا اجتماعی طور پر متناکحین میں سے ہر ایک کے الفاظ کا سننا، (۴) محل نکاح یعنی منکوحہ انسان ہو عورت ہو مشرکہ نہ ہو محرمات میں سے نہ ہو۔

ضرورت نکاح: جماع وصحبت کی ضرورت نے مرد و زن میں ربط و رفاقت پیدا کی ہے، پھر اولاد پر شفقت و مہربانی نے ان کی پرورش میں تعاون باہمی کی ضرورت ثابت کی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ کچھ خوبیاں مرد میں ہوتیں ہیں اور کچھ عورت میں، اسی طرح کچھ نقص مرد میں ہوتے ہیں اور کچھ عورت میں، اس لئے نکاح ضروری ہوا تاکہ مرد کی خوبیوں سے عورت متمتع ہو اور اپنے نقصان کی تلافی کرے اور عورت کی خوبیوں سے مرد فائدہ اٹھائے اور اپنی کمی کو دور کرے، اور دونوں مل کر آسائش کی زندگی بسر کریں۔

عورت مرد کی بہ نسبت اولاد کی پرورش کے طریقے بہتر جانتی ہے، حیادار ہوتی ہے، خانہ نشینی کی

زندگی بسر کرسکتی ہے، گھریلو ہلکے پھلکے کاموں میں ماہر ہوتی ہے، فطری طور پر اس میں تابعداری کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے مگر اس کی عقل خفیف، بدن ناتواں اور عزم وحوصلہ کمزور ہوتا ہے اور محنت کے کاموں سے جی چراتی ہے۔

اور مرد نسبتاً صاحب الرائے ہوتا ہے وہ حرم کی پوری طرح حفاظت کرسکتا ہے محنت ومشقت کے کام بخوبی انجام دے سکتا ہے، اس میں غرور، تسلط، مناقشہ کی صلاحیت اور غیرت کامل ہوتی ہے، اور بارہا ان صفات کی ضرورت پڑتی ہے مگر اس میں اولاد کی پرورش کا سلیقہ نہیں ہوتا نہ وہ ہر وقت گھر میں بیٹھا رہ سکتا ہے، معمولی کاموں سے اس کا جی اکتاتا ہے اور تابعداری کی پوری صلاحیت بھی اس کی فطرت میں نہیں ہے اس لئے عورت کی زندگی مرد کے بغیر ناتمام رہتی ہے اور مرد کی عورت کے بغیر، اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے نکاح ضروری ہوا ہے۔ (مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ: ۱/۴۴۱)

نکاح کا حکم: نکاح کا حکم مرد اور عورت میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے سے استمتاع کا حلال ہو جانا اور حرمت مصاہرت کا ثابت ہو جانا ہے۔

{الفصل الاول}

نکاح کرنے کی تاکید

{۲۹۴٦} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمُ الْبَاءَةَ فَلْیَتَزَوَّجْ فَإِنَّهٗ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَعَلَیْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۷۵۸، باب من لم یستطع الباءة فلیصم، حدیث نمبر: ۵۰٦٦، مسلم شریف: ۱/۴۴۹، باب استحباب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۰۰۔

حل لغات: المعشر: ایک طرز کے لوگ، جماعت جس کے مشاغل واحوال ایک جیسے ہوں، الباءۃ: نکاح، جماع، غض بصرہ: پست کرنا، نیچا کرنا، یوں بھی کہا جاتا ہے، غض من بصرہ، اس نے نگاہ نیچی کی، البصر: آنکھ، نگاہ، دیکھنے کی طاقت، حصن المکان، مضبوط ومحفوظ ہونا، حصن المرأۃ، پاکدامن ہونا، وجاء الفحل: سانڈ کی خصیوں کے دو ڈھیلوں کے درمیان رگوں کو چھینا یا چھیت کر پہاڑ دینا جس سے وہ خصی ہوجاتا ہے، وجاء: اسم صفت ہے۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے، اس وجہ سے کہ نکاح نگاہ کو بہت زیادہ پست کرنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے، اور جو شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزوں کو لازم پکڑلے اس لئے کہ روزہ اس کیلئے شہوت توڑنے والا ہے۔
(بخاری ومسلم)

تشریح: نوجوانی میں انسان کی جنسی خواہش بہت زیادہ بھڑکتی ہے اس کی وجہ سے اس سے حقیقی زنا کا بھی صدور ہوسکتا ہے اور آنکھ کے زنا میں عموماً لوگ مبتلا ہوجاتے ہیں، یہ ایسی بھیانک خرابی ہے جس سے پورے کا پورا معاشرہ تباہ وبرباد ہوجاتا ہے، بدکاری کی طرف لوگوں کا میلان کثرت سے ہوتا ہے، جبکہ نیک کام کی رغبت مفقود ہوجاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عظیم مفاسد سے بچانے کے لئے فرمایا: کہ جو لوگ نکاح کی طاقت رکھتے ہیں یعنی نکاح کرنے کے نتیجہ میں جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو پورا کرسکتے ہیں تو نکاح کرلیں، اور اگر کوئی صاحب نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں تو وہ مسلسل روزے رکھیں روزہ کی برکت سے جنسی میلان کم ہوجائے گا، اور آنکھ اور شرمگاہ کی حفاظت نصیب ہوگی۔ ''الشباب'' شاب کی جمع ہے، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''شاب'' اس کو کہتے ہیں جو بالغ ہو اور تیس سال سے تجاوز نہ کرے یعنی بلوغ کے بعد تیس سال تک شاب ہے یہی معنی القاموس الوحید میں بھی لکھے ہیں، مظاہر حق قدیم وجدید میں یہ لکھا ہے کہ بلوغ کے بعد تیس سال تک۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جوان ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چالیس سال جوانی کی حد ہے۔ "باءۃ" میں دوسری لغت "باہ" بھی ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہے اس کے اصل معنی تو جماع کے ہیں اور نکاح کے

معنی میں بھی مستعمل ہے، حدیث میں کیا مراد ہے اس میں شراح کے دونوں قول ہیں یعنی جماع اور نکاح لیکن بہرصورت جماع اور نکاح سے ان کے لوازم اور مؤن مراد ہیں، (نکاح کے بعد کی ذمہ داریاں نفقہ سکنی وغیرہ) یعنی ان کی استطاعت اور نفس جماع مراد نہیں اس لئے کہ آگے آرہا ہے "ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم" اس لئے جس میں جماع ہی کی طاقت نہ ہو اس کیلئے اس تدبیر کی حاجت ہی نہیں ہے جو حدیث میں آپ نے بیان فرمائی۔

اشکال: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں "فعلیہ بالصوم" کی جگہ پر "فعلیہ بالجوع" کہا جاتا تو عبارت کا سیاق وسباق کے ذریعہ ہم آہنگ ہوتا، کیوں کہ بھوک سے شہوت ماند پڑ جاتی ہے۔

جواب: نفس جوع سے بلاشبہ شہوت ٹوٹ جاتی ہے، لیکن اگر بھوکا رہنا روزہ کی نیت سے ہو، تو عظیم عبادت کا ثواب بھی حاصل ہوگا اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسر شہوت کے لئے روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (طیبی: ٦/٢٣٥)

دوا کے ذریعہ کسر شہوت: حدیث باب سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جو شخص لوازم نکاح پر قادر نہیں ہے اور اس میں جوانی کا جوش ہے تو اس جوش کو توڑنے کے لئے متواتر روزے رکھنا چاہئے، لیکن کیا ان دواؤں کا استعمال کیا جاسکتا ہے جو قطع شہوت کے لئے مفید ہوتی ہیں، حضرت جناب علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ شرح السنۃ میں لکھتے ہیں کہ ایسی ادویہ کا استعمال درست ہے جس سے ہیجان کی کیفیت ختم ہو جائے، بالکلیہ شہوت کو ختم کرنے والی دواؤں کا استعمال درست نہیں ہے۔

فان لہ وجاء: غلبہ شہوت کے وقت روزہ رکھنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے تاکید فرمائی کہ اس سے شہوت کا زور ٹوٹتا ہے قوت مردانگی ختم نہیں ہوتی ہے، کیوں کہ وجاء کے معنی ہیں "نر" کے خصیے ایسے طور پر دبانا کہ خصی جیسا ہو جائے، یہاں خصی کرنا مراد نہیں ہے کیوں کہ خصی کرنے کا مطلب فوطے نکال دینا ہوتا ہے۔

مشت زنی کا حکم: غلبہ شہوت کے وقت استمناء بالید کی گنجائش ہے کہ نہیں؟ اس سلسلہ میں صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک اگرچہ یہ عمل مکروہ تحریمی ہے لیکن غلبہ شہوت کے وقت زنا

سے بچنے کی غرض سے اگر کبھی کبھار اس عمل کا مرتکب ہوگیا تو معافی کی امید ہے۔

وجاء اور اخصاء میں فرق

قوله: فانه له وجاء: وجاء کے معنی "رض الخصیتین" لکھے ہیں یعنی خصیتین کو کوٹ دینا، دبا دینا جس کا حاصل شہوت کا زور کم کرنا ہے نہ کہ استیصال اور بالکلیہ قطع کرنا، جیسا کہ اخصاء میں ہوتا ہے۔

فائدہ: یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ روزہ سے توبسا اوقات آدمی کی شہوت میں مزید حرکت پیدا ہوتی ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بات ابتداء میں اور صرف ایک دو روزے رکھنے سے ہوتی ہے، لیکن روزوں کا اگر تسلسل ہو تو پھر اس سے شہوت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے، اسی لئے حدیث میں "فعلیه بالصوم" فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص روزوں کا التزام کرے اور "فلیصم" نہیں فرمایا۔ (الدر المنضود: ۷/۴، مرقاۃ: ۳/۴۰۲)

ترک نکاح کی ممانعت

{۲۹۴۷} **وَعَنْ** سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ التَّبَتُّلَ وَلَوْ اَذِنَ لَهٗ لَاخْتَصَیْنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۷۵۹/۲، باب مایکره من التبتل، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۰۷۳، مسلم شریف: ۴۴۹/۱، باب استحباب النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۴۰۲۔

حل لغات: رده: روکنا، ہٹانا، تبتل عن الزواج: ترک دنیا کی بناء پر شادی نہ کرنا، علی بمعنی عن۔

ترجمه: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو مجرد رہنے سے منع کر دیا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ترک نکاح کی

اجازت دیتے تو ہم بھی خصی ہوجاتے ۔(بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اس عمل سے روک دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی سے ترک تعلق کو پسند نہیں فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اپنا اسوہ پیش کیا اور بتایا کہ دیکھو میں ازواج سے تعلق رکھتا ہوں، یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ سے نہیں اس کا مجھ سے تعلق نہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان کو مجرد رہنے کی اجازت دیدیتے تو ہم خصی ہوجاتے، اور مکمل طور سے بیویوں سے بے تعلق رہتے، شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت کو قطعی پسند نہیں کیا ہے، اور نفس کشی کے بجائے نفس کی اصلاح پر زور دیا ہے، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں سے تو ایک آدھ نبیوں نے شادی نہیں کی لیکن تمام کے تمام رسولوں نے شادیاں کی ہیں اور ان کے بچے بھی ہوئے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ "ولقد ارسلنا من قبلك وجعلنا لهم ازواجا وذرية" (سورۃ الرعد: آیت ۳۸) ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی رسول گذرے ہیں سب کی بیویاں اور اولاد تھیں، نکاح کرنا اور حق زوجیت ادا کرنا یہ نبیوں اور رسولوں کی سنت ہے، اور اس سے انحراف کرنا خلاف فطرت عمل ہے، لہٰذا: عمومی حالات میں نکاح کرنے ہی میں عافیت ہے اور بیوی سے تعلق رکھنے میں بہت سے مفاسد سے حفاظت ہے۔

تبتل کے معنی ہیں عورتوں سے بے تعلق رہنا، اس کی دوصورتیں ہیں (۱) نکاح نہ کرنا، (۲) بیویوں سے بے تعلق رہنا یعنی بیوی سے ازدواجی تعلق قائم نہ کرنا، یہ صورت پہلی صورت سے زیادہ قبیح ہے، نصاریٰ کے یہاں عورتوں سے دور رہنا ہی کمال تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے منع کردیا ہے، اور نکاح پر ابھارا ہے، تاکہ نسلوں میں اضافہ ہوتا رہے اور جہاد قائم رہے، بعض لوگ قرآن مجید کی آیت "وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلاً" اور سب سے الگ ہوکر پورے کے پورے اسی کے ہو رہو۔ (سورۃ المزمل: آیت ۸) سے یہ سمجھتے ہیں کہ عورتوں سے کنارہ کشی بہتر ہے، حالانکہ یہ استدلال درست نہیں ہے یہاں زہد اختیار کرنے کی تاکید ہے، جسکا حاصل یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس درجہ غالب ہو کہ دنیوی امور اللہ کی محبت میں حائل نہ ہوسکیں، اگر اس آیت میں ترک نکاح کا حکم ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نکاح نہ فرماتے، کیونکہ اس حکم کے سب سے پہلے مخاطب تو آنحضرت ﷺ ہی تھے، آنحضرت ﷺ کا نکاح کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس آیت میں نکاح سے روکنا مقصود نہیں ہے۔

لو اذن له: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو کہ راوی حدیث ہیں فرماتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ عثمان بن مظعون کو اس کی اجازت دیدیتے "لاختصینا" تو ہم سب خصی ہو جاتے تا کہ عورتوں کی احتیاج ہی باقی نہ رہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظاہر حق تو یہ تھا کہ "لَوْ اَذِنَ لَتَبَتَّلْنَا" کہا جاتا بجائے اس کے اختصینا اس لئے فرمایا کہ اس صفت میں خوب مبالغہ کا اظہار ہو یعنی یہ کہ اگر آپ اجازت دیتے تو ہم عورتوں سے بہت زیادہ علیٰحدگی اختیار کرتے یہاں تک کہ خصی ہو کر اپنے آپ کو اس کے قابل نہ رکھتے، خصی ہونا جائز ہی نہیں تو انہوں نے ایسا کیسے کہہ دیا؟ اس کا جواب علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ اسلئے ہے کہ ان کو اسکے جائز ہونے کا گمان تھا یعنی اس کے ناجائز ہونے کو یہ جانتے نہ تھے۔

مسئلہ: آدمی کے لئے خصی ہونا خواہ کم عمر ہو یا زیادہ حرام ہے، اور ہر اس جانور کا خصی کرنا جو کھایا نہیں جاتا وہ بھی حرام ہے جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کو چھوٹی عمر میں خصی کرنا جائز ہے، بڑی عمر میں وہ بھی ناجائز ہے۔

واضح رہے کہ خصی کے سلسلہ میں مرقومہ بالا مسئلہ علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ ہے لیکن چوں کہ اس کو حنفی محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور اس موقعہ پر احناف کا علاحدہ سے کوئی مسلک نہیں لکھا ہے اس لئے قرینہ یہ ہے کہ بعینہ یہی مسلک ہمارے امام صاحب کا بھی ہے۔

مظاہر حق جدید میں یہ لکھا ہے مذکورہ بالا تفصیل علامہ نووی شافعی نے لکھی ہے جبکہ فقہ حنفی کی کتابوں درمختار اور ہدایہ میں بڑی عمر اور چھوٹی عمر کی تفصیل کے بغیر صرف یہ لکھا ہے کہ جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے۔ (انوار المصابیح ۱۲/۶، مرقاۃ: ۴۰۲/۳، طیبی: ۲۳۶/۶)

دین دار لڑکی سے نکاح کرنے کی ترغیب

{۲۹۴۸} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِاَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۶۲، باب الاکفاء فی الدین، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۰۹۰، مسلم شریف: ۱/۴۷۴، باب استحباب نکاح ذات الدین: کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۴۶۶۔

حل لغات: ظفر: (س) کامیاب ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ عورتوں سے چار وجہوں سے نکاح کیا جاتا ہے (۱) اس کے مال کی بنا پر، (۲) اس کے حسب و نسب کی بنا پر، (۳) اس کے حسن و جمال کی بنا پر، (۴) اس کے دین دار ہونے کی بناء پر، تم دین دار کا انتخاب کر کے کامیاب ہو جاؤ، تمہارے ہاتھ خاک آلودہوں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: تنکح المرأة لاربع: چار مقاصد سے نکاح ہوتا ہے، چار امور کا ذکر بطور مثال کے ہے، حصر حقیقی مراد نہیں ہے، کیونکہ اس کے علاوہ بعض دیگر مقاصد سے بھی لوگ نکاح کرتے ہیں، "لمالها" بعض لوگ نکاح کرتے وقت مال دار عورت کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ اس کے مال سے تعاون ملے دنیوی آرام و راحت میسر ہو سکے۔ "لحسبها" بعض لوگ خصوصی طور پر عورت کے حسب و نسب اور اس کے خاندان کو دیکھتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ سے معاشرہ میں ممتاز مقام حاصل ہو سکے، حسب کسی شخص میں اور اس کے آباؤ اجداد میں شرعاً یا عرفاً اچھی خصلتوں کا ہونا، "ولجمالها" کچھ لوگ بلکہ اکثر لوگ خوبصورت تلاش کرتے ہیں، کیونکہ خوبصورتی کی طرف انسان کی طبیعت مائل ہوتی ہے "ولدينها" کچھ لوگ عبادت گذار اور نیک لڑکی تلاش کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین دار عورت کو اختیار کرنے کی ترغیب دلائی ہے، اگر دین کے ساتھ بقیہ تین چیزیں یا ان میں سے کچھ چیزیں یا ایک ہی چیز جمع ہو جائے تو

بہت بہتر ہے، آنحضرت ﷺ نے عورت کے مال یا اس کے حسب ونسب ہی کو بنیاد بنا کر نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے

من تزوج امرأة لعزها لم یزد اللہ الا ذلا، ومن تزوجها لمالها لم یزدہ الا فقرا، ومن تزوجها لحسبها لم یزدہ الا دناءة، ومن تزوج امرأة لم یرد بها الا ان یغض بصرہ ویحصن فرجه او یصل رحمه بارك اللہ له فیها وبارك لها فیه" مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی عورت سے محض عزت حاصل کرنے کے لئے شادی کرتا ہے تو اس کو عزت کے بجائے ذلت نصیب ہوتی ہے، مال کو مقصود بنا کر شادی کرتا ہے تو بجائے غنا کے فقر دامن گیر ہوتا ہے، خاندانی وجاہت کو مطلوب بنا کر نکاح کرتا ہے تو دنائت حصہ میں آتی ہے، اور اگر کوئی شخص آنکھ اور شرمگاہ کی حفاظت اور وصل رحم کی خاطر شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مقصد میں کامیابی عطا کرتے ہیں دونوں کی برکتوں رحمتوں سے مالا مال کرتے ہیں اور شوہر و بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ ہر طرح کی خوشی ومسرت نصیب ہوتی ہے، اسی طرح ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "لا تزوجوا النساء لحسنهن، فعسی حسنهن ان یردیهن ولا تتزوجوهن لما لهن فعسی۔ اموالهن ان تطغیهن ولکن تزوجوهن علی الدین ولامة خرماء سوداء ذات دین افضل" (ابن ماجہ)

فاظفر بذات الدین تربت یداك: اس جملہ کے ذریعہ آپ ﷺ دین دار عورت کا انتخاب کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں "تربت یداك" کے لغوی معنی ہیں تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں، یہ ایک محاورہ ہے یہاں لغوی معنی مراد نہیں ہیں، اس جملہ کو اہل عرب بہت سے مواقع پر استعمال کرتے ہیں، جیسے انکار کے لئے، اظہار تعجب وخفگی کے لئے، کسی کام کی عظمت بیان کرنے کے لئے کسی کام پر ابھارنے کیلئے، یہ کلمہ اس شخص کے لئے ہے، جو دین دار عورت کا انتخاب نہ کرے۔ (طیبی: ۶/۲۳/۷، مرقاۃ: ۳/۴۰۳)

ایک صاحب حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے، اور انہوں نے عرض کیا کہ میری ایک بیٹی ہے جس سے مجھے محبت ہے اس کے بہت سے رشتے آئے ہیں مجھے مشورہ دیجئے کہ میں ان میں سے کس سے اپنی بیٹی کا نکاح کروں؟ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ متقی آدمی سے نکاح کرو، اس لئے کہ اگر وہ لڑکی

سے محبت کریگا تو اس کا ہر طرح سے خیال رکھے گا، اور اگر اس کو ناپسند کرے گا تو بھی اس پر ظلم نہیں کریگا۔ (طیبی ۶/۲۳۸)

فائدہ: حدیث پاک میں رشتہ کے انتخاب کا طریقہ ارشاد فرمایا ہے کہ رشتہ کے انتخاب کے وقت دین داری کو بنیاد بنانا چاہئے اسی میں دین و دنیا کی کامیابی ہے اسی طریقہ انتخاب کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے امت پریشانیوں کا شکار ہو رہی ہے اور تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی ہے، اسلئے ضروری ہے کہ رشتہ کے انتخاب کے وقت دین داری کو بنیاد بنائیں خود بھی اس پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں۔

نیک بیوی بہترین متاع ہے

{۲۹۴۹} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْیَا کُلُّھَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا اَلْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ۔ (روہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۷۵، باب خیر متاع الدنیا، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۴۶۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ساری دنیا دولت ہے اور دنیا کی بہترین دولت نیک بیوی ہے۔ (مسلم)

تشریح: الدنیا کلھا متاع: متاع، کہتے ہیں جس سے تھوڑا فائدہ اٹھایا جائے، پھر وہ جلدی فنا ہو جائے، دنیا میں جو کچھ بھی ہے چاہے وہ قلیل نظر آتا ہو یا کثیر، اللہ کی نگاہ میں بہت معمولی اور بہت جلد فنا ہونے والا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "قل متاع الدنیا قلیل" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ماسقی الکافر منھا شربۃ ماء" (مرقات ۳/۴۰۴)

اگر دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو دنیا سے کسی کافر کو

اللہ تعالیٰ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پلاتے۔

المرأة الصالحة: چوں کہ نیک عورت اُخروی امور کے لئے بہت مددگار ثابت ہوتی ہے لہٰذا یہ سب سے گراں قدر متاع ہے، اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "ربنا آتنا فی الدنیا الخ" کی تفسیر کرتے ہوئے "فی الدنیا حسنة" سے نیک بیوی مراد لیا ہے اور "فی الآخرة حسنة" سے حورعین مراد لیا ہے، جب کہ "وقنا عذاب النار" سے بے حیاء زبان دراز عورت کو مراد لیا ہے۔ "الصالحة" نیک کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے کہ اگر بیوی بدخصلت ہے تو بہت زیادہ تکلیف اور رنج کا سبب بھی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "زین للناس حب الشهوات الخ" میں انسان کے حق میں جن فتنوں کا ذکر کیا ہے ان میں سب سے پہلے "النساء" عورتوں کو رکھا ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا: کہ "ما ترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء" میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنہ سے زیادہ ضرر رساں ہو۔ (مرقاۃ: ۳/۴۰۴)

فائدہ: معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو نیک بیوی عطا فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کرے اور اس عظیم نعمت کی بہت زیادہ قدر کرے۔

قریشی بیویوں کی فضیلت

{۲۹۵۰} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰی وَلَدٍ فِیْ صِغَرِهٖ وَاَرْعَاهُ عَلٰی زَوْجٍ فِیْ ذَاتِ يَدِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷٦۰، باب الی من ینکح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۰۸۲، مسلم شریف: ۲/۳۰۷، باب من فضائل نساء قریش، کتاب فضائل الصحابة، حدیث نمبر: ۲۵۱۷۔

حل لغات: حنا علیه: مہربانی کرنا، شفقت کرنا، رعی الشیء رعیا: حفاظت کرنا، خیال کرنا، لحاظ کرنا،

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اونٹوں پر سوار ہونے والی بہترین عورتوں میں قریش کی نیک عورتیں ہیں، جو کہ اپنی اولاد پر ان کے بچپن میں بہت شفیق ہوتی ہیں، اور خاوند کا وہ مال جو ان کے پاس ہوتا ہے اس کی خوب حفاظت کرتی ہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: عام طور پر عرب کی عورتیں ہی اونٹوں پر سوار ہوتی تھیں، لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ عرب کی عورتوں میں قریش کی عورتیں سب سے نیک بخت ہیں، یہ اپنے بچے اور اپنے شوہروں کے حقوق خوب اچھی طرح ادا کرتی ہیں۔

خیر نساء رکبن الابل: یہ مبتداء ہے اور اس کی مراد عرب کی عورتیں ہیں، اس لئے کہ اونٹ کی سواری عرب عورتوں کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ "صالح نساء قریش" یہ خبر ہے، "احناہ" یہ "الحنو" جس کے معنی شفقت ومہربانی کے ہیں اسم تفضیل ہے اور یہ متانفہ ہے اور جواب ہے اس کا جو یہ کہے کہ ان کے خیر ہونے کا سبب کیا ہے؟ اور مطلب یہ ہے کہ جنس عورت میں سب سے زیادہ شفیق ومہربان، اور ''احناہ'' میں مذکر کی ضمیر لانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تاویل میں "احنی ھٰذا الصنف" کے یا "من یرکب الابل" کے ہے، واضح رہے کہ اس توجیہ کی ضرورت اس وقت ہے کہ "صالح نساء قریش" کے بجائے صالح کے ترک کے ساتھ صرف "نساء قریش" ہو جیسا کہ پہلے متروک تھا اور اس وقت مشکوۃ کے جتنے بھی نسخے موجود ہیں سب میں "صالح نساء قریش" ہی ہے تو پھر اس حالت میں ضمیر کے مرجع کے سلسلہ میں ان توجیہات کی ضرورت نہیں ہے جو لکھی گئیں بلکہ سیدھے یہی صالح "احناہ" کی ضمیر کا مرجع ہے، "علی ولدہ فی صغرہ" لڑکا جبکہ چھوٹا ہو اس وقت قریش کی یہ صالح عورت بچے پر انتہائی مہربان ومشفقہ ہوتی ہے، اور "ولد" کو نکرہ اس لئے لائے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کی ہی شفقت ہر چھوٹے بچہ کے لئے ہوتی ہے، خواہ یہ لڑکا اس کے شوہر کا ہو یا اس کا نہ ہو یعنی اس کی دوسری بیوی کا لڑکا ہو۔ علامہ نے یہ فرمایا کہ یہ لڑکے کے ساتھ صغری قید لگی ہوئی ہے، یہ ظاہر کرتی ہے کہ ان عورتوں کی یہ شفقت معلل بالصغر ہے تو یہ صغر یعنی بچپنا جہاں پایا جائے ان کی شفقت وہاں موجود ہوتی ہے، کس کا لڑکا؟ کہاں کا لڑکا؟ ایسا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا، "وارعاہ ای احفظ جنسھن" قاری "وعلی زوج فی ذات یدہ" یعنی

شوہر کے وہ اموال یا سامان جو گھر کی مالکہ ہونے کی حیثیت سے اس کے قبضہ میں ہوتے ہیں ان کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والی، اور بعض شارحین نے یہ فرمایا کہ اس سے شرمگاہ کی طرف کنایہ ہے جو کہ شوہر کی ملک ہوتی ہے اور یہ ایسی عفیفہ و پاکدامن ہوتی ہیں کہ وہ اپنے شوہر کی اس ملک کی مکمل محافظ ہوتی ہے۔ (انوار المصابیح: ۱۴/ ۶، مرقاۃ: ۴۰۴/ ۳، طیبی: ۲۳۹/ ۶)

فائدہ: معلوم ہوا کہ صالح عورتوں کی صفت خاص طور پر دو چیزیں ہوتی ہیں (۱) بچوں پر انتہائی شفقت و مہربانی اور ان کی تعلیم و تربیت کی پوری فکر، (۲) شوہر کے مال اور اس کے عزت و ناموس کی پوری حفاظت، اسلئے عورتوں کو اپنے اندر یہ صفات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

عورتوں کا فتنہ

{۲۹۵۱} **وَعَنْ** اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاتَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً اَضَرَّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۶۳، باب مایتقی من شئوم المرأۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۰۹۶، مسلم شریف: ۲/ ۳۵۲، باب اکثر اھل الجنۃ الفقراء، کتاب الذکر، حدیث نمبر: ۲۷۴۰۔

حل لغات: الفتنۃ: آزمائش، گمراہی، عذاب۔

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجل: مردوں کے حق میں عورت بہت بڑا فتنہ ہے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: چونکہ عورت ناقص العقل والدین ہوتی ہے، لہٰذا اکثر و بیشتر وہ شوہر کو دین سے اعراض پر مائل کرتی ہے اور مرد کے حق میں اس سے بڑا فساد کیا ہوگا کہ وہ عورت کے چکر

میں پڑ کر دین سے غافل ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ۷۳/۱۴)

صاحب مرقات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: عورتیں مرد کو قتل وقتال اور باہمی رنجش وعداوت میں مبتلا کرتی ہیں، اور کم از کم شوہر کو دنیا کی طرف راغب کرہی دیتی ہیں اور یہ بہت بڑا نقصان ہے کیونکہ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے، (مرقاۃ: ۶/۲۴۲) روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عورت کو پیدا کیا تو شیطان بہت خوش ہوا، اور کہا کہ یہ میرا وہ جال ہے جسکے ذریعہ میں مرد کو ضرور پھانس لوں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ: "النساء حبائل الشیطان" عورتیں شیطان کا پھندہ ہیں، ایک دوسرے موقع پر فرمایا: "اوثق سلاح ابلیس النساء" عورتیں شیطان کا مضبوط ترین ہتھیار ہیں۔ (عمدۃ القاری: ۷۳/۱۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بری عورتوں سے پناہ مانگنے کی تاکید بھی فرمائی ہے اور بدخصلت عورتوں سے بچنے کی تاکید بھی کی ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ بنو اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی صورت میں برپا ہوا تھا۔

ان احادیث سے ہم مردوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ عورتوں کے چکر میں پڑ کر اپنی عاقبت برباد کرنے کے بجائے حسن تدبیر سے عورتوں کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے اور ان کی ہر جائز وناجائز خواہش کے آگے سر جھکانے سے گریز کرنا چاہئے۔

عورت کے فتنہ سے بچو

{۲۹۵۲} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدٍ اَلْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْہَا، فَیَنْظُرُ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوْا الدُّنْیَا وَاتَّقُوْا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَۃِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ فِی النِّسَاءِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۳۵۳/۲، باب اکثر اهل الجنة الفقراء کتاب الذکر، حدیث نمبر: ۲۷۴۲۔

حل لغات: **الحلو**: میٹھا، لذیذ، خوبصورت، پیارا، **الخضرۃ**: تازہ، ہری کھیتی، سبزہ زار مقام۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بلاشبہ دنیا میٹھی اور سرسبز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تم کو اس میں خلیفہ بنایا ہے، اس لئے وہ دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ تم لوگ دنیا سے محتاط رہو اور عورتوں سے بھی محتاط رہو، کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں میں آیا تھا۔ (مسلم)

تشریح: الدنیا حلوۃ: حاء کو ضمہ ہے "خضرۃ" خاء کو فتحہ اور ضاد کو کسرہ ہے، دنیا میٹھی ہے اور میٹھی چیز بالعموم مرغوب ہوتی ہے، دنیا سبزہ زار ہے اور آنکھوں کو بھلا معلوم ہوتی ہے، اور یا "خضرۃ" اسلئے کہا گیا کہ ہر چیز جلد سوکھ ساکھ کر ختم ہو جاتی ہے اور دنیا بھی بالآخر فانی ہے، "وان اللہ مستخلفکم فیھا" تم کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنائے گا اور تم اس کے خلیفہ اور وکیل کی حیثیت سے اس میں تصرف کروگے تم اس کے مالک نہیں ہوگے اس لئے کہ مالک تو وہ ہے جس کے تم خلیفہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ "فینظر کیف تعملون" وہ دیکھے گا کہ خلیفہ بننے کے بعد تم کیسے عمل کرتے ہو، اور دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے پہلے والوں کا تم کو خلیفہ بنانے والا ہے اور ان کے پاس جو تھا وہ تم کو عطا فرمانے والا ہے پھر وہ دیکھے گا کہ تم نے ان کے حال سے کیا نصیحت حاصل کی ہے اور ان کے انجام پر کتنا غور کیا۔ "فاتقو الدنیا" دنیا سے بچو اور دنیا کا جو مال اور منصب ہے اس سے دھوکے میں مت پڑو اس لئے کہ یہ سب زوال سے بہت قریب کی چیزیں ہیں۔ "واتقو النساء" عورتوں سے بچتے رہو اور ان کی وجہ سے ممنوعہ اشیاء میں دلچسپی مت لو یا ان میں مبتلا نہ ہو جاؤ، "فان اول فتنۃ بنی اسرائیل کانت فی النساء" بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ اور ان کی پہلی آزمائش انہی کے معاملہ سے ہوئی اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ عورتوں سے بچو اس طور پر کہ ان کی طرف میلان کی وجہ سے حرام میں مبتلا مت ہو جاؤ اور ان کے اقوال کو مت قبول کرو، اس لئے کہ وہ ناقصات العقل ہیں عام طور پر ان کے کلام میں خیر نہیں ہوتی، قرآن کریم کی آیت "واتل علیھم نبأ الذی آتینا" (اعراف: ۱۷۵) کی تفسیر کے تحت علامہ بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور اسدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے حوالہ سے ایک قصہ نقل کیا ہے اور علامہ قاری نے مرقات میں حدیث پاک کے اسی جملہ کی تشریح کے ذیل میں اس کو نقل کیا ہے

اور یہی قصہ صاحب مظاہر حق قدیم وجدید نے تعبیر کے معمولی فرق کے ساتھ نقل کیا ہے ان سبھی حضرات کی اتباع میں یہ واقعہ مظاہر حق جدید کی تعبیر کے ساتھ یہ ہے:

فتنہ عورت کی تفصیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص جس کا نام بلعم بن باعور تھا بہت مستجاب الدعوات تھا اس کہ اسم اعظم یاد تھا، جس کے ذریعہ وہ اپنی ہر دعا قبول کرالیتا تھا، چنانچہ جب حضرت موسی علیہ السلام جبّاروں سے لڑنے کے لئے علاقہ شام میں واقع بنی کنعان کے ایک حصہ میں خیمہ زن ہوئے تو بلعم کی قوم کے لوگ بلعم کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت موسی علیہ السلام اپنے پیروکاروں کا ایک عظیم لشکر لیکر ہمیں قتل کرنے اور اس علاقہ سے نکالنے کیلئے آئے ہیں تم ان کے لئے کوئی بددعا کروکہ وہ یہاں سے واپس بھاگ جائیں، بلعم نے جواب دیا: کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم وہ نہیں جانتے بھلا میں خدا کے پیغمبر اور ان کے ماننے والوں کے حق میں بددعا کیسے کرسکتا ہوں اگر میں ان کے لئے بددعا کرتا ہوں تو میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہوجائیں گی۔

جب اس کی قوم کے لوگوں نے بہت منت سماجت کی اور بددعا کرنے پر اصرار کرتے رہے تو بلعم نے کہا کہ اچھا میں استخارہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ کیا حکم ہوتا ہے پھر اس کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا، بلعم کا یہ معمول تھا کہ وہ بغیر استخارہ کوئی بھی کام نہیں کرتا تھا، چنانچہ جب استخارہ کیا تو خواب میں اسے ہدایت کی گئی کہ پیغمبر اور مؤمنوں کے حق میں ہرگز بددعا مت کرنا، بلعم نے اس خواب سے اپنی قوم کو مطلع کیا اور بددعا نہ کرنے کے ارادے کا پھر اظہار کیا، قوم کے لوگوں نے غور وفکر کے بعد ایک طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ وہ لوگ اپنے ساتھ بیش قیمت تحفے لیکر بلعم کے پاس آئے اور پھر اس کے سامنے بہت ہی زیادہ منت وسماجت کی، روئے گڑ گڑائے اور اسے اتنا مجبور کیا کہ آخر کار وہ ان کے جال میں پھنس ہی گیا، چنانچہ وہ بددعا کرنے کی غرض سے اپنے گدھے پر سوار ہوکر اس پہاڑ کی طرف چلا جس کے قریب حضرت موسی علیہ السلام کا لشکر مقیم تھا، راستہ میں کئی مرتبہ گدھا گرا جسے وہ مار مار کر اٹھاتا رہا یہاں تک کہ جب یہ سلسلہ دراز ہوا اور بلعم بھی اپنے گدھے کو مار مار کر اٹھاتا ہوا پریشان ہوگیا تو حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے

گدھے کو گویائی عطا کی چنانچہ گدھا بولا کہ ''نادان بلعم! تجھ پر افسوس ہے کہ کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں جا رہا ہے تو مجھے آگے چلانے کی کوشش کرتا ہے اور ملائکہ میرے آگے آکر مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں، بلعم نے جب چشم حیرت سے گدھے کو بولتے دیکھا تو بجائے اس کے کہ اس تنبیہ پر اپنے ارادہ سے باز آجاتا گدھے کو وہیں چھوڑ دیا پا پیادہ پہاڑ پر چڑھ گیا اور وہاں بددعا کرنے لگا مگر یہاں بھی قدرت خداوندی نے اپنا کرشمہ دکھایا کہ بلعم اپنی بددعا میں جب بھی حضرت موسی علیہ السلام اور ان کے لشکر کا نام لینا چاہتا اس کی زبان سے بنی اسرائیل کے بجائے بلعم کی قوم کا نام نکلتا یہ سن کر اس کی قوم کے لوگوں نے کہا: بلعم! یہ کیا حرکت ہے؟ بنی اسرائیل کے بجائے ہمارے حق میں بددعا کر رہے ہو بلعم نے کہا اب میں کیا کروں یہ حق تعالیٰ میرے قصد و ارادہ کے بغیر میری زبان سے تمہارا نام نکلوا رہا ہے لیکن بلعم پھر بھی اپنی بددعا سے باز نہ آیا اور اپنی سی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ عذاب الٰہی کی وجہ سے بلعم کی زبان اس کے منہ سے نکل کر سینہ پر آپڑی پھر تو گویا بلعم کی عقل بالکل ہی ماری گئی اور دیوانہ وار کہنے لگا کہ لو اب تو میری دنیا اور آخرت دونوں ہی برباد ہو گئیں، اس لئے اب ہمیں بنی اسرائیل کی تباہی کے لئے دوسرا جال تیار کرنا پڑے گا، پھر اس نے مشورہ دیا کہ تم لوگ اپنی اپنی عورتوں کو اچھی طرح آراستہ و پیراستہ کرکے ان کے ہاتھوں میں کچھ چیزیں دیکر ان کے بیچنے کے بہانے سے بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان سے کہہ دو کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص تمہیں اپنے پاس بلائے تو انکار نہ کرنا۔ یاد رکھو! اگر بنی اسرائیل میں سے ایک بھی شخص کسی عورت کے ساتھ حرام کاری میں مبتلا ہو گیا تو تمہاری ساری کوششیں کامیاب ہو جائیں گی، چنانچہ بلعم کی قوم نے اس مشورہ پر عمل کیا اور اپنی عورتوں کو بنا سنوار کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دیا وہ عورتیں جب لشکر میں پہنچیں اور ان میں سے ایک عورت جس کا نام کسّی بنت صور تھا بنی اسرائیل کے ایک سردار زمزم بن شلوم نامی کے سامنے سے گذری تو وہ اس عورت کے حسن و جمال کا اسیر ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت موسی علیہ السلام کے پاس لے گیا اور ان سے کہنے لگا کہ کیا آپ اس عورت کو میرے لئے حرام قرار دیتے ہیں؟ حضرت موسی علیہ السلام نے جب یہ جواب دیا کہ ہاں: اس عورت کے پاس ہرگز مت جانا: تو زمزم نے کہا کہ میں اس بارے میں آپ کا حکم قطعاً نہیں مانوں گا، چنانچہ وہ اس عورت کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور وہاں اس کے ساتھ منہ کالا کیا۔ پھر کیا تھا حکم الٰہی نے قہر کی شکل اختیار کر لی اور اس سردار کی

شامت عمل سے ایسی وبا پورے لشکر پر نازل ہوئی کہ آن کی آن میں ستر ہزار آدمی ہلاک وتباہ ہو گئے، ادھر فخاص کو جو حضرت ہارون علیہ السلام کا پوتا اور ایک قوی ہیکل آدمی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نگہبان تھا یہ معلوم ہوا کہ ہمارے ایک سردار کی شامت عمل نے قہر خداوندی کو دعوت دیدی ہے تو فوراً اپنا ہتھیار لیکر زمزم کے خیمہ میں داخل ہوا اور پلک جھپکتے ہی زمزم اور اس عورت کا کام تمام کر ڈالا اور پھر بولا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی وجہ سے ہم کو ہلاک وتباہ کر دیا ہے، چنانچہ ان دونوں کے قتل ہوتے ہی وہ وبا جو عذاب خداوندی کی شکل میں نازل ہوئی تھی ختم ہو گئی۔

زیر تشریح جملہ میں مذکورہ محدثین کے نزدیک بنی اسرائیل کے اول فتنہ سے یہی فتنہ مراد ہے واللہ اعلم بالصواب۔ (انوار المصابیح:۱۶/۱۸) تفصیل کے لئے دیکھئے (مرقاۃ:۶/۱۹۰)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھے جن کا نام "عامل" تھا ان سے ان کے بھتیجے یا ان کے چچا زاد بھائی نے اس بات کی درخواست کی کہ وہ اپنی بیٹی سے ان کا نکاح کر دیں، انہوں نے درخواست رد کر دی اور اپنی بیٹی کا نکاح ان سے نہیں کیا، چنانچہ درخواست کرنے والے شخص نے "عامل" کو قتل کر دیا، یہی وہ واقعہ ہے جس کی تفصیل سورۃ بقرہ میں ہے اور "بقرہ" یعنی گائے والے واقعہ کی تفصیل، اس واقعہ سے متعلق ہے۔ (طیبی:۶/۲۴۱)

صاحب مرقات نے طیبی سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے لیکن پہلا واقعہ تفصیل سے نقل کیا ہے اور وہی واقعہ عورت کے ذریعہ بنی اسرائیل کے فتنہ میں پڑنے کے حوالے سے زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

تین چیزوں میں نحوست

{۲۹۵۳} **وَعَن** بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُماَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّؤْمُ فِيْ الْمَرْأَةِ وَالدَّارِ وَالْفَرَسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِي رِوَايَةٍ الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ وَالدَّابَّةِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۶۳، باب مایتقی من شؤم المرأۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۰۹۳، مسلم شریف: ۲/۲۳۲، باب الطیر، کتاب السلام، حدیث نمبر: ۲۲۲۵۔

حل لغات: الشؤم: نحوست، بدشگونی، بدی، شر۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ بے برکتی عورت، گھر اور گھوڑے میں ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم) ایک روایت میں ہے کہ بے برکتی تین چیزوں میں ہوتی ہے، (۱) عورت میں، (۲) رہائش گاہ میں، (۳) سواری میں۔

تشریح: الشؤم فی المرأة: "شوم" یمن کی ضد ہے، یمن کے معنی برکت ہیں اور شوم بے برکت یعنی منحوس، چونکہ حدیث میں مذکورہ تین چیزیں بدخلقی کا سبب بنتی ہیں، اس لئے ان کی طرف نحوست کی نسبت کردی ہے ورنہ کوئی چیز بالذات منحوس نہیں ہے، ہر چیز اللہ کی مشیت اور اس کے فیصلہ سے وابستہ ہے، "المرأة" عورت کی نحوست یہ ہے کہ بانجھ ہو، مہر بہت زیادہ ہو، اور بدخلق ہو، "المسکن" گھر کی نحوست یہ ہے کہ وہ بہت تنگ ہو اور اس کے پڑوسی برے ہوں، "الدابة" جانور کی نحوست یہ ہے کہ وہ بہت شوخ ہو اور اس پر جہاد نہ کیا جاتا ہو، حاکم کی روایت ہے کہ "ثلاثة من الشقاء: المرأة تراها فتسؤوك وتحمل لسانها عليك والدابة تكون قطوفا فان ضربتها اتعبتك وان تركتها لم تلحق اصحابك والدار تكون ضيقة قليلة المرافق" تین چیزیں انسان کی بدبختی کی علامت ہیں، (۱) وہ بیوی کہ جب تو اس کو دیکھے تو وہ تم کو ناخوش کردے اور تمہارے اوپر زبان دراز کرے، (۲) سست رفتار بے ڈھنگی چال والی سواری، اگر اس کو مارو تو تم تھک جاؤ اور اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو تو تم کو ساتھیوں سے دور کردے، (۳) نہایت تنگ گھر جس میں آرام وسکون کا فقدان ہو۔ (فتح الباری: ۱۱/۳۹۲)

اگر یہی تین چیزیں اچھی مل جائیں تو انسان کی سعادت مندی کی علامت بھی ہے، جناب آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے "من سعادة بن آدم ثلاثة، المرأة الصالحة والمسكن الصالح، والمركب الصالح" سعادت مند بیوی، عمدہ گھر، اور بہترین سواری انسان کی نیک بختی کی علامت ہے، (حوالہ بالا) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمان میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی کا ایسا گھر ہے جس میں رہنا اس کو پسند نہیں ہے تو اس گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں منتقل ہو جائے، بیوی ایسی ہے جس کے ساتھ رہنے میں تکلیف ہے تو اس کو طلاق دیدے اور اگر گھوڑا یا سواری ناپسندیدہ ہے تو اس کو بیچ دے۔ (طیبی: ۶/۲۴۲)

اشکال مع جواب: دوسری روایت میں مطلقاً شؤم کی نفی آئی ہے، بناء بریں علماء کرام نے وجہ تطبیق کی مختلف صورتیں بیان کیں ہیں، کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو دوسری اشیاء سے خاص کرلیا، اور بعض نے کہا کہ یہ علی سبیل الفرض کہا: کہ اگر کسی چیز میں شؤم ہوتا تو ان تین میں ہوتا اور ان میں شوم نہیں ہے تو دوسرے میں بطریق اولی نہیں ہوگا، چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت اسکی تائید کرتی ہے۔ فرمایا: "وان یکون الطیرۃ فی شیء ففی المرأۃ والدار والفرس" اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کے انتخاب کرنے میں خوب ہوشیاری واحتیاط کے ساتھ قدم رکھنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ دین ودنیا کے مصالح ان کے ساتھ استوار ہوتے ہیں اگر ان میں خرابی آجائے تو پوری زندگی مکدر ہوجائی گی۔ (درس مشکوۃ: ۹/ ۳، التعلیق: ۴/ ۴)

کنواری لڑکی سے شادی کرنے کی ہدایت

{۲۹۵۴} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا كُنَّا قَرِيْبًا مِنَ الْمَدِيْنَةِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ: تَزَوَّجْتَ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ: أَبِكْرٌ أَمْ ثَيِّبٌ؟ قُلْتُ: بَلْ ثَيِّبٌ، قَالَ فَهَلاَّ بِكْراً تُلاَعِبُهَا وَتُلاَعِبُكَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَمْهِلُوْا حَتّٰى نَدْخُلَ لَيْلاً أَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۸۹، باب تستحد المغیبة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۴۷، مسلم شریف: ۱/ ۴۷۴، باب استحباب نکاح البکر، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۴۶۶۔

حل لغات: قفل من السفر: لوٹنا، الحدیث: نیا، بات، کلام وغیرہ، حدیث عهد بکذا: اس سے حال ہی میں واقفیت ہوئی ہے، العرس: زفاف، شادی، رخصتی، البکر: کنواری عورت، الثیب: بے شوہر عورت، غیر باکرہ، وہ عورت جس کا پردہ بکارت زائل ہوچکا ہو، مهل فی فعلیه: جلدی نہ کرنا، اطمینان

004

سے کام کرنا،**العشاء**: رات کی ابتدائی تاریکی،مغرب سے مکمل تاریکی تک کا وقت،**الشعت**: بکھرے ہوئے اجزاء پراگندگی،**استحد**: دھاردار آلہ(استرہ) سے شرمگاہ کے بال صاف کرنا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوہ میں ہم جناب سرورکائنات آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، چنانچہ جب ہم واپس ہوئے مدینہ کے قریب آگئے،تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری نئی نئی شادی ہوئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے نکاح کرلیا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنواری سے نکاح کیا یا ثیبہ؟ میں نے عرض کیا ثیبہ سے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کنواری سے نکاح کیوں نہیں کیا؟ تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی، جب ہم مدینہ پہنچ گئے اور ہم نے اپنے گھر میں داخل ہونے کی غرض سے جانے کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہرو، ہم رات میں یعنی عشاء کے وقت گھروں میں داخل ہوں گے، تا کہ جس عورت کے بال بکھرے ہوں وہ کنگھی کرلے،اور جس عورت کے خاوند موجود نہ تھے وہ اپنے زیر بال صاف کرلے۔(بخاری ومسلم)

تشریح: کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ: اس موقع پر یہ حدیث مختصر نقل ہوئی ہے، بخاری شریف میں پورا واقعہ صفحہ نمبر: ۲۸۳، پر ہے وہ یوں ہے کہ ایک غزوہ سے واپسی میں جب مدینہ منورہ کی طرف آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ تھا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرا اونٹ بہت سست رفتار ہوگیا اور تھک گیا، اتنے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ: جابر میں نے عرض کیا جی حضور! جناب محبوب خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا میرا اونٹ بہت سست رفتار ہوگیا ہے اور تھک گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے اور اپنے ٹیڑھے سر کی لاٹھی سے اس کو مارا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ سوار ہو جاؤ، میں سوار ہوگیا، اب وہ اتنا تیز چلنے لگا کہ میں اس کو روکنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نہ نکل جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ جابر! کیا تم نے شادی کی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنواری سے یا بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا بیوہ سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کنواری سے کیوں نہیں کی، تو اس سے کھیلتا اور وہ تجھ

سے کھیلتی، میں نے عرض کیا میری بہت سی بہنیں ہیں تو میں نے پسند کیا ایسی عورت سے نکاح کروں جو انہیں اکٹھا رکھے اور انہیں کنگھی کرے اور ان کی نگہبانی کرے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ کیا تم اپنا اونٹ فروخت کروگے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! تو آنحضرت ﷺ نے ایک اوقیہ کے بدلہ وہ اونٹ مجھ سے خرید لیا، پھر آنحضرت ﷺ مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے، اور میں دوسرے دن صبح پہنچا اور ہم مسجد آئے تو حضور ﷺ کو مسجد کے دروازہ پر پایا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم اب آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اپنا اونٹ چھوڑ دو اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ لو، چنانچہ میں اندر گیا اور نماز پڑھی، پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میرے لئے اوقیہ تول دیں، بلال رضی اللہ عنہ نے میرے لئے تول دیا اور بڑھا کر تولا، پھر میں چلا یہاں تک کہ جب میں مڑ گیا تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ میرے پاس جابر کو بلاؤ، میں نے دل میں کہا کہ حضور ﷺ اب اونٹ کو لوٹا دیں گے اور اس وقت میرے نزدیک اس کو لوٹانے سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں تھی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اپنا اونٹ لے جاؤ اور اس کی قیمت بھی تمہاری ہے۔

بلا بکر: آنحضرت ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو کنواری لڑکی سے نکاح کی ترغیب دلائی تھی کہ کنواری لڑکی میں بچہ پیدا کرنے کی بھی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے، وہ شوہر سے خوب محبت بھی کرتی ہے اور وہ کوری تختی کے مانند ہوتی ہے، لہٰذا اس کو سلیقہ سکھانا اور اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا آسان ہوتا ہے۔

آگے آنحضرت ﷺ کا فرمان آرہا ہے کہ "علیکم بالابکار فانهن اعذب افواها وانتق ارحاما وارضی بالیسیر" کنواری لڑکی سے نکاح کرو، کیوں کہ وہ منہ کی میٹھی، زیادہ بچے جننے والی اور تھوڑی چیز پر راضی ہو جانے والی ہوتی ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے باکرہ لڑکی کو چھوڑ کر ثیبہ سے اس لئے نکاح کیا تھا کہ ان کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سات یا نو بہنوں کو چھوڑا تھا، اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کنواری لڑکی سے نکاح فرماتے تو وہ بہنوں کی دیکھ بھال نہ کر سکتی اسلئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیوہ سے نکاح فرمایا کہ وہ تجربہ کار ہوتی ہے وہ بہنوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس قربانی کو سنا تو ان کو دعاؤں سے نوازا، "امهلوا" آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو غزوہ سے واپسی کے بعد اچانک گھر

میں داخل ہونے سے منع کر دیا، بلکہ رات تک ٹھہرنے کی تاکید کی اور رات میں گھر جانے کی تاکید کی، تاکہ بیویاں غسل وغیرہ کرلیں، صفائی ستھرائی کرلیں، کپڑے وغیرہ بدل لیں۔ اسلئے کہ اگر اچانک گھر میں داخل ہوں اور گھر میں بیوی پراگندہ حالت میں ہے اس حالت میں اس پر نظر پڑ کر کہیں اس سے نفرت نہ پیدا ہو جائے اور جب نفرت پیدا ہو جاتی ہے تو طلاق تک کی نوبت آ کر گھر برباد ہو جاتا ہے۔

اشکال: آنحضرت ﷺ نے سفر سے واپسی پر رات میں گھر جانے کی تاکید کی، جب کہ آنحضرت ﷺ ہی نے سفر سے واپسی پر رات میں گھر میں داخل ہونے سے منع کر رکھا تھا، جناب آنحضرت ﷺ کا بخاری میں فرمان نقل ہوا ہے۔ "اذا دخل لیلا فلا تدخل علی اھلك"۔

جواب: ممانعت کا تعلق اس صورت میں ہے کہ اچانک واپسی ہو اور بغیر اطلاع گھر میں دخول کا ارادہ ہو، اور جب گھر والوں کو پہلے سے اطلاع ہے، تو رات کے وقت گھر میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ (طیبی: ۶/۲۴۳، التعلیق: ۴/۵)

اصل یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے کسی طریقہ سے اطلاع ہو جانی چاہئے تاکہ اگر عورت پراگندہ حالت میں ہو تو اپنی حالت درست کرلے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا ہر عمل ہر ارشاد بے شمار مصالح پر مشتمل ہوتا ہے۔

{الفصل الثانی}

نکاح کرنے والے پر اللہ کی مدد

{۲۹۵۵} **عَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَی اللهِ عَوْنُهُمْ اَلْمُکَاتَبُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْاَدَاءَ وَالنَّاکِحُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْعَفَافَ وَالْمُجَاهِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ۔ (رواه الترمذی والنسائی وابن ماجه)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۲۹۵، باب ماجاءفی المجاھد، کتاب فضائل الجہاد، حدیث نمبر: ۱۶۵۵، نسائی شریف: ۲/۵۸، باب معونۃاللہ الناکح الذی یرید العفاف، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۲۱۸، ابن ماجہ شریف: ۱۸۱، باب المکاتب، کتاب العتیق، حدیث نمبر: ۲۵۱۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تین طرح کے لوگوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر لازم ہے، (۱) مکاتب، جو اپنا بدل کتابت ادا کرنا چاہتا ہے، (۲) نکاح کا خواہش مند جو کہ پاک دامنی چاہتا ہے، (۳) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔
(ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف)

تشریح: ثلاثۃ حق علی اللہ عونھم: تین لوگوں کی اللہ تعالی پر مدد کرنا لازم ہے، اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے، چونکہ ان اشخاص کی مدد کا اللہ کی طرف قطعی وعدہ ہے اسی کو لازم سے تعبیر کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لازم فرمالیا ہے، اور یہاں تین کا عدد ماعدا کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، لہٰذا مفہوم عدد معتبر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی مدد کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ یہ امور فی نفسہ دشوار ہیں، اللہ کی مدد کے بغیر ان کی انجام دہی ممکن نہیں ہے، لیکن کوئی اللہ کا بندہ اگر اللہ کے بھروسہ پر ان اعمال کی انجام دہی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو کر ان اعمال کی انجام دہی کرادیتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہونے سے یہ امور آسان ہو جاتے ہیں۔

المکاتب: وہ غلام جو اپنے آقا سے روپیہ کی کسی مقدار پر سودا کرلے کہ میں اتنا مال تم کو دوں گا اور تم مجھے آزاد کردو گے، روپیہ پیسہ کی وہ مقدار جس کے بدلہ میں غلام کو آزادی نصیب ہوتی ہے، بدل کتابت کہلاتی ہے، اور غلام مکاتب کہلاتا ہے جو غلام اس طرح کا معاملہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی آزادی کے انتظامات فرماتے ہیں۔

الناکح: جو شخص زنا سے بچنے کے ارادہ سے نکاح کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حسن نیت کی قدر کرتے ہیں اور اس کے لئے نکاح آسان فرمادیتے ہیں نکاح کے اسباب اور ضروری انتظامات آسان فرمادیتے ہیں۔

والمجاہد: اللہ کے دین کو بلند کرنے کی خاطر اللہ کے دشمنوں سے جو جہاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی اور اس کے گھر والوں کی مدد و نصرت فرماتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۶/۲۴۷)

اچھا رشتہ ملتے ہی نکاح کرنے کی ہدایت

{۲۹۵۶} **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَہٗ وَ خُلُقَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِنْ لاَ تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِیْضٌ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۰۷، باب ماجاء کم من ترضون، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۰۸۴۔

حل لغات: خطب: (ن) پیغام نکاح دینا، وعظ و تقریر کرنا وغیرہ، الخلق: (ج) اخلاق: عادت، طبیعت، طبعی خصلت، مزاج، فطرت، زوج فلانا امرأۃ بھا: (تفعیل) کسی کی کسی عورت سے شادی کرانا، العریض: چوڑا، کشادہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے پاس وہ شخص رشتہ بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس کے ساتھ لڑکی کا نکاح کردو، اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا۔ (ترمذی شریف)

تشریح: دین دار اور با اخلاق آدمی کے رشتہ کو ٹھکرا کر مال دار یا خوبصورت لڑکے کے انتظار میں بیٹھے رہنا بہت بڑے فتنہ کو دعوت دینا اور اللہ کو ناراض کرنا ہے، آج جو بدکاری اور زناکاری کا بازار گرم ہے، یہی وہ عظیم فساد و فتنہ ہے، جس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا تھا، دین دار اور با اخلاق لڑکے سے اگر رشتہ کیا جائے تو بہت ہی بہتر رفیق حیات ثابت ہوگا، اور اس کے ذریعہ سے خاندانوں میں الفت و محبت کی فضا عام ہوگی۔

اذا خطب احدکم: تمہاری اولاد یا رشتہ دار مثلاً بہن وغیرہ سے نکاح کا پیغام دے "من ترضون" یعنی تم پسند کرتے ہو اور اچھا سمجھتے ہو "دینہ ای دیانتہ وخلقہ ای معاشرتہ" یعنی اس

کے دین و دیانت، طرز زندگی اور خصائل وعادت کو تم پسند کرتے ہو، "فزوجوہ" جس کے لئے اس نے پیغام دیا ہے اس کے ساتھ اس کی شادی کر دو، "ان لم تفعلوہ" اگر تم نے ایسا نہ کیا یعنی مذکورہ امور کے پسندیدہ ہونے کے باوجود اس کے ساتھ نکاح نہ کیا بلکہ مال و جاہ وغیرہ کے چکر میں میں پڑے رہے تو "تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض" واقع ہوگا زمین پر فساد اور فتنہ یعنی اگر تم اسی طرح صاحب جاہ ومال کے پیغام کے انتظار میں رہے اور مذکورہ اوصاف کے مرد کے پیغام کو قبول نہ کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سی لڑکیاں بے نکاح اور بہت سے لڑکے بن بیاہے رہ جائیں گے، اور پھر اس کے نتیجہ میں ارتکاب زنا ہوگا اور اس کے نتیجہ میں خاندان کی رسوائی اور بدنامی ہوگی اور اسی بدنامی کی وجہ سے دو خاندانوں کے درمیان لڑائی جھگڑا اور کشت وخون کا بازار گرم ہوگا اور پھر یہ ممتد بھی ہوسکتا ہے یہی ہے فساد عریض جس کی خبر حدیث پاک میں دی گئی ہے۔

اس حدیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید ہے جن کا مسلک یہ ہے کہ وہ کفائت کے لئے صرف دین کو کافی سمجھتے ہیں جب کہ جمہور علماء کے نزدیک کفائت کے لئے چار چیزوں کے ہونے کی شرط ہے۔

۱، دین۔ ۲، آزادی۔ ۳، نسب۔ ۴، پیشہ۔

چنانچہ کسی عفیفہ، پاکدامن، پابند صوم وصلوۃ، صالح، نیک اور پرہیزگار عورت کا نکاح فاسق کے ساتھ اور کسی آزاد عورت کا نکاح غلام کے ساتھ اور کسی مشہور ومعروف نسب والی کا گم نام نسب والے مرد کے ساتھ اور کسی تاجر اور بہترین پیشہ والی عورت کا نکاح کسی ردی یا ناپسندیدہ پیشے والے کے ساتھ خلاف رعایتِ کفو ہے اور اس قسم کے نکاح کو غیر کفو کا نکاح کہا جائے گا، اور اس غیر کفو کے نکاح کو بھی اگر عورت اور اس کے اولیاء پسند کرلیں اور نکاح کر دیں تو نکاح بہر حال صحیح ہوگا، واضح رہے کہ علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دین کی تشریح میں یہ لکھا ہے، "لا تزوج المسلمۃ من کافر والصالحۃ من فاسق" مسلمہ کا نکاح کافر سے اور صالحہ کا نکاح فاسق سے نہ کیا جائے، اور انہیں کی اتباع میں مظاہر حق جدید وقدیم کے مصنفین نے بھی یہی مسئلہ اس موقع پر نقل کیا ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۴۶، طیبی: ۶/۲۴۵)

اس پر اشکال یہ ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح تو کافر کے ساتھ اولیاء اور عورت کی رضامندی کے

باوجود بھی صحیح نہ ہوگا یہ مسئلہ تو متفق علیہ ہے پھر کفو کی پہلی شرط "دین" جس کی تشریح مذکورہ تینوں کتابوں میں "کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے" کے ساتھ کی گئی ہے اور پھر آخر میں تینوں کتابوں میں یہ لکھا گیا ہے، اگر عورت اور اس کے اولیاء پسند کرلیں اور نکاح کردیں تو نکاح بہر حال صحیح ہوگا، یہ حکم کیسے درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ جمہور کے نزدیک رعایت دین کفو میں ہے لیکن دین کا وہ مطلب نہیں جو ان تینوں شارحین نے لیا ہے، ہدایہ میں "قال وتعتبر ایضا فی الدین ای الدیانة" یعنی کفائت میں دین کا اعتبار کیا جائے گا، لیکن دین سے مراد دیانت ہے اس "ای الدیانة" کے نیچے بین السطور میں لکھا ہے "حتی لا یکون الفاسق کفوا للعدلة" اور اسی پر حاشیہ لگایا گیا ہے۔ "قوله الدیانة وهی التقویٰ والصلاح وانما فسره بالدیانة لان المطلق الدین الاسلام ولا کلام فیه لان اسلام الزوج شرط جواز نکاح المسلمة وانما الکلام فی حق اعتراض الاولیاء بعد انعقاد العقد وذالك لایکون الافی الدین بمعنی الدیانة" (نهایه) اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ دین کی تفسیر دیانت کے ساتھ اس لئے کی کہ مطلق دین اسلام میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہے اس لئے کہ شوہر کا مسلمان ہونا مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کے لئے شرط ہے یہاں تو بات عقد کے منعقد ہوجانے کے بعد اولیاء کے اعتراض کی ہو رہی ہے اور انعقاد نکاح کی بات دین کو دیانت کے معنی میں دینے کے بعد ہی ہوسکتی ہے۔

خوب محبت کرنیوالی عورت سے شادی کرنی چاہئے

{۲۹۵۷} وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوْا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّيْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ۔
(رواہ ابوداؤد النسائی)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/ ۲۸۰ ، باب تزوج الابکار، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۵۰، نسائی شریف: ۲/ ۵۰، باب کراهیة تزویج العقیم، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۲۲۷۔

حل لغات: الودود: بہت محبت کرنے والی، محب صادق، الولود: ماں، بکثرت بچے جننے

والی، بہت اولاد والی، کاثرہ: (مفاعلۃ) کثرت عدد پر فخر کرنا، کثرت وزیادتی میں مقابلہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو خوب محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے جننے والی ہو، کیوں کہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ (ابوداؤد شریف، نسائی شریف)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خاندان کی لڑکیوں سے نکاح کرو، جس خاندان کی لڑکیاں شوہروں سے محبت کرنے والی اور کثیر الاولاد ہوتی ہیں، بچوں کی زیادتی سے اس امت میں اضافہ ہوگا اور امت کی کثرت کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فخر ہوگا، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچوں کی کثرت کی بناء پر عورت اپنے شوہر سے غفلت برتنے لگتی ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بھی ساتھ میں ذکر کیا کہ وہ لڑکی شوہر سے خوب محبت کرنے والی ہو۔

الودود: وہ لڑکی جو اپنے شوہر سے خوب محبت کرنے والی ہو ''الولود'' وہ لڑکی خوب بچے جننے والی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دو صفت بیان فرمائی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر لڑکی بچے تو خوب جننے والی ہو لیکن شوہر سے اس کو محبت نہ ہو تو شوہر کو بھی اس کی جانب رغبت نہ ہوگی، اور زندگی بدمزہ ہو جائے گی، اور اگر محبت کرنے والی تو ہو لیکن اس کے بچے نہ ہوتے ہوں تو مقصود اصلی حاصل نہ ہوگا، چونکہ نکاح کا عظیم مقصد توالد و تناسل کی کثرت سے امت کی کثرت ہے۔ (طیبی: ۶/۲۴۵)

فائدہ: اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس لڑکی میں یہ دو صفات موجود ہوں خواہ حسن و جمال وغیرہ دوسری صفات اس میں موجود نہ ہوں اسی کو ترجیح دینی چاہئے۔

سوال: کنواری لڑکی کے بارے میں کیسے معلوم ہو کہ یہ شوہر سے محبت کرنے والی ہوگی اور اس کے بچے زیادہ ہوں گے؟

جواب: یقینی اور قطعی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن لڑکی کے خاندان اور رشتہ داروں اس کی والدہ اس کی بہنوں، پھوپھیوں وغیرہ کو دیکھ کر اندازہ قائم کیا جا سکتا ہے اس وجہ سے کہ رشتہ داروں میں ایک دوسرے کے طبائع عام طور پر سرایت کئے ہوتے ہیں۔ (وجہ دوم) حدیث کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہاری منکوحہ اگر ان دو صفات سے متصف ہو اور اس میں بعض باتیں خلاف مزاج بھی پائی جاتی ہیں تو اس

سے نکاح کو برقرار رکھنا چاہئے اور اس کی ان دوخوبیوں کیوجہ سے اس کی خلاف مزاج باتوں پر صبر کرنا چاہئے۔ (مرقات:۱۹۲/٦،التعلیق:٦/٤)

فان مکاثر بکم الامم: یعنی آپ ﷺ اپنے متبعین کی کثرت کی وجہ سے بقیہ تمام امتوں پر فخر فرمائیں گے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ اولاد کی کثرت اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور فضیلت کی چیز ہے۔ اور کثرت اولاد کی خواہش اور تمنا بھی پسندیدہ چیز ہے۔

کنوری لڑکی سے شادی کرنے کا فائدہ

{۲۹۵۸} **وَعَنْ** عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَالِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ عُوَيْمِ بْنِ سَاعِدَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاَبْكَارِ فَاِنَّهُنَّ اَعْذَبُ اَفْوَاهًا وَاَنْتَقُ اَرْحَامًا وَاَرْضٰى بِالْيَسِيْرِ۔ (رواہ ابن ماجہ مرسلا)

حوالہ: ابن ماجہ شریف:۱۳۴، باب تزویج الأبکار، کتاب النکاح، حدیث نمبر:۱۸٦۱۔

حل لغات: عذب الطعام: کھانے کا میٹھا اور خوشگوار ہونا، نتق الانثیٰ: مادہ کا بہت بچے والی ہونا، الرَحِمَ الرُحمَ الرِحْمَ: بچہ دانی، رشتۂ قرابت، یسیر: تھوڑا، آسان، معمولی، حقیر، تھوڑا سا، ذرا سا۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن سالم ابن عتبہ ابن عویم ابن ساعدہ انصاری اپنے والد حضرت سالم اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تم کو کنواری لڑکیوں سے نکاح کرنا چاہئے، کیونکہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوتی ہیں اور تھوڑے پر راضی رہتی ہیں۔ اس روایت کو ابن ماجہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

تشریح: ابن عویم: یہ عام کی تصغیر ہے، "ابن ساعدۃ الانصاری" حضرت عویم ابن ساعدہ انصاری اوسی ان جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ اولی عقبہ

ثانیہ،غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شرکت کی ہے،آنحضرت رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی ان کا انتقال ہوگیا تھا البتہ بعض محققین نے یہ کہا کہ ان کا انتقال سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں ہوا تھا۔ "عن ابیہ" یعنی سالم سے "عن جدہ" یعنی حضرت عبد الرحمن کے دادا حضرت عتبہ سے اور اس کی دلیل مرسلا ہے اس لئے کہ حضرت عتبہ تابعی ہیں اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد عبد الرحمن کے باپ کے دادا یعنی حضرت سالم ہوں، واللہ اعلم، "علیکم بالابکار" اس میں باکرہ سے شادی کرنے کی ترغیب ہے، "فانھن اعذب" یہاں "اعذب" یعنی خبر کو مفرد لائے اس لئے کہ اس کی تقدیر "ھن اعذب" ہے یہ ایسے ہی جیسے "ھن اطھر لکم" ہے۔ "افواھا" یہ فاہ کی جمع ہے علامہ قاری نے فرمایا کہ اس میں ان کے بوسہ کی لذت یا ان کی شیریں کلامی کی طرف کنایہ ہے، اور زیادہ لذیذ ان کی فحش کلام کے نہ ہونے یا کم ہونے کی وجہ سے ہے، اور بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد ان کے لعاب دہن کی مٹھاس ہے، "وانتق ارحاما، ای اکثر اولادا" (قاری) اولاد پر ارحام کا اطلاق دونوں کے درمیان ملابست کی وجہ سے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ باکرہ عورتوں کے ارحام شوہر کے نطفہ کو ارحام کی شدت حرارت کیوجہ سے زیادہ قبول کرنے والے ہوتے ہیں اور یا یہ کہ ان میں شہوت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے، علامہ طیبی (نے فرمایا: کہا جاتا ہے، "نتقت المرأۃ اذا کثر ولدھا۔

وارضی بالیسیر: شوہر سے اپنی فطری حیاء کی وجہ سے کم جماع پر بھی خوش رہتی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تھوڑے سے کھانے تھوڑے سے کپڑے اور تھوڑی سی دیگر نعمتوں سے بھی خوش ہوجاتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے اس نئے شوہر کی طرف سے جو عنایات ہوتی ہیں ان کو ہی وہ بہت سمجھ لیتی ہیں برخلاف بیوہ عورت کے کہ وہ اس سے پہلے شوہر کے سلوک سے واقف ہوتی ہے اس لئے اپنی خصلت وعادت کے مطابق موازنہ کرنا شروع کردیتی ہیں جب کہ ان کی فطرت میں شوہر کی ناشکری داخل ہے ارشاد فرمایا گیا "تکفرن العشیر" شوہر خواہ کچھ بھی کردے یہ بالعموم مطمئن نہیں ہوتیں تو اسی نظر سے اس دوسرے شوہر کے سلوک کو یہ دیکھتی ہیں، برخلاف نئی نویلی کے ابھی تو اس کا پہلا سابقہ ہے اور جو بھی سلوک ہے سب نیا ہے اس سے پہلے کی اس کے سامنے کوئی مثال نہیں ہے کہ اس سے مقابلہ وموازنہ کی نوبت آئے۔

باکرہ لڑکی کا شیریں کلام ہونا اسکے اچھے اخلاق پر دلیل ہے، اور کم پر قناعت کرنا اس کے قلب کی طہارت پر دلیل ہے، پس جس عورت کے اندر دل اور زبان کی پاکیزگی جمع ہو جائے تو اس سے "الودود" کا مقصود حاصل ہوگیا۔ (التعلیق:۶/۴، مرقاۃ:۷/۲۴۷/۶)

{الفصل الثالث}

نکاح ذریعہ محبت

{۲۹۵۹} عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ۔ (ابن ماجه)

حواله: ابن جامه شریف: ۱۳۳، باب ما جاء فی فضل النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر:۱۸۴۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم نے نکاح کی طرح دو محبت کرنے والے نہیں دیکھے ہوں گے۔ (ابن ماجہ شریف)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دو اجنبی لوگوں میں بہت قلیل مدت کے اندر محض نکاح کی برکت سے جس طرح بے غرض محبت پیدا ہو جاتی ہے، دوسری کوئی ایسی چیز متصور نہیں ہے جو اس طرح کی دلی محبت والفت پیدا کردے، "لم تر للمتحابین" یہ تنبہ کا صیغہ ہے، اس میں خطاب عام ہے اور مفعول اول محذوف ہے اور وہ "ایھا السامع" ہے عبارت کی تقدیری یہ ہے "لم تر ایھا السامع ما تزید به المحبة للمتحابین، مثل النکاح" یعنی اے سننے والے تو نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی ہوگی جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان محبت کو زیادہ کردے، نکاح جیسی، یعنی جب دو محبت کرنے والوں کے درمیان کوئی خارجی تعلق ہو تو نکاح سے باطنی تعلق میں زیادتی ہو جاتی ہے، اور بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی اجنبیہ کو دیکھے اور قلب میں اس کی محبت پیدا ہو جائے تو اس کے

ساتھ نکاح سے یہ محبت اور بڑھ جاتی ہے اور اگر حرام کاری میں مبتلا ہوگیا تو یہ دونوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا کرتی ہے، حاصل یہ ہے کہ بلاکسی رشتہ وقرابت کے جس طرح نکاح کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان شدید محبت والفت پیدا ہو جاتی ہے ایسی محبت کسی اور چیز سے یا کسی اور نسبت سے پیدا نہیں ہوتی۔ (التعلیق:۶/ ۴،طیبی:۶/۲۴۷)

آزادعورتوں سے نکاح کی فضیلت

{۲۹۶۰} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَلْقَی اللّٰہَ طَاھِراً مُطَھَّراً فَلْیَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ۔ (ابن ماجہ)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۱۳۴، باب تزویج الحرائر، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۶۲۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جوشخص اللہ تعالیٰ سے پاک صاف حالت میں ملنے کا خواہش مند ہے اس کو چاہئے کہ وہ آزادلڑکیوں سے نکاح کرے۔(ابن ماجہ)

تشریح: آزادعورتیں باندیوں کے مقابلہ میں زیادہ بااخلاق اورحسن سیرت والی ہوتی ہیں، لہٰذاان سے شادی کرنے اوران کے ساتھ رہنے کی بناپران کی نیکی مردوں میں بھی سرایت کرتی ہے، پھر ان سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان کی بہترتربیت بھی آزادعورتیں کرلیتی ہیں اورصالح اولاد کافائدہ بھی والدین کوحاصل ہوتاہے،لہٰذانکاح کرتے وقت آزادعورتوں کوترجیح دیناچاہئے۔

فلیتزوج الحرائر: باندی عموماغیرمؤدب ہوتی ہیں،لہٰذاوہ اولادکواچھی تربیت نہ دے سکے گی،لہٰذاآزادعورت پرقدرت ہوتے ہوئے باندی سے نکاح نہ کیاجائے، پھرشادی سے مقصود توالد وتناسل ہےغلامی کوفروغ دینانہیں ہے،باندی کے بچے بھی غلام ہی ہوں گے،اسی وجہ سے باندیوں سے ان کی اجازت کے بغیرعزل جائز ہے،بعض لوگ کہتے ہیں کہ حریت کی دوقسمیں ہیں،(۱) جس پرغلامی کاحکم

جاری نہ ہو، (۲) جس پر برے اخلاق کا غلبہ نہ ہو، یعنی وہ جو اخلاق رزیلہ کا غلام نہ ہو، جیسا کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "تعس عبد الدرھم وعبد الدینار" درہم و دینار کا غلام ہلاک گیا، اور شاعر کا قول ہے: وَرِقُّ ذوی الاطماع رِقٌّ مخلد" لالچ کی غلامی ہمیشہ ہمیش کی غلامی ہے اور کہا گیا ہے: "عبد الشھوۃ اذل من عبد الرق" شہوت کی غلامی رقیت کی غلامی سے زیادہ ذلت کی چیز ہے، اس تفصیل کے بعد سمجھئے کہ آپ ﷺ کے فرمان کا یہ بھی مقصد ہوسکتا ہے کہ ان عورتوں سے نکاح کرو جو اچھے اخلاق کی حامل ہوں، جو عورتیں خواہشات نفس کی اسیر ہیں گویا کہ وہ آزاد نہیں ہیں، لہٰذا ان سے نکاح کرنے سے بچو۔ (مستفاد از طیبی: ۶/۲۴۸)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ آزاد عورتیں عامۃ بااخلاق، مزاج شناس، فرمانبردار ہوتی ہیں اسلئے شوہر کو ان سے محبت زیادہ ہوگی، جسکی وجہ سے وہ غیر عورت کی توجہ بھی نہیں کرے گا اور عامۃ گناہ کا صدور خواہش نفس سے ہی ہوتا ہے اسلئے وہ اس قسم کے گناہوں سے محفوظ رہے گا، اور گناہوں سے پاک وصاف ہونے کی حالت میں خدا سے ملاقات کرے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نیک بیوی اور اس کی صفات

{۲۹۶۱} **وَعَنْ** اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ یَقُوْلُ: مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَی اللہِ خَیْراً لَّہٗ مِنْ زَوْجَۃٍ صَالِحَۃٍ اِنْ اَمَرَھَا اَطَاعَتْہُ وَاِنْ نَظَرَ اِلَیْھَا سَرَّتْہُ وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَیْھَا اَبَرَّتْہُ وَاِنْ غَابَ عَنْھَا نَصَحَتْہُ فِیْ نَفْسِھَا وَمَالِہٖ۔ (رَوَی ابْنُ مَاجَۃَ الْاَحَادِیْثَ الثَّلاَثَۃَ)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۱۳۳، باب افضل النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۵۷۔

حل لغات: ابر الیمین: (افعال) قسم کو پورا کرنا، غاب: (ض) غیر موجود ہونا، غائب وغیر حاضر ہونا، نصح فلانا و لہ: کسی کے ساتھ ہمدردی کرنا، نصیحت کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد

فرمایا: کہ مومن نے اللہ کے تقوی کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی بھلائی حاصل نہیں کی، اگر وہ اس کو حکم دیے تو اطاعت کرتی ہے، اگر اس کی طرف دیکھے تو وہ خوش کردیتی ہے، اگر اس کو کسی بات کی قسم دے تو وہ اس قسم کو پورا کرتی ہے، اور اگر شوہر موجود نہ ہو تو اپنے نفس کے بارے میں اور شوہر کے مال کے بارے میں خیر خواہی کرتی ہے۔ (ابن ماجہ شریف)

تشریح: بندۂ مومن کے لئے سب سے عظیم دولت تو خوف خدا ہے، جس کے ذریعہ سے وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی اتباع کرتا ہے، اور اس عظیم دولت کے بعد دنیا میں مؤمن کے لئے جو چیز سب سے گراں قدر سرمایہ ہے وہ ہے نیک بیوی کا ملنا، نیک بیوی وہ ہے جو مطیع ہو، شوہر کیلئے باعث مسرت ہو، اپنی خواہش پر شوہر کی خواہش کو ترجیح دینے والی ہو سلیقہ شعار اور وفادار ہو شوہر کی عدم موجودگی میں بھی اپنی عزت و عصمت اور شوہر کے مال ومتاع کی بہتر طور پر حفاظت کرنے والی ہو۔

بعد تقوی اللّٰہ: نصف تقویٰ تو شادی کے بعد حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی النصف الباقی" جس بندہ نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین مکمل کرلیا، اب اس کو چاہئے کہ باقی آدھے کے بارے میں اللہ سے ڈرے، شیخ ابو حامد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام طور پر آدمی کے دین کو برباد کرنے والی چیز اس کی شرمگاہ اور اس کا پیٹ ہوتا ہے، شادی کے ذریعہ سے ان میں سے ایک طرف سے اطمینان ہوجاتا ہے، اس لئے کہ شادی کرلینے سے شہوت کا زور ٹوٹتا ہے تو شیطان سے بھی حفاظت نصیب ہوتی ہے، نگاہ پست ہوتی ہے اور شرمگاہ محفوظ ہوجاتی ہے۔ (طیبی: ۲۴۸، ۲۴۹/ ۶)

نیک بیوی کی صفات

ان امرہا: اگر شوہر اس کو کوئی حکم کرے، جس میں اللہ کی معصیت نہ ہو تو "اطاعتہ" اس کے حکم کو بجالانے میں اس کی اطاعت کرے، بس شرط یہی ہے کہ اس کا حکم اللہ کی کسی نافرمانی کا نہ ہو اس لئے کہ صالحہ و نیک عورت بھی شوہر کے ایسے حکم کو بجالانے میں اس کی اطاعت نہ کریگی، اس لئے کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ "لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق" یعنی خالق کائنات کی

نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت نہیں ۔پس مطلب یہ ہے کہ نیک بیوی کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ دل وجان سے اپنے شوہر کی مطیع وفرمانبردار ہوتی ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد عورت کے لئے سب سے بڑی نیکی اپنے شوہر کی اطاعت ہے۔

وان نظر الیہا سرتہ: صالحہ ونیک بیوی کی دوسری صفت یہ ہے کہ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو اپنے حسن وجمال اور سیرت وکردار کے ذریعہ اسکو خوش کردے ۔مطلب یہ ہے کہ اس میں حسن وجمال بھی ہے حسن سیرت بھی ہے، صفائی ستھرائی بھی سلیقہ مندی بھی ہے، خدمت کا سلیقہ وجذبہ اور ادب بھی ہے اور کامل درجہ تقوی بھی ہے کوئی کام نہیں کرتی اپنے شوہر کے علاوہ غیر مرد کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی اور شوہر کی اطاعت وخدمت سے انتہائی خوش ہوتی ہے اپنی خدمت کا کوئی احسان نہیں جتاتی جسکی وجہ سے شوہر جب بھی اسکو دیکھتا ہے خوش ہوجاتا ہے۔

فائدہ: (۱) مرد کو چاہئے کہ جس عورت میں یہ صفات موجود ہوں وہ اس کی بہت قدر کرے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت سمجھے اس سے کوئی بات خلاف مزاج بھی پیش آجائے اس پر صبر کرے برداشت کرے ایسا نہ ہو کہ کوئی بات خلاف مزاج پیش آئی اور ایک دم تین طلاق دیکر اس کو الگ کردیا اور گھر برباد کردیا۔

فائدہ (۲): عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

وان اقسم علیہا: تیسری صفت اس زوجہ صالحہ کی یہ ہے کہ اگر شوہر اس پر کوئی قسم کھالے تو اس کی قسم کو پوار کردے اور اس کی خوشی پر اپنی پسند وخوشی کو قربان کردے ۔مطلب یہ ہے کہ اس میں ضد نہیں ہے بلکہ اگر شوہر اس سے کسی چیز کی فرمائش کرے وہ اس کے مزاج کے خلاف ہی ہو تو بھی شوہر کی فرمائش کو پورا کردیتی ہے۔

وان غاب عنہ نصحتہ فی نفسہا ومالہ: یعنی اگر شوہر اس کے پاس موجود نہ ہو بلکہ کسی سفروغیرہ میں ہے تو شوہر کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی کرتے ہوئے اولاً تو اپنی عزت کی حفاظت کرے ۔مطلب یہ ہے کہ شوہر کی غیر موجودگی میں بھی شوہر کی عزت وآبرو کا پورا لحاظ کرتی ہے اپنے نفس میں بھی اور اس کے مال میں بھی اپنے نفس کو اپنے شوہر کی امانت سمجھتی ہے اس میں کسی قسم کی خیانت کا ارتکاب نہیں کرتی اور جب شوہر کی غیر موجودگی میں حفاظت کرتی ہے تو شوہر کی موجودگی میں بدرجہ اولیٰ

حفاظت کرتی ہے جب شوہر کی غیر موجودگی میں حفاظت کرتی ہے، موجودگی میں حفاظت نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (مرقات: ۶/۱۹۴، انوار المصابیح: ۶/۲۷)

نکاح تکمیل دین کا ذریعہ

{۲۹۶۲} **وَعَن** اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ نِصْفَ الدِّیْنِ فَلْیَتَّقِ اللہَ فِی النِّصْفِ الْبَاقِیْ۔ (رواہ البیہقی)

حوالہ: بیهقي فی شعب الایمان، ۴/۳۸۲، ۳۸۳، باب فی تحریم الفروج، حدیث نمبر: ۵۴۸۶۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب بندہ نے نکاح کرلیا تو اس نے اپنا آدھا دین مکمل کرلیا، اب اس کو چاہئے کہ باقی آدھے کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: انسان دین پر مکمل طور سے عمل کرنا چاہتا ہے تو اس کے راستہ میں اس کا پیٹ اور شرمگاہ حائل ہوتی ہے، یہی دو چیزیں انسان کے دین کے دشمن ہیں، جب نکاح کرلیا تو آدھا مسئلہ ہوگیا، کیوں کہ شرمگاہ کی حفاظت نصیب ہوگئی، اب انسان کو چاہئے کہ بھرپور محنت کرکے رزق حلال حاصل کرکے اس سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ بھرے، تاکہ مکمل طور پر دین کی بھلائی اس کو حاصل ہوجائے۔

بابرکت نکاح

{۲۹۶۳} **وَعَن** عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْھَا قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَةً اَیْسَرُہٗ مُؤْنَةً۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان، ۵/۲۵۴، باب الاقتصاد فی النفقة و تحریم اکل

المال الباطل، حدیث نمبر: ۲ ٦ ۵ ٦ ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بہت بابرکت ہے وہ نکاح جو کہ مشقت کے لحاظ سے آسان ہو۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو نکاح تکلّفات ورسومات سے خالی ہو وہ نکاح بہت ہی بابرکت ہے اور نکاح میں جتنا رسومات دنیا کو داخل کیا جائے، سادگی سے احتراز کیا جائے نام ونمود کی خاطر پیسہ پانی کی طرح خرچ کیا جائے، وہ نکاح اتنا ہی بے برکتی کا شکار ہوگا۔

فائدہ: شریعت نے نکاح کو انتہائی آسان بنایا ہے مگر ہم نے رسومات کی پابندی شامل کر کے نکاح کو انتہائی مشکل بنادیا ہے جسکی وجہ سے کتنی جوان لڑکیاں گھروں میں بیٹھی ہوئی ہیں کتنی بیمار ہوجاتی ہیں کتنی برائیوں کا شکار ہوجاتی ہیں اور ان کے والدین سخت پریشان ہیں اسلئے ہمت کر کے تمام رسومات کو ترک کر کے سنت طریقہ پر نکاح کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

{بأب النظر الی المخطوبة وبیان العورات}

مخطوبہ کو ایک نظر دیکھنے اور ستر کا بیان

اس باب کے تحت ۸۲/روایتیں درج کی گئی ہیں جن میں شادی سے پہلے پیام نکاح دی جانے والی عورت کو ایک نظر دیکھنا، غیر محارم سے عورتوں کا پردہ، مردوں کو غیر محرم عورتوں کے دیکھنے کی ممانعت، اجنبی مرد وعورت کے مستور حصے کو باہم دیکھنے کی ممانعت، اجنبی مرد وعورت کی خلوت وتنہائی کی ممانعت وغیرہ احکام سے متعلق روایتیں پیش کی گئی ہیں۔

جمہور کے نزدیک انسان جس لڑکی سے نکاح کا پختہ ارادہ کرلے تو اس کیلئے پیام نکاح دینے سے پہلے لڑکی کو مناسب طریقہ سے ایک نظر دیکھنا جائز ہے، لیکن صرف چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا جائز ہے باقی حصۂ بدن کا دیکھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس سے گفتگو کرنا یا لمس یا خلوت وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو (شرمگاہ) کے علاوہ سب حصہ بدن کا دیکھنا جائز ہے، اور ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک تمام بدن کا دیکھنا جائز ہے، پھر جمہور میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لڑکی کو دیکھنے سے قبل اس سے اجازت ضروری ہے تاکہ وہ خود سنور کر سامنے آئے لڑکی کو بے خبر رکھ کر نہ دیکھے۔ ہوسکتا ہے وہ اس حال میں ہو کہ وہ حالت لڑکے کو ناپسند آئے، شہوت کی حالت میں دیکھ سکتے ہیں یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں دیکھنا جائز نہیں اور حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ یہی دیکھنے کا مقصد ہے تو یہ بات معین ہوگی۔

مخطوبہ کو دیکھنے کی مصلحت

جس عورت سے شادی کرنے کا ارادہ ہو تو اس کو پہلے دیکھ لینا مستحب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح غور وفکر کے بعد ہو، چونکہ نکاح ایک اہم معاملہ ہے، اس لئے واقفیت اور بصیرت کے ساتھ ہونا چاہئے بغیر دیکھے نکاح میں انجام کار تین صورتیں ہوں گی، یا تو بیوی پسند آئے گی یا نہیں؟ اور ناپسند ہوگی تو رکھے گا یا چھوڑے گا؟ بہر صورت پہلے دیکھ لینا بغیر دیکھے نکاح کرنے سے بہتر ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱)......اگر بیوی پسند نہ آئی پھر بھی رکھا کسی طرح نباہ کیا تو جو افسوس دامن گیر ہوگا اس کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور اگر پہلے دیکھ لیا اور پسند خاطر نہ ہونے کے باوجود کسی مصلحت سے نکاح کیا تو اتنا افسوس نہ ہوگا۔

(۲)......اور اگر ناپسند ہونے کی صورت میں چھوڑ دے گا تو یہ بہت ہی برا ہے دونوں طرف تلخیاں پیدا ہوں گی، دونوں خاندانوں میں عداوت پیدا ہو جاتی ہے مقدمات شروع ہو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(۳)......اور اگر اتفاق سے پسند آگئی تو پہلے دیکھ لینا بہر حال بہتر ہوتا ہے، کیونکہ اب شوق ونشاط سے شادی کرے گا، اور زندگی خوبصورتی کے ساتھ گذرے گی جو نکاح کا مقصد ہے۔

بہر حال عقل مند آدمی کسی معاملہ میں اس وقت اقدام کرتا ہے جب کہ معاملہ کی اچھائی یا برائی واضح ہو جائے وہ دیکھ بھال کر اقدام کرتا ہے۔

فائدہ: دیکھنا اس وقت سودمند ہے جب لڑکا باشعور ہو، دیکھنے سے ناک نقشہ اور رنگ وروغن کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ لڑکی میں کوئی عیب تو نہیں ہے، اور اگر ہے تو وہ گوارہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ دیکھنے سے سیرت واخلاق کا پتہ نہیں چلتا، یہ باتیں قابل اعتماد بابصیرت عورتوں کے ذریعہ ہی معلوم ہوسکتی ہیں، پس انکا دیکھنا بھی اپنے دیکھنے کے قائم مقام ہوسکتا ہے، لیکن اگر خود دیکھنا ضروری ہو تو اسکا لحاظ رکھا جائے کہ لڑکی یا اس کے گھر والوں کو ناگوار نہ ہو بلکہ بہتر ہے کہ چھپا کر دیکھے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۵/۳۸، تحفۃ الالمعی: ۳/۵۰۳)

فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اچھا یہ ہے کہ مرد اپنی مخطوبہ کو خود دیکھنے کے بجائے کسی واقف کار اور اعتماد والی عورت کو بھیج کر مطلوبہ معلومات حاصل کرلے۔

{الفصل الاول}

اپنی مخطوبہ کو دیکھ لینا مستحب ہے

{۲۹٦۴} عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ تَزَوَّجْتُ اِمْرَأَۃً مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ فَانْظُرْ اِلَیْھَا فَاِنَّ فِیْ اَعْیُنِ الْاَنْصَارِ شَیْئاً۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۵٦، باب ندب النظر الی وجہ المراۃ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر بولا کہ میں انصار کی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دیکھ لو، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح: جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا بہتر ہے، اگر خود دیکھنے کی صورت نہ بن پائے تو کسی معتبر عورت کو بھیج دے تاکہ وہ دیکھ لے اور اس کے احوال سے مطلع کردے۔

انی تزوجت امرأۃ من الانصار: "تزوجت" سے مراد خَطَبْتُ ہے اور مطلب یہ تھا کہ میں انصار کی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور اس غرض سے میں ان کو پیغام دینا چاہتا ہوں، "فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح سے پہلے لڑکی کو دیکھنے کی ہدایت کی کہ جس لڑکی سے نکاح کا ارادہ ہو اس کو دیکھ لینا چاہئے۔

نکاح سے پہلے لڑکی دیکھنے کا فائدہ: نکاح سے پہلے لڑکی کو دیکھنا مستحب ہے، صاحب مرقات فرماتے ہیں، "فانہ مندوب، لانہ سبب تحصیل النکاح وھو سنۃ

مؤ کدۃ"۔ (مرقاۃ: ۶/۲۵۵، الفصل الثانی)

لڑکی کو دیکھنا مستحب ہے اس لئے کہ یہ حصول نکاح کا ذریعہ ہے اور نکاح سنت مؤکدہ ہے اسکا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ زوجین میں الفت پیدا ہوگی، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے، "انظر الیھا فانہ احری ان یدوم بینکما"۔ (ترمذی) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس لڑکی سے نکاح کا ارادہ ہے اس کو دیکھ لو، اس سے توقع ہے کہ تم دونوں میں موافقت پیدا ہو جائے گی، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ لڑکی کے عیب و ہنر پر شوہر پہلے مطلع ہو جائے گا، اگر نکاح کے بعد کوئی عیب نظر آئے گا تو افسوس ہوگا، اور طعن و تشنیع کا سلسلہ چل پڑے گا جس کا نتیجہ بعض دفعہ چھوٹ چھٹاؤ ہوتا ہے۔ اور اگر پہلے سے عیب پر مطلع ہونے کے باوجود کسی مصلحت کی وجہ سے نکاح کرے گا تو بہت زیادہ افسوس نہ ہوگا۔

انصار کی آنکھوں کا نقص: بعض انصار کی آنکھ چھوٹی یا کرنجی ہوتی تھیں یہاں اسی عیب کا آنحضرت ﷺ نے ذکر کیا ہے مردوں پر قیاس کر کے عورتوں میں بھی اس عیب کے ہونے کو آنحضرت ﷺ نے بیان کیا ہے، یا پھر لوگوں کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا ہوگا کہ ان کی عورتوں میں بھی یہ عیب ہے۔ یا پھر آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے علم ہوا تھا، آنحضرت ﷺ کے اس فرمان میں غیبت کا امکان نہیں ہے اس لئے کہ اولاً اس میں کسی کی تخصیص نہیں تھی عمومی طور پر کسی چیز کا بیان کرنا غیبت میں داخل نہیں، ثانیاً آنحضرت ﷺ کا فرمان خیر خواہی اور بہتر مشورہ دینے میں داخل ہے اس میں طرفین کی خیر خواہی ہے۔ معلوم ہوا کہ خیر خواہی کے نقطہ نظر سے کسی کے عیب کا تذکر غیبت میں داخل نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۵۱، طیبی: ۶/۲۵۰)

اختلاف ائمہ

جمہور کا مذہب: امام ابوحنیفہ، امام شافعی، احمد اور دیگر ائمہ کے نزدیک "مخطوبہ" کو مطلقاً دیکھنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اجازت سے بھی دیکھا جاسکتا ہے اور بغیر اس کی اجازت کے بھی دیکھنا درست ہے۔

دلیل: حدیث باب جمہور کی مضبوط دلیل ہے، اس میں آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ

"فانظر الیها" لڑکی کو دیکھ لو لیکن یہ امر جمہور کے نزدیک وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لئے ہے اس پر قرینہ آپ ﷺ کا یہ فرمان "اذا خطب احد کم امرأة فلا جناح علیه ان ینظر الیها" جب تم میں کوئی شخص کسی عورت کو پیغام دے تو اسکو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (الحدیث: رواہ الطحاوی) معلوم ہوا کہ دیکھنا درست ہے لازم نہیں ہے۔

سوال: لڑکی کو دیکھنے کے وقت شہوت کے میلان کا اندیشہ ہو تو بھی دیکھا جا سکتا ہے لڑکی کو یا نہیں؟

جواب: میلان شہوت کے اندیشہ کے وقت لڑکی کو دیکھنے میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسی صورت میں دیکھنا جائز نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک جائز ہے کیوں کہ یہی دیکھنے کا مقصود ہے۔

امام مالک مذہب: امام مالک کے نزدیک لڑکی اجازت دے تو دیکھنا جائز ہے، اور اگر لڑکی اجازت نہ دے تو دیکھنا ناجائز ہے۔

دلیل: پردہ عورت کا شرعی حق ہے لہٰذا اس کی مرضی کے بغیر اس کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

جواب: رسول اللہ ﷺ نے مخطوبہ کو دیکھنے کی مطلقاً اجازت عطا فرمائی ہے، آپ ﷺ نے مخطوبہ کی اجازت کی شرط نہیں لگائی ہے، لہٰذا قیاس کے ذریعہ سے اس کے خلاف کرنا درست نہ ہوگا۔

اہل حدیث کا مذہب: بعض اہل حدیث کے نزدیک مخطوبہ کو مطلقا دیکھنا درست نہیں ہے۔

دلیل: آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے۔ "یاعلی لا تتبع النظرة فان لك الاولی ولیست لك الآخرة" اے علی رضی اللہ عنہ دوسری نظر مت ڈالو تمہارے لئے پہلی نظر کی اجازت ہے دوسری نظر کی اجازت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اجنبیہ پر اچانک ایک نگاہ پڑ گئی تو وہ معاف ہے، لیکن بالقصد اجنبی عورت کو دیکھنا بہت بڑا گناہ ہے، اہل حدیث کہتے ہیں کہ مخطوبہ بھی اجنبیہ ہے لہٰذا اس کو بھی بالقصد دیکھنا نکاح سے قبل جائز نہیں ہے۔

جواب: آپ ﷺ کے مذکورہ فرمان سے "مخطوبه" کا استثناء ہے اور اس کا تعلق مخطوبہ سے نہیں ہے، کیونکہ دیگر احادیث میں مخطوبہ کے دیکھنے کی اجازت موجود ہے۔ (تلخیص عمدة القاری: ۷۷،۷۸/ ۱۴)

مخطوبہ کے کن اعضاء کو دیکھنے کی اجازت ہے؟

جمہور کا مذہب ہے: جمہور کے نزدیک مخطوبہ کا چہرہ اور ہاتھ دیکھنا جائز ہے، بلکہ اولیٰ ہے، یہ دونوں عضو نکاح کا عزم کرنے والے کے حق میں عند الضرورت عورت نہیں ہیں۔

ابن حزم کا مذہب: ابن حزم کے نزدیک مخطوبہ کے پورے بدن کو بلکہ اس کو برہنہ دیکھنا بھی جائز ہے، علامہ عینی لکھتے ہیں کہ "حتی قال ابن حزم یجوز النظر الی فرجھا" ابن حزم تو مخطوبہ کی شرمگاہ تک دیکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ (تلخیص عمدۃ القاری:۷۷،۸/۷/۱۴)

علامہ ابن حزم کا مذہب بلا ریب باطل ہے، ذرہ برابر لائق التفات نہیں ہے، کیوں کہ یہ اصول سنت واجماع کے خلاف ہے۔

فوائد حدیث: حدیث پاک میں اس پر دلالت موجود ہے کہ نکاح کا پیغام دینے والے کی ہمدردی وخیر خواہی میں عورت کے عیوب کو بتایا جاسکتا ہے۔

(۲)...... پیغام نکاح سے پہلے دیکھ لینے کا استحباب ثابت ہورہا ہے۔

(۳)...... دیکھنا ممکن نہ ہو تو کسی قابل اعتماد عورت کو بھیج کر اس سے دکھوالیا جائے۔

(۴)...... دیکھنے کی یہ اجازت صرف چہرے اور کفین کے لئے ہے اس لئے کہ اس شخص کے لئے وہ ستر عورت نہیں۔ اور چہرہ کے ذریعہ تمام حسن وجمال کا اندازہ ہوسکتا ہے، اور کفین کے ذریعہ تمام اعضاء کے نرم اور کھردرے پن اور سختی وغیرہ کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ (مرقاۃ:۲۵۱/۶)

تنبیہ: (۱)...... حدیث پاک سے مخطوبہ کو صرف دیکھنے کی اجازت ہے باقاعدہ انٹرویو کی اجازت نہیں جبکہ آج کل بعض بعض جگہ ہوتا ہے۔

(۲)...... دیکھنا بھی چھپ چھپا کر ہونا چاہے باقاعدہ اعلان کے ساتھ نہیں باقاعدہ اعلان کی شکل میں یہ خرابی ہے کہ اگر مخطوبہ پسند نہ آئے تو پھر سب جگہ بدنامی ہوتی ہے اور سب کو علم ہوجاتا ہے کہ فلاں نے ناپسند کردیا، پھر اس کا اثر دوسرے لوگ بھی لیتے ہیں اور مخطوبہ کی بھی دل شکنی ہوتی ہے۔

(۳)...... بعض جگہ دوسرے لوگوں اور یہود ونصاریٰ کی نقالی میں لڑکا مخطوبہ کے ساتھ چند دن یا چند ماہ تنہائی میں سفر وحضر میں رہتا ہے اور دیکھتا ہے کہ نباہ ہوگا یا نہیں اگر اندازہ ہوا کہ نباہ ہوجائے گا تو

پھر نکاح کرتے ہیں ورنہ علیٰحدگی اختیار کر لیتے ہیں اور پھر کسی دوسری مخطوبہ کو تلاش کرکے یہی معاملہ کرتے ہیں یہ تو بالکل جانوروں جیسا طریقہ ہوا کہ ایک جانور کو ایک شخص دیکھتا ہے پسند کرتا ہے واپس جاتا ہے اسکے بعد دوسرا آکر دیکھتا ہے پھر تیسرا یہ مطلقاً ناجائز وحرام اور انتہائی درجہ بے حیائی کی بات ہے اس طرح کی حرکتوں سے باز آنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔

(۴)......بعض جگہ صرف منگنی ہونے پر فون پر لمبی لمبی باتیں شروع کردیتے ہیں جب تک باقاعدہ نکاح نہ ہو اس طرح کی باتوں کی بھی گنجائش نہیں ہے۔(مرقاۃ:۶/۲۵۱)

اپنے شوہر سے دوسری عورت کا حال بیان کرنا منع ہے

{۲۹۶۵} **وَعَن** ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتُبَاشِرُ الْمَرْأَۃُ الْمَرْأَۃَ فَتَنْعَتُھَا لِزَوْجِھَا کَاَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَیْھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۸۸/۲، باب لاتباشر المرأۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۰۴۴۔

حل لغات: باشر: ایک شیٔ کو دوسرے کے ساتھ ملانا وغیرہ، نعتہ: بیان کرنا تعریف کرنا، العورۃ، پردہ، حصہ جسم جسے انسان کراہت یا حیا کی وجہ سے چھپاتا ہے، قابل پوشیدگی اعضاء جسم، ستر۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی عورت اپنا برہنہ جسم دوسری عورت کے برہنہ جسم سے نہ لگائے، اور کسی عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر سے بیان نہ کرے، کیونکہ یہ شوہر کے اس عورت کے جسم کو دیکھنے کے مانند ہوگا۔(بخاری ومسلم)

تشریح: لاتباشر المرأۃ المرأۃ، لاتباشر، کے ,لا، کے سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ نافیہ ہے لیکن معنی میں نہی کے ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نہی کا لا ہے۔اور یہاں مباشرت معنی میں مخالطت اور ملامست کے ہے جملہ کے معنی علامہ علی قاری نے یہ بیان کیا "کسی عورت کے جسم کا ظاہری چمڑا

دوسری عورت کے چمڑے سے نہ چھوئے "فتنعتھا زوجھا" اسکا عطف مباشرت پر ہے اس لئے گویا لائے نہی اس پر بھی داخل ہے اور اسی کو ملحوظ رکھ کر حدیث میں اس جملہ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ یعنی ایک عورت کا جسم دوسری عورت کے جسم سے بلا حائل کے ملے اور پھر اس طرح جب اسکو دوسری عورت کے جسم کا گداز پن وغیرہ محسوس ہو تو اس کو اپنے شوہر سے بیان کرے، اسی کی ممانعت فرمائی جارہی ہے کہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ "کانہ ینظر الیھا" جب اس کے جسم کی کیفیت اپنے شوہر سے بیان کریگی تو اس طرح گویا وہ اس کے جسم کو دیکھ رہا ہے اور پھر اس سے اس کے قلب پر اثر ہوگا اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوگا اس کے حسن و جمال کو سوچے گا اور پھر بڑھتے بڑھتے کسی عملی فتنہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس لئے سداً لباب الفتنہ اس کی ممانعت فرمادی گئی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد کا عورت کے ستر کو دیکھنا اور عورت کا مرد کے ستر کو دیکھنا بالاتفاق حرام ہے، صرف میاں بیوی کے لئے ایک دوسرے کے ستر کو دیکھنے کی اجازت ہے، لیکن کیا وہ ایک دوسرے کی شرمگاہ کو بھی دیکھ سکتے ہیں؟ اس میں اختلاف ہے لیکن اصح مذہب کراہت کے ساتھ جائز ہے، بغیر کپڑے کے حائل ہوئے دو لوگوں کا ایک دوسرے سے بدن کا بدن ملانا بھی حرام ہے۔ (فتح الباری: ۱۱/۷۰۰)

ستر دیکھنے کی ممانعت

{۲۹۶۶} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَۃِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَۃُ اِلٰی عَوْرَۃِ الْمَرْأَۃِ وَلَا یُفْضِی الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَلَا تُفْضِی الْمَرْأَۃُ اِلَی الْمَرْأَۃِ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۵۴، باب تحریم النظر الی العورات، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۳۸۔

حل لغات: افضی الیہ: پہنچانا، افضی الی المرأۃ: عورت سے خلوت کرنا۔

ترجمه: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: کہ کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ ایک عورت دوسری عورت کے ستر کو دیکھے اور کوئی مرد دوسرے مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ کوئی عورت دوسری عورت کیساتھ ایک کپڑے میں لیٹے۔ (مسلم)

تشریح: لا ینظر الرجل: یہ خبر ہے جو نہی کے معنی میں ہے اسی لئے ترجمہ "نہ دیکھے" کیا گیا ہے۔ "الی عورت الرجل" مرد کے جسم کا جو حصہ ستر عورت ہے اسکا مرد کو بھی دیکھنا جائز نہیں ہے اور "ولا المرأة الی عورة المرأة" عورت کا جو حصہ ستر عورت ہے اس کا کسی عورت کے لئے بھی دیکھنا جائز نہیں ہے اسی کی نہی فرمائی جارہی ہے۔ "ولا یفضی" علامہ قاری نے "ای لا یصل" ترجمہ کیا ہے "الرجل الی الرجل فی ثوب واحد" "لا یفضی" سے "واحد" تک پورے جملہ کا مطلب علامہ قاری نے یہ لکھا ہے کہ ایک کپڑے کے نیچے دو ننگے (برہنہ) مرد نہ لیٹیں، مظاہر حق کے مصنف نے جملہ کا ترجمہ یہ لکھا ہے، دو برہنہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں، یہ جملہ کا مفہوم ومطلب تو ہوسکتا ہے اور ہے بھی لیکن اس کو عبارت کا ترجمہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے۔ "ولا تفضی المرأة الی المرأة فی ثوب واحد" ابن ملک نے اس کا مطلب بیان کیا ہے کہ ایک عورت دوسری عورت سے اس کے کپڑے کے نیچے ہوکر اپنا برہنہ جسم نہ لگائے، مظہر نے فرمایا اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کو ملامت کی جائے گی لیکن اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

ستر عورت: یعنی جسم کے جن حصوں کو چھونا اور دیکھنا ممنوع ہے وہ ستر عورت ہیں، مرد کا ستر ناف اور گھٹنوں کے درمیان کا حصہ ہے اور عورت کا ستر چہرے اور کفین کے علاوہ اجنبی کے لئے پورا جسم ہے چہرہ اور کفین بوقت ضرورت ستر کے حکم میں نہ ہوں گے، مظاہر حق جدید میں ستر عورت کے احکام کچھ مفید تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں اگرچہ اس مقام کے اعتبار سے کچھ تفصیل زائد ہے لیکن ہم اس کو بعینہ نقل کررہے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہے:

مرد کا ستر

مرد کا ستر اس کے جسم کا وہ حصہ ہے جو زیر ناف سے گھٹنوں تک ہوتا ہے اس کے جسم کے اس

حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا نہ تو کسی مرد کیلئے جائز ہے اور نہ کسی عورت کیلئے، ہاں اس مرد کی بیوی یا لونڈی دیکھ سکتی ہے مرد کے جسم کے اس حصہ کے علاوہ بقیہ حصوں کو دیکھنا مرد کے لئے بھی جائز ہے اور عورت کیلئے بھی بشرطیکہ عورت جنسی ہیجان سے مامون ہوا گر عورت جنسی ہیجان سے مامون نہ ہوتو پھر وہ غیر مرد کے جسم کے کسی بھی حصہ کو مطلقاً نہ دیکھے اسی طرح عورت کا ستر عورت کے حق میں اس کے جسم کا زیر ناف سے رانوں تک کا حصہ ہے لہٰذا عورت کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا عورت کیلئے بھی جائز نہیں جب کہ عورت کا ستر اجنبی مرد کے حق میں اس کا پورا جسم ہے یعنی مرد کے لئے کسی اجنبی عورت کے جسم کے کسی بھی حصہ پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے، ہاں ایک روایت کے مطابق عورت کا چہرہ اس کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیر اس کے ستر میں داخل نہیں ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کے ان اعضاء کا دیکھنا غیر مرد کیلئے جائز ہے بشرطیکہ وہ مرد جنسی ہیجان سے مامون ہوا گر جنسی ہیجان سے مامون نہ ہوتو پھر اس کے لئے ان اعضاء کا دیکھنا بھی جائز نہیں ہوگا، البتہ کسی خاص ضرورت کے تحت دیکھنا جائز ہوگا خواہ جنسی ہیجان سے مامون ہو یا نہ ہو مثلاً کسی معاملہ میں گواہی کے وقت یا حاکم کسی معاملہ کے فیصلہ کے وقت ہر حالت میں ان اعضاء کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح عورت کے ان اعضاء یعنی چہرہ اور ہاتھ پیر کو چھونا غیر مرد کے لئے جائز نہیں ہے اگر چہ وہ جنسی ہیجان سے مامون ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ عورت جوان ہو ہاں اگر عورت اتنی عمر رسیدہ ہو کہ نفسانی خواہش اس کی طرف مائل ہی نہ ہوتی ہو یا مرد اتنا بوڑھا ہو کہ خود بھی اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو اور اس عورت کے نفس کی طرف سے بھی مطمئن ہو تو اس صورت میں ان اعضاء کو چھونا جائز ہوگا۔

عورت کا ستر محرم کی حق میں

مرد کو اپنی بیوی کے جسم کا ہر حصہ دیکھنا جائز ہے اسی طرح اپنی اس لونڈی کا پورا جسم دیکھنا جائز ہے جس سے مجامعت حلال ہو عورت کا ستر اس کے محرم کے حق میں اس کی پیٹھ پیٹ اور زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے کا حصہ ہے لہٰذا کسی عورت کے جسم کے ان حصوں اور اعضاء کو دیکھنا اور چھونا اس کے محرم کے لئے جائز نہیں ہے اگر چہ وہ جنسی ہیجان سے مامون ہی کیوں نہ ہو کیونکہ عورت کا سر، چہرہ، پنڈلی، بازو اور سینہ اس کے محرم کے حق میں ستر نہیں ہے اس لئے ان اعضاء کو دیکھ سکتا ہے بشرطیکہ جنسی ہیجان سے

مامون ہو، مرد کے حق میں غیر کی لونڈی کا اس کی محرمہ کے ستر کی مانند ہے یعنی پیٹھ پیٹ اور زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک کا حصہ لہٰذا غیر کی لونڈی کے جسم کے ان حصوں اور اعضاء کو جو اس کے ستر کے حکم میں نہیں دیکھنے اور چھونے کے بارے میں وہی تفصیل ہے جو اپنی محرمہ کے جسم کے مستور حصوں کو دیکھنے اور چھونے کی ہے۔

امرد کا حکم

خوبصورت امرد کو نفسانی خواہش کے ساتھ دیکھنا اور اس کو ہاتھ لگانا حرام ہے، کسی عورت کو اس سے نکاح کے ارادہ کے وقت یا کسی لونڈی کو اس کی خریداری کے وقت نفسانی خواہش کے خوف کے باوجود دیکھنا یا ہاتھ لگانا جائز ہے۔

غلام کا حکم

غلام اپنی مالکہ یعنی مالک کی بیوی کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے یعنی جس طرح اس کیلئے اجنبی مرد سے پردہ کرنا ضروری ہے اسی طرح غلام سے بھی پردہ کرنا چاہئے ایسے ہی ہجڑا اور خواجہ سرا بھی مرد کی مانند ہے علماء فقہ لکھتے ہیں کہ اجنبی عورت پر نظر ڈالنا حرام ہے خواہ یہ نظر ڈالنا نفسانی خواہش کے تحت ہو یا اس کے بغیر ہو۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے امام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ امرد اگر حسین صورت ہو تو اسکو دیکھنا خواہ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو بہر حال حرام ہے اور یہ اس لئے کہ یہ امرد اس اعتبار سے عورت کے حکم میں ہے اس کی صورت کا جمال تو کبھی عورت کے جمال سے بھی زیادہ ہوتا ہے، اور علامہ قاری نے لکھا ہے کہ ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ امرد پر نظر بطور شہوت ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں۔ اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ والی بات تو یہ احتیاط کے تقاضا کی ہے، اس لئے کہ احتیاط تو بہر حال اسی میں ہے کہ ایسے صاحب حسن و جمال امرد بچوں پر بہر حال نظر نہ کی جائے۔ (انوار المصابیح:٣١/ ٦/٣٣، مرقاۃ:٦/٢٥٢، التعلیق:٨/ ٤)

005

غیر محرم سے تنہائی کرنا

{۲۹۶۷} **وَعَن** جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلاَ لاَ یَبِیْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَۃٍ ثَیِّبٍ اِلاَّ اَنْ یَکُوْنَ نَاکِحاً اَوْ ذَا مَحْرَمٍ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۱۵، باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ، کتاب السلام، حدیث نمبر: ۲۱۷۱۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خبردار! کوئی شخص کسی شادی شدہ کے پاس رات نہ گزارے مگر جبکہ وہ خاوند یا عورت کا محرم ہو۔(مسلم)

تشریح: اجنبی مرد کو جوان عورت کے ساتھ تنہائی میں ملاقات نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ شیطان ان کو فتنہ میں مبتلا کرسکتا ہے البتہ محرم کا جوان عورت کے ساتھ تنہائی میں ملنا فتنہ کا باعث نہیں ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، "لا یبیتن رجل عند امرأۃ" رات گذارنے سے مراد عورت سے تنہائی میں ملنا ہے، اور تنہائی میں ملنا حرام ہے، خواہ دن میں ہو یا رات میں ہو، "ثیب" مراد وہ عورت ہے جو شوہر دیدہ ہو ثیبہ کی قید اس لئے لگائی کہ کنواری لڑکی میں جھجھک ہوتی ہے، وہ بے خوف نہیں ہوتی، لہٰذا وہ عام طور پر فتنہ میں پڑنے سے محفوظ رہتی ہے، البتہ احتیاط کا تقاضہ تو یہی ہے کہ کنواری لڑکی بھی اجنبی مرد کے ساتھ تنہا رہنے سے بچے، "الا ان یکون ناکحا" شوہر کے ساتھ بیوی کے تنہا رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لہٰذا اس کا استثناء کردیا، "او ذا محرم" محرم کے ساتھ بھی عورت تنہا رہ سکتی ہے، محرم سے مراد وہ ہے جس سے کبھی بھی نکاح نہ ہوسکے، اگرچہ ذی رحم نہ ہو، مثلا رضاعی رشتہ، سسرالی رشتہ، مثلا ساس اپنے داماد کی محرم ہے، اس کے ساتھ تنہا رہ سکتی ہے، اگرچہ ذی محرم نہیں ہے بیوی کی خالہ، وغیرہ کے ساتھ تنہا مرد نہیں رہے گا اس لئے کہ یہ وہ رشتے ہیں جن سے بیوی کی موجودگی میں تو نکاح حرام ہے، لیکن ہمیشہ ہمیش کے لئے نکاح حرام نہیں ہے، بیوی کو طلاق دے کر یا بیوی کے انتقال کے بعد ان سے نکاح ہوسکتا ہے۔ (طیبی: ۶/۲۵۲)

دیور تو موت ہے

{۲۹۶۸} **وَعَن** عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ أَرَأَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/۷۸۷، باب لایخلون رجل بامرأةٍ الاّ ذو محرم، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۳۲، مسلم شریف: ۲/۲۱۶، باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیۃ، کتاب السلام، حدیث نمبر: ۲۱۷۲۔

ترجمه: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم لوگ عورتوں کے پاس جانے سے پرہیز کیا کرو، ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیور کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ دیور تو موت ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی مردوں اور عورتوں کو تنہائی میں یکجا ہونے سے منع فرمایا ہے، اور چوں کہ شوہر کا بھائی یعنی دیور اجنبی مرد کے حکم میں ہے، شریعت کی رو سے اس سے بھی پردہ لازم ہے اور چوں کہ عام طور سے اس طرح کے رشتہ دار عورت کے احوال سے واقف ہوتے ہیں، لہٰذا ان کی یکجائی میں زیادہ فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیغانہ انداز میں ان کے ساتھ عورت کی تنہائی کو خصوصیت سے منع فرمایا ہے۔ "ایاکم والدخول علی النساء" یعنی جو عورتیں غیر محرمات ہیں ان کے پاس تنہائی میں مت جاؤ۔ "فقال رجل ارأیت الحمو قال الحمو الموت" جب دیور کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: دیور تو موت ہے یعنی اس کا دخول تو موت کے دخول کی طرح مہلک ہے اس لئے کہ اس کے ذریعہ فتنہ کا امکان بہت زیادہ ہے اس لئے کہ عام طور پر لوگوں کی نگاہ میں ان کی بے تکلفی اور موقعہ بے موقعہ آمد و رفت کی کوئی خاص اہمیت ہی نہیں اسی لئے خطرناک ارتکاب معصیت کے مواقع بہت زیادہ ہوتے ہیں "الحمو" کو "الموت" سے تعبیر کیا گیا یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ شیر کے خطرناک درندہ ہونے کی وجہ سے عرب کہتے ہیں

"الاسد الموت" شیر تو موت ہے، یعنی اگر کوئی شخص اس کے پاس پہنچ گیا تو گویا وہ موت کے منھ میں گیا لہٰذا جس طرح موت سے ڈرا اور بچا جاتا ہے اسی طرح شیر سے ڈرنا اور بچنا چاہئے پس اسی طرح دیور سے بچنا چاہئے۔ اور شارح حدیث ابوعبیدہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرجاؤ لیکن یہ نہ کرو یعنی دیور کے قریب نہ جاؤ، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یا اس کے معنی یہ ہیں کہ "الحمو" کا تخلیہ میں ملنا زنا کا باعث ہوسکتا ہے اور زنا کے بعد سنگسار یعنی حد شرعی اور سنگسار سے موت یقینی ہے اس لئے اس کو موت سے تعبیر کردیا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "الحمو" سے مراد شوہر کے باپ کے علاوہ اقارب ہیں اس لئے کہ اقارب سے فتنہ کا خوف زیادہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا خلوت وجلوت میں بے تکلف ملنا عام طور پر برا نہیں سمجھا جاتا اور اسی وجہ سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے بلکہ جاہل لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ بھابھی آدھی بیوی ہوتی ہے، اس لئے دیور بھابھی کا تنہائی میں ملنا ہنسی مذاق کرنا عیب ہی نہیں سمجھا جاتا۔ تو ظاہر ہے خلوت کے ایسے موقع میں کسی بھی وقت نفس شیطان کے مکر کا شکار ہوسکتا ہے، دیور کا بے تکلف ہونا تو مسلم معاشرہ میں بالکل عام ہے اس پر بالعموم کوئی نکیر ہی نہیں، بس یہی موت ہے۔ (طیبی: ٦/٢٥٣، فتح الباری: ١١/٦٩٠، نووی: ٦/٢١٦)

تنبیہ: ہم لوگوں کے معاشرہ میں آج یہ خرابی بہت پیدا ہوگئی ہے، اور نوبت یہ آگئی ہے کہ گناہ ہونے کا احساس ہی ختم ہوگیا ہے، شوہر کے بھائی، بھتیجوں سے پردہ تو کیا اگر کوئی اللہ کا بندہ اس کے بارے میں بات بھی کرتا ہے تو اس کو عقل سے ماوراء سمجھا جاتا ہے، شریعت کے عظیم حکم سے انحراف کی وجہ سے آج مسلمانوں کے معاشرہ میں بھی بدکاری نے اپنی جڑیں مضبوط کرلی ہیں، اور رشتوں کے تقدس سے کھلواڑ معمول بن گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ اسی کو اکبر الہ آبادی نے کہا: ع

آج کل پردہ دری کا یہ نتیجہ نکلا
جس کو سمجھے تھے بیٹا ہے بھتیجہ نکلا

معالج کا عورت کا ستر دیکھنا

{٢٩٦٩} **وَعَن** جَابِرٍ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اسْتَاذَنَتْ

رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْحَجَامَةِ فَاَمَرَ اَبَاطَیْبَةَ اَنْ یَحْجِمَهَا قَالَ حَسِبَتُ اَنَّهٗ کَانَ اَخَاهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ اَوْ غُلاَماً لَمْ یَحْتَلِمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۲۲۵، باب لکل داء دواء، کتاب السلام، حدیث نمبر: ۲۲۰٦۔

حل لغات: حجم المریض: (ن،ض) پچھنا لگانا یعنی سینگی کے ذریعہ خراب خون چوسنا، سینگی لگانا، احتلم: (افتعال) بالغ ہونا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جناب آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھنہ لگوانے کی اجازت مانگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطیبہ کو پچھنہ لگانے کا حکم دیا، راوی کہتے ہیں کہ ابوطیبہ ام سلمہ کے رضاعی بھائی تھے یا نابالغ لڑکے تھے۔ (مسلم)

تشریح: معالج علاج کے وقت علاج کی غرض سے عورت کا ستر دیکھ سکتا ہے، اگر چہ معالج اجنبی ہی کیوں نہ ہو، "حسبت انه کان اخاها من الرضاعة" میرا گمان یہ ہے کہ ابوطیبہ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دودھ شریک بھائی تھے۔ "الرضاعة" کے راء کو کسرہ وفتحہ دونوں صحیح ہیں، "اوغلاما لم یحتلم" اور یا پھر نابالغ بچے تھے، راوی حدیث نے ابوطیبہ کے ذریعہ پچھنا لگوانے کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ غالباً یہ ان کے دودھ شریک بھائی یا نابالغ بچے تھے، بعد کے علماء نے اسکی صراحت کی ہے کہ پچھنا لگوانا اگر ضروری ہو تو نامحرم سے بھی لگوایا جاسکتا ہے۔ اور اسی طرح معالج کا مریضہ کے جسم کو بضرورت علاج بقدر ضرورت دیکھنا جائز ہے۔

قد صرح علماءنا بان غیر المحرم ایضا عند الضرورة یحجم ویفصد ویختن وقال الطیبی یجوز للاجنبی النظر الی جمیع بدنها للضرورة وللمعالجة۔ (مرقاة: ٦/۱۹۷، انوار المصابیح: ٦/۳۵)

تنبیہ: لیکن کوشش کرنا چاہئے کہ معالج کوئی محرم مل جائے یا کوئی نابالغ بچہ جو سمجھدار ہو یا پھر کوئی عورت ہو جب کہ آجکل معالج عورتیں بھی کثرت سے ہیں۔

اچانک نظر کا حکم

{۲۹۷۰} **وَعَن** جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَأَمَرَنِيْ اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِيْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/ ۲۱۲، باب نظر الفجاءة، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۲۱۵۹۔

حل لغات: فجأ الامر فَجْأَةً وَفُجَاءَةً: اچانک پیش آنا۔

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جناب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اپنی نظر پھیر لو۔ (مسلم)

تشریح: وعن جریر بن عبد الله: یہ جریر بن عبد اللہ بجلی ہیں، "عن نظر الفجاءة" فاء کو ضمہ اور جیم کے ساتھ الف ہے اور دوسری لغت فاء کا فتحہ اور جیم ساکن ہے، معنی میں "بغتة" کے ہے "فجأ الامر" کے معنی اچانک اور پہلے سے کسی سبب کے بغیر آنے کے ہیں زین العرب نے یہی بتایا ہے "فامرنی ان اصرف بصری" مجھ کو حکم فرمایا کہ ایسے موقع پر میں اپنی نظر پھیر لوں دوبارہ نہ دیکھوں لیکن پہلی نظر اگر اختیار کے بغیر تھی تو وہ معاف ہے اور اگر نظر جمائے رہے اور لطف اندوز ہوتا رہے گا تو گنہگار ہوگا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس میں اس بات پر حجت ہے کہ عورت پر اپنے چہرے کا چھپانا واجب نہیں ہے یہ اس کے لئے صرف سنت مستحبہ ہے اور مردوں پر نگاہوں کا پست رکھنا واجب ہے کہ وہ عورتوں کو کسی شرعی ضرورت کے سوا نہ دیکھیں۔ علامہ قاری نے قاضی کے اس قول کو نقل کیا اور اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جس سے ان کا بھی متفق ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ اعلم۔ (مرقاۃ: ۶/ ۲۵۴)

آج کل فتنہ کا زمانہ ہے لہٰذا اختلاف ائمہ سے قطع نظر عورت کے لئے اپنے چہرہ ڈھانک کر رہی

باہر نکلنا لازمی ہے ورنہ اس کی عزت وعصمت کو شدید خطرہ ہے، اور عزت کی حفاظت نیز درندوں کی نگاہ بد سے اپنے کو محفوظ رکھنا بہر حال ہر ایک کے نزدیک لازم ہے۔

اجنبی عورت پر نگاہ پڑے اور پسند آجائے تو اس کا علاج

اگر کسی اجنبی عورت پر نظر پڑے اور وہ دل کو بھاجائے تو یہ غیر اختیاری بات ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں، مگر اس کا علاج ضروری ہے ورنہ پینگیں بڑھنے کا اندیشہ ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً گھر جا کر بیوی سے صحبت کرلے، کیوں کہ جب منی کے برتن بھر جاتے ہیں تو اس کے بخارات دماغ کی طرف صعود کرتے ہیں اور جنسی خواہش پیدا ہوتی ہے، بس استفراغ مادہ ہی اس کا علاج ہے۔

ایک موقع پر حضرت نبی کریم ﷺ کی نظر ایک اجنبی عورت پر پڑی تو آنحضرت ﷺ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی ضرورت پوری کی یعنی صحبت فرمائی، پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ عورت جب سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے، یعنی ورغلانے والا انداز ہوتا ہے پس جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھے اور وہ اس کو پسند آجائے تو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے یعنی اس سے صحبت کرلے، اس لئے کہ بیوی کے پاس وہی ہے جو اس عورت کے پاس ہے، یعنی جس محل کی وجہ سے کسی عورت کی طرف میلان ہوتا ہے، وہی محل بیوی کے پاس بھی ہے، پس جب بیوی سے صحبت کرے گا اور منی کا برتن خالی ہوجائیگا تو ذہن اس عورت کی طرف سے ہٹ جائے گا۔
(تحفۃ الالمعی: ۳/ ۵۸۹، ۵۹۸)

غلط خواہش کا علاج

{۲۹۷۱} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْأَۃَ تُقْبِلُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ وَ تُدْبِرُ فِیْ صُوْرَۃِ شَیْطَانٍ اِذَا اَحَدُ کُمْ اَعْجَبَتْہُ الْمَرْأَۃُ فَوَقَعَتْ فِیْ قَلْبِہٖ فَلْیَعْمِدْ اِلیٰ اَمْرَأَتِہٖ فَلْیُوَاقِعْھَا فَاِنَّ ذَالِکَ یَرُدُّ مَافِیْ نَفْسِہٖ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۴۹، باب ندب من رای امرأۃ فوقعت فی نفسہ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۰۳۔

حل لغات: اقبل: آنا، ادبر الرجل: پیٹھ پھیرنا، اعجبہ الشیء فلانا: کسی کو کوئی چیز پسند آنا اور انوکھی لگنا، وقع الکلام فی قلبہ: بات دل میں اتر جانا، ردہ: روکنا، ہٹانا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے، اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو کوئی عورت پسند آجائے اور اس کی صورت دل میں سما جائے تو اس کو اپنی بیوی کے پاس جا کر اس سے صحبت کرنی چاہئے، کیوں کہ ایسا کرنا اس کے دلی خیال کو دور کردے گا۔ (مسلم)

تشریح: جس طرح شیطان انسان کو ورغلا کر فتنہ وفساد میں مبتلا کر دیتا ہے اسی طرح عورت کا حسن و جمال بھی مرد کے حق میں بہت بڑا فتنہ ہے اس کے فریب میں بھی مبتلا ہو کر مرد تباہ و برباد ہو جاتا ہے، لہٰذا مردوں کو قصداً نامحرم عورتوں کی طرف نہ دیکھنا چاہئے، اور اگر بغیر قصد وارادہ کے نگاہ پڑ گئی ہے، اور عورت کے حسن سے متأثر ہو گیا ہے تو فوراً اس عورت سے نگاہ پھیر لے، اور اپنے گھر جا کر اپنی بیوی سے صحبت کرلے، اس طریقہ علاج سے ان شاء اللہ فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

ان المرأۃ تقبل فی صورۃ الشیطان: جس طرح شیطان شر اور برے خیالات کی دعوت دیتا ہے اسی طرح اجنبی عورت کا دیدار برائی پر آمادہ کرتا ہے، "فلیعمد الی امرأتہ" اجنبی عورت کو دیکھ کر اگر جنسی خواہش پروان چڑھے تو فوراً اپنی بیوی سے صحبت کرلینا چاہئے، گذشتہ حدیث میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

فائدہ: صاحب مرقات رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ عورت کے لئے بلا ضرورت گھر سے نکلنا مناسب نہیں ہے، اور اگر کسی اہم ضرورت سے نکلے تو سادہ لباس میں جائے، لباس فاخرہ میں باہر نہ نکلے، اور مرد کیلئے مناسب ہے کہ وہ عورت کو نہ دیکھے اور نہ اس کے لباس کو دیکھے اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد کے لئے دن میں اپنی بیوی کو بلانا اور اس سے صحبت کرنا درست ہے، اور اگر عورت کسی کام میں مشغول ہو اور اس

کو چھوڑ نا ممکن ہوتو چھوڑ دے اور مرد کے پاس آجائے کیونکہ بسا اوقات تاخیر مباشرت کی وجہ سے بدن یا جسم کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۱۹۷)

{الفصل الثانی}

منسوبہ کو دیکھنا

{۲۹۷۲} **عَنْ** جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اَحَدُکُمُ الْمَرْأَۃَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مَا یَدْعُوْہُ اِلٰی نِکَاحِھَا فَلْیَفْعَلْ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۸۴، باب فی الرجل ینظرا لی المرأۃ و ھو یرید تزویجھا، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۸۲۔

حل لغات: خطب: (ن) تقریر کرنا، نکاح کا پیغام دینا، استطاع الشیئ: (استفعال) کر سکنا، کسی شئ کا کسی کے بس اور امکان میں ہونا۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو اگر جس کو پیغام دے رہا ہے اس عورت کو دیکھنا ممکن ہو تو دیکھ لے۔ (ابوداؤد)

تشریح: فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّنْظُرَ: نکاح سے قبل ہونے والی بیوی کو دیکھ لینا بہتر ہے چوں کہ نکاح سنت مؤکدہ ہے اور منسوبہ کو دیکھ لینا اس میں معین ہے، لہٰذا دیکھنا مستحب ہے، یہیں سے معلوم ہوا کہ خوبصورت عورت طلب کرنا مذموم نہیں ہے، جہاں پر خوبصورتی کی رعایت کرنے کی مذمت ہے وہاں وہ جمال مراد ہے جو دین میں فساد کے ساتھ ہو مثلاً ایک لڑکی دین دار قبول صورت ہے اور دوسری فاسد عقیدہ والی ہے، اس کے فساد عقیدہ سے شوہر اور اس کے بچے بھی متاثر ہو سکتے ہیں اس کے باوجود

کوئی دین سے قطع نظر کر کے محض جمال کی بناء پر خوبصورت عورت کو ترجیح دیتا ہے، تو اس طرح کی خوبصورتی کو طلب کرنا شریعت نے ناپسند کیا ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۵۵، طیبی: ۶/۲۵۶) مزید تفصیل شروع میں گذر چکی ہے۔

مخطوبہ کو دیکھنا محبت میں اضافہ کا سبب ہے

{۲۹۷۳} وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ خَطَبْتُ اِمْرَأَةً فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ اِلَيْهَا قُلْتُ لاَ قَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهٗ اَحْرىٰ اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا۔ (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه والدارمی)

حوالہ: مسند احمد: ۴/۲۴۶، ترمذی شریف: ۱/۲۰۷، باب ماجاء فی النظر الی المخطوبۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۰۸۷، نسائی شریف: ۲/۶۰، باب اباحۃ النظر قبل التزویج، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۲۳۵، ابن ماجہ شریف: ۱۳۴، باب النظر الی المرأۃ اذا ارادت ان تزوجھا، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۶۵، دارمی شریف: ۲/۱۸۰، باب الرخصۃ فی النظر للمرأۃ عند الخطبۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۷۲۔

حل لغات: خطب: تقریر کرنا، نکاح کا پیغام دینا، احری: افضل، سادہ، لائق، زیادہ بہتر، آدم بینھما، صلح کرنا، دوستی کرنا۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک عورت کو پیغام نکاح دیا تو مجھ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کیا تم نے اس کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس کو دیکھ لو، اس وجہ سے کہ امید ہے کہ دیکھنا تم دونوں کے درمیان محبت کا باعث ہوگا۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ”خطبت امرأۃ“ کا ترجمہ مظاہر حق میں، میں نے ایک عورت سے منگنی کا ارادہ کیا،

لکھا ہے قدیم و جدید دونوں میں یہی مفہوم ہے، یہ الفاظ جدید کے ہیں، چونکہ ارادہ کیا، کے لئے حدیث میں کوئی لفظ نہ تھا اس لئے اس عاجز نے "نکاح کا پیغام دیا، ترجمہ کیا ہے، اور چونکہ اس سے پہلی والی حدیث میں آپ کا یہ ارشاد "اذا خطب احدکم المرأة" کی شرح میں علامہ قاری نے "ای اراد خطبتها" لکھا ہے اس لئے یہاں بھی "اراد" کو مقدر مان لیا گیا ہے، جبکہ وہاں ماضی پر اذا داخل ہے جو اس کو مستقبل کے معنی میں کر رہا ہے اس لئے جب "اذا خطب" کے معنی مستقبل کے ساتھ کئے جائیں گے، تو "اراد" کا مفہوم پیدا ہو ہی جائے گا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہاں "اذا" کے بغیر "خطب" ہے اس لئے یہاں ماضی کا ہی ترجمہ رہے گا اور "اراد" کو مقدر ماننے کی حاجت نہیں ہے، غالباً حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پہلے نکاح کا پیغام دیدیا پھر اس کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اس معنی میں کوئی قباحت نہیں۔ واللہ اعلم۔

احری: ملا علی قاری نے فرمایا: "ای اقرب واولی وانسب، ان یؤدم، ای بأن یؤلف بینکما" ابن ملک نے فرمایا: کہا جاتا ہے، "ادم اللہ بینکما ای اصلح والف" یعنی دوستی پیدا کرے، "التعلیق الصبیح" میں یہ ہے "الادم والایدام" کے معنی اصلاح وتوفیق کے ہیں کہا جاتا ہے "ادم الطعام" جسکے معنی کھانے کی اصلاح کرنا اور اسکو کھانے والے کے لئے موافق بنانا اور جملہ کے معنی یہ ہیں اور دیکھ لینا اصلاح اور محبت ڈالنے کیلئے زیادہ اولی ہے، واضح رہے کہ الصلح کے معنی دوستی اور الفت کے بھی ہیں انہیں تفصیلات کے پیش نظر جملہ کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے زیادہ لائق ہے اس کے کہ تم دونوں کے درمیان محبت ڈالی جائے مرقات میں ہے "ای یوقع الادم بینکما یعنی یکون بینکما الالفة والمحبة"۔ (انوار المصابیح: ۶/۳۸، مرقاۃ: ۶/۲۵۶)

وقتی جنسی جذبات کا فوری علاج

{۲۹۷۴} **وَعَنِ** ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ رَأٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً فَاَعْجَبَتْهُ فَاَتٰی سَوْدَةَ وَهِیَ تَصْنَعُ طِیْبًا وَعِنْدَهَا نِسَاءٌ فَاَخْلَیْنَهٗ فَقَضٰی حَاجَتَهٗ ثُمَّ قَالَ اَیُّمَا رَجُلٍ رَأٰی اِمْرَاَةً تُعْجِبُهٗ فَلْیَقُمْ اِلٰی اَهْلِهٖ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِیْ مَعَهَا۔ (رواہ الدارمی)

حوالہ: دارمی شریف: ۲/۱۹۶، باب الرجل یری المرأۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۱۵۔

حل لغات: صنع: (ف) بنانا تیار کرنا، الطیب: خوشبو عطر (وغیرہ) اخلی الرجل: (افعال) تنہا ہونا، تنہا کرنا، قام للامر: اٹھ کھڑا ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک عورت پر پڑ گئی، جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے جو اس وقت خوشبو تیار کر رہی تھی، اور ان کے پاس عورتیں جمع تھیں، ان عورتوں نے صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خلوت کر دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت پوری فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص کی نگاہ کسی ایسی عورت پر پڑے جو اس کو پسند آجائے تو اس کو اپنی بیوی کے پاس چلے جانا چاہئے، اس لئے کہ اس کی بیوی کے پاس بھی وہی ہے جو اس عورت کے پاس ہے۔ (دارمی)

تشریح: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے اجنبیہ پر نگاہ پڑنے کے بعد جنسی جذبات کو قابو میں رکھنے کی تدبیر بتائی ہے، انسانی فطرت ہے کہ خوبصورت چیز نفس کو بھاتی ہے ایسے اگر کسی خوبصورت اجنبی عورت پر نگاہ پڑ جائے اور وہ دل کو بھا جائے تو تسکین نفس کے لئے فوراً اپنی بیوی سے صحبت کر لینا چاہئے، یہ طریقہ علاج جنسی بے اعتدالی سے بچنے کی اور برے اوہام وخیالات کے دفعیہ کے لئے نسخہ کیمیا ہے۔

فاتی سودۃ: یعنی آپ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، "وھی تصنع طیبا وعندھا نساء" یہ دونوں جملے حال واقع ہو رہے ہیں یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں آپ تشریف لائے اس حال میں کہ وہ کوئی خوشبو بنا رہی تھیں، اور ان کے پاس کچھ عورتیں بھی موجود تھیں، "فاخلینہ" یعنی یہ عورتیں آپ سے الگ ہوگئیں اور آپ کو خلوت کا موقع دیا، "فقضی حاجتہ" یعنی آپ نے ان سے جماع کر لیا، "ثم قال ایما رجل رأی امرأۃ تعجبہ فلیقم الی اھلہ" فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی کسی اجنبی عورت کو دیکھے اور وہ اس کو بھا جائے تو اس آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور اس سے جماع کرے تا کہ اس کی شہوت ٹوٹ جائے اور وساوس کا سلسلہ ختم ہو

جائے، "فان معھا" پس بیشک اس کے یعنی اس کی بیوی کے پاس "مثل الذی معھا" اسی جیسی شرمگاہ ہے جیسی اس اجنبیہ کے پاس ہے اور وہ اس کے قائم مقام ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا کہ آپ کا منشا یہ ہے کہ اس شخص کے اجنبیہ کو دیکھنے کی انتہائی غایت یہی فعل ہے لیکن دونوں غایتوں پر نتیجہ کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ اجنبیہ کے ساتھ یہ فعل اللہ کے غضب کو لانے والا ہے اور بیوی کے ساتھ یہ فعل اس کے برعکس ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل دوسری عورتوں کی معلومات میں ہوا تا کہ ان کو اور ان کے ذریعہ ان کے شوہروں کو معلوم ہو جائے کہ ایسے موقع پر کیا کرنا چاہئے۔(انوارالمصابیح:۳۹/۶،طیبی:۲۵۷/۶،مرقاۃ:۲۵۷/۶)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اجنبیہ کے حسن سے کیسے متاثر ہوئے؟: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجنبیہ کے حسن و جمال سے کیسے متاثر ہوئے؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت کیوں ہوئی؟ اس کا جواب محدث عصر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے لکھا ہے کہ ایسا تشریع کے پیش نظر ہوا تھا، انبیاء علیہم السلام جو قانون بناتے ہیں وہ ذوقی ہوتے ہیں، وہ فکری قانون نہیں بناتے ہیں، اور اسی وجہ سے فرشتوں کو رسول نہیں بنایا گیا ہے، کیوں کہ اگر فرشتے رسول بن کر آتے تو وہ لوگوں کے لئے غور وفکر کی بنیاد پر قانون بناتے، وہ ذوق کی بنیاد پر قانون نہیں بنا سکتے ہیں، کیوں کہ ان میں وہ جذبات نہیں ہیں جو انسان میں ہیں اور جب نبی انسان ہوتا ہے تو اس پر تمام احوال گذرتے ہیں، کیونکہ وہ بشر ہوتا ہے، چنانچہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ کیفیت پیش آئی تا کہ اس کی اہمیت کا اندازہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا علاج تجویز فرما سکیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کبھی بیان جواز کے لئے خلاف اولی کام بھی کرتے ہیں، اور وہ نبی کے حق میں خلاف اولی نہیں ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ تشریع کیلئے ہوتے ہیں، اسی طرح اس کیفیت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر گذرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں برا نہیں تھا بلکہ ضروری تھا، کیونکہ تشریع قانون سازی اس پر موقوف تھی۔(تحفۃ الالمعی:۵۹۹/۳،التعلیق:۱۱/۴)

ترمذی کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کا نام زینب مذکور ہے، اور یہاں سودہ مذکور ہے، ممکن ہے رواۃ کے اختلاف کی وجہ سے ناموں کا اختلاف ہو۔(اللہ اعلم)

عورت پردہ کی چیز ہے

{۲۹۷۵} **وَعَنْہُ** عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْأَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۲۲، باب، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۱۷۳۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو گھورتا ہے۔ (ترمذی)

تشریح: عورت کو بلا ضرورت قطعاً گھر سے باہر نہ نکلنا چاہئے، کیونکہ وہ گھر میں رہتی ہے تو فتنوں سے محفوظ رہتی ہے، باہر نکلتی ہے تو شیطان کو جھانکنے تاکنے اور اس کو ورغلانے کا موقع ہاتھ لگ جاتا ہے، اگر شدید ضرورت کی وجہ سے نکلنا ہو تو اچھی طرح مستور ہو کر گھر سے باہر نکلے، لباس فاخرہ اور خوشبو سے بالکلیہ اجتناب کرے۔

المرأۃ عورۃ: مطلب یہ ہے کہ جس طرح ستر کو چھپایا جاتا ہے کیوں کہ وہ عورت ہے اسی طرح عورت بھی پوشیدہ اور چھپانے والی شئ ہے، "استشرفھا الشیطان" جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان مردوں کے دلوں میں اس کو مزین کر کے پیش کرتا ہے، لہٰذا عورت بری خصلت والے لوگوں کی نگاہ بد کی توجہ کا مرکز بنتی ہے چونکہ عورت شیطان کا پھندا ہے، اس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، لہٰذا یہاں پر شیطان ہی کی طرف نسبت بھی کر دی گئی ہے۔ یا شیطان سے مراد شیاطین الانس والجن دونوں ہیں بلکہ اصل گھورنے والے شیطان الانس ہیں شیطان الجن تو گھر میں بھی گھور سکتے ہیں۔ (تحفۃ الالمعی: ۶۱۳/ ۳)

استشراف: کے معنی ہیں ہاتھ کا چھجا بنا کر غور سے دیکھنا، عورت کا گھر سے نکلنا نہایت نقصان دہ ہے اسی وجہ سے افضل العبادات نماز کیلئے یہی چیز پسند کی گئی ہے کہ وہ جماعت سے مسجد میں نماز نہ پڑھے، بلکہ گھر میں ادا کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "صلاۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی

حجرتها، وصلاتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بیتها“۔ (طیبی: ۲۵۸، ۲۵۹/ ۶)

تنبیہ: مگر افسوس آج معاملہ بالکل برعکس ہے گھر میں عورت اسی طرح بھکارن کی طرح رہتی ہے اور گھر سے باہر بن سنور کر اوڈر پوڈر اچھی طرح استعمال کر کے دلہن کی طرح سے نکلتی ہے جس میں فتنوں کا ہونا ظاہر ہے۔

اتفاقی نظر معاف ہے

{۲۹۷۶} **وَعَنْ** بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لاَ تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى لَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ. (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والدارمی)

حوالہ: مسند احمد: ۳۵۳/۵، ترمذی شریف: ۱۰۶/۲، باب فی نظرۃ المفاجاۃ، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۲۷۷۷، ابوداؤد شریف: ۲۹۲/۲، باب ماجاء یومر من غض البصر۔ کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۴۹، دارمی: ۳۸۶/۲، باب فی حفظ السمع، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۲۷۰۹۰۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ اے علی رضی اللہ عنہ! اچانک پڑ جانے والی نظر کے بعد دوسری نظر مت ڈالنا اس لئے کہ پہلی نظر معاف ہے، جب کہ دوسری معاف نہیں ہے۔

تشریح: لا تتبع النظرۃ النظرۃ: مطلب یہ ہے کہ اگر ایک بار بلا قصد نظر پڑ جائے تو بالقصد دوبارہ مت دیکھو ”فان لك اولی“ یہ سابقہ حکم کی علت ہے، پہلی بار بلا قصد وارادہ نظر پڑی تھی، لہٰذا اس میں کوئی گناہ نہیں اور دوبارہ قصداً نظر ڈالی جائے گی، لہٰذا اس میں گناہ ہے، حدیث کے اس جز میں ”لك“ کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پہلی نگاہ میں نفع ہے، ”لام“ نفع کے لئے لاتے ہیں، پہلی نگاہ پڑی اور اللہ کے خوف سے اس کو پھیر لیا تو اس میں بہت اجر وثواب ہے، اور دوسری نگاہ میں سخت ضرر ہے اس لئے ”علیك“ فرمایا ہے۔ (مستفاد از طیبی: ۲۵۹/ ۶، مرقاۃ: ۲۵۷/ ۷، الدر المنضود: ۶۶/ ۴)

نکاح کے بعد باندی مالک کیلئے اجنبیہ کے مانند ہے

{۲۹۷۷} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا زَوَّجَ اَحَدُكُمْ عَبْدَهٗ اَمَتَهٗ فَلَا يَنْظُرَنَّ اِلٰى عَوْرَتِهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَنْظُرَنَّ اِلٰى مَادُوْنَ السُّرَّةِ وَفَوْقَ الرُّكْبَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۵۶۸/۲، باب فی قولہ عزوجل قل للمؤمنین یغضضن الخ: کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۱۱۴۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام سے اپنی باندی کا نکاح کردے تو پھر مالک اس لونڈی کے ستر عورت کو نہ دیکھے، اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں "فلاینظرن" یعنی آقا باندی کے اس حصہ کو نہ دیکھے جو ناف کے نیچے سے زانوں کے اوپر تک ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جب آقا نے اپنی باندی کی شادی کسی بھی دوسرے مرد سے کردی، تو اب وہ باندی اس کیلئے حرام اور اجنبیہ باندی کے مانند ہوگئی، لہٰذا باندی کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے اور جن حصوں سے غیر کی باندی سے پردہ کرنا لازم ہے اپنی باندی کے ان اعضاء کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

اذازوج احدکم عبدہ امتہ: جب تم میں کا کوئی آدمی اپنے غلام کا نکاح اپنی باندی سے کردے، تو "فلا ینظرن الی عورتها" اس کی ستر کو نہ دیکھے اور اگر باندی کا نکاح کسی اور کے غلام کے ساتھ کردے تو ظاہر ہے یہ ممانعت بطریق اولی ہوگی، اور جب دیکھنے کی سخت ممانعت ہے تو چھونے کی ممانعت بطریق اولی ثابت ہے اور یہ حکم اس لئے ہے کہ اسکی باندی اب اسکے لئے حرام ہے "وفی روایۃ فلا ینظرن الی مادون السرۃ وفوق الرکبۃ" روایت کے ان الفاظ میں "العورۃ" کی تفسیر بیان ہوگئی۔

مسالک: حدیث کے ظاہر الفاظ کی دلالت یہ ہے کہ ناف اور گھٹنہ ستر عورت میں داخل نہیں ہے علامہ قاری نے فرمایا: "کتاب الرحمۃ فی اختلاف الامۃ" میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ مرد کی ناف عورت نہیں ہے، اور گھٹنہ کے بارے میں امام مالک، امام شافعی امام احمد نے فرمایا کہ یہ ستر عورت میں نہیں ہے، اور ہمارے امام، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے بعض اصحاب کے نزدیک گھٹنہ ستر عورت میں ہے اور باندی کی ستر عورت امام مالک اور شافعی کے نزدیک مثل مرد کے ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مرد کی ستر پر پیٹھ اور پیٹ کا اضافہ کیا ہے، یعنی مرد کی ستر عورت سے باندی کی ستر میں یہ زائد ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۵۸، انوار المصابیح: ۶/۴۱)

ران ستر ہے

{۲۹۷۸} **وَعَنْ** جَرْهَدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ۔ (رواه الترمذی وابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۵۷۷، باب النهی عن التعری، کتاب الجماع، حدیث نمبر: ۴۰۱۴، ترمذی شریف: ۲/۱۰۷، باب ماجاء فی ان الفخذ عورة، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۲۷۹۵۔

ترجمہ: حضرت جرہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ران ستر ہے۔ (ابو داؤد، ترمذی شریف)

تشریح: ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کی ران کھلی ہوئی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کہ ران کو ڈھانک لو، کیونکہ ران ستر ہے، معلوم ہوا کہ جس طرح دیگر اعضاء ستر کو ڈھانکنا ضروری ہے، اسی طرح ران ڈھانکنا بھی لازم ہے، اس سلسلہ میں بہت سے لوگ لاپرواہی برت رہے ہیں، چھوٹی نیکر پہن کر سڑکوں پر نکل آتے یہ بے حیائی ہے اس سے گریز لازم ہے۔

جرہد: جیم اور ہاء کے فتحہ کے ساتھ جیسا کہ مرقات میں ہے یہ حضرت جرہد بن خویلد رضی اللہ عنہ

اصحاب صفہ میں سے ہیں۔

مذاہب ائمہ

اہل ظواہر اور ابن علیہ کے نزدیک فخذ عورت نہیں ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ و مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے جمہور ائمہ اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فخذ عورت ہے، اور یہی امام احمد و مالک کی صحیح روایت ہے، اہل ظواہر دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غزا خیبر ثم حسر الازار عن فخذہ حتی انظر الی بیاض فخذہ'' حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا غزوہ فرمایا پھر ازار کو اپنی ران سے ہٹالیا یہاں تک کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کی سفیدی کو دیکھ رہا تھا (رواہ البخاری)'' جمہور دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت جرہد کی حدیث سے کہ آپ نے فرمایا ''اما علمت ان الفخذ عورۃ'' کیا تم نہیں جانتے کہ ران ستر ہے۔ (رواہ ترمذی) دوسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکورہ ہے، آپ نے ''لا تبرز فخذك'' فرمایا، تیسری حدیث محمد جحش کی حدیث ہے ''قال مر رسول اللہ صلی اللہ علی معمر و فخذاہ مکشوفتان فقال یا معمر غط فخذك فان الفخذین عورۃ'' حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حضرت معمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، جب کہ آپ کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے معمر! اپنی رانیں ڈھک لو، اس لئے کہ رانیں ستر ہیں۔ رواہ فی شرح السنۃ''

اہل ظواہر: نے انس کی حدیث سے جو دلیل پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لڑائی و جنگ کا موقع اور لوگوں کا ازدہام تھا غیر اختیاری طور پر کھل گیا تھا، اس سے فخذ کے عدم عورت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ (درس مشکوۃ: ۱۰/ ۳، التعلیق: ۱۲/ ۴)

زندہ اور مردہ کا ستر ایک جیسا ہے

{۲۹۷۹} **وَعَنْ** عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ لَا تُبْرِزْ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرْ فَخِذَ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ۔ (رواہ ابوداؤدوابن ماجه)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۴۴۸/۲، باب ستر المیت، عند الغسله، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۳۱۴۰، ابن ماجه ۱۰۵، باب ما جاء فی غسل المیت، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۴۶۰۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اے علی! اپنی ران لوگوں کے سامنے مت کھولنا، اور کسی زندہ یا مردہ کی ران مت دیکھنا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو اپنی ران کسی کے سامنے کھولنا چاہئے اور نہ کسی دوسرے کی ران کھلی ہو تو اس پر نظر ڈالنا چاہئے، یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ستر کے معاملہ میں زندہ اور مردہ یکساں ہیں، زندہ لوگوں کے جو اعضاء ستر ہیں وہی مردہ کے بھی ہیں اور جس طرح زندہ کے اعضاء ستر کا دیکھنا حرام ہے اسی طرح مردہ کے اعضاء ستر پر نظر ڈالنا حرام ہے۔

لا میت: میت کی ران بھی اعضاء ستر میں سے ہے، اسی سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ لینا چاہئے کہ اس کے اعضائے ستر پر ننگا ہاتھ مس نہ ہو، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کو نہلاتے وقت ستر میت کا اہتمام لازم ہے۔ میت کے ستر کے حصہ پر موٹا کپڑا اور وہ بھی رنگین ڈال لینا چاہئے۔

ران ڈھانکنے کی تاکید

{۲۹۸۰} **وَعَنْ** مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَعْمَرٍ وَ فَخِذَاهُ مَكْشُوْفَتَانِ، قَالَ: يَا مَعْمَرُ غَطِّ فَخِذَيْكَ فَإِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ۔ (رواہ فی شرح السنة)

حوالہ: شرح السنة: باب النهی عن مباشرة المرأة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۵۱۔

ترجمہ: حضرت محمد بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذر ہوا، معمر رضی اللہ عنہ کی رانیں کھلی ہوئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ معمر رانیں ڈھانک لو، بلاشبہ رانیں ستر میں داخل ہیں۔ (شرح السنہ)

تشریح: ستر عورت ہر حال میں واجب ہے، اور چوں کہ ران ستر میں داخل ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ڈھانکنے اور اس کو مستور رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

معمر: یہ معمر بن عبداللہ القرشی العدوی ہیں، اور قدیم الاسلام ہیں، ''غط'' یعنی ران ڈھانک لو، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ ران ستر نہیں ہے، یہ حدیث بھی ان کے خلاف حجت ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۵۸)

تنہائی میں ستر کھولنے کی ممانعت

{۲۹۸۱} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَالتَّعَرِّیَ فَاِنَّ مَعَکُمْ مَنْ لَا یُفَارِقُکُمْ اِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِیْنَ یُفْضِیْ الرَّجُلُ اِلٰی اَھْلِہٖ فَاسْتَحْیُوْھُمْ وَاَکْرِمُوْھُمْ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۰۷، باب ماجاء فی الاستتار عند الجماع، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۲۸۰۰۔

حل لغات: افضیٰ الی فلان: کسی کے پاس پہنچنا، افضی الی المرأۃ: عورت سے خلوت کرنا، **الغائط:** کشادہ، نشیبی زمین، پاخانہ، کنایہ پاخانہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ننگے ہونے سے بچتے رہو، کیوں کہ تمہارے ساتھ وہ بھی رہتے ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے، سوائے قضائے حاجت کے وقت اور اس وقت جب کہ آدمی اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے، لہٰذا تم ان لوگوں سے حیا کرو اور ان کا احترام کرو۔ (ترمذی)

تشریح: لوگوں کے درمیان تو ستر کا ڈھانکنا ضروری ہے ہی تنہائی میں بھی اعضاء ستر کو مستور رکھنا چاہئے، کیوں کہ تنہائی میں اللہ اور اس کے فرشتوں سے حیا اس بات کی داعی ہے کہ آدمی ننگا نہ ہو، البتہ جہاں ستر کھولنا مجبوری ہے، مثلاً قضائے حاجت یا بیوی سے صحبت کے وقت تو وہاں ستر کھولنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ایاکم والتعری: مطلب یہ ہے کہ اعضاء ستر کھولنے سے گریز کرو، "فان معکم لا یفارقکم" مراد وہ فرشتے ہیں جن کو "حفظه" اور کراماً کاتبین کہا جاتا ہے، "فاستحیوهم" ستر عورت ڈھک کر اور بے حیائی سے اجتناب کر کے ان کی تعظیم وتکریم کرو، معلوم ہوا کہ تنہائی میں بھی بلا ضرورت کشف عورت جائز نہیں ہے۔

ابو داؤد شریف کی رایت میں ہے کہ ایک صاحب کھلی جگہ میں بغیر ازار کے غسل کر رہے تھے، آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ حیادار اور شرم کرنے والے ہیں اور دوسرے سے بھی حیا اور پردہ کو پسند کرتے ہیں، لہٰذا تم میں سے جو بھی غسل کرے اس کو پردہ کرنا چاہئے،، بذل المجہود میں لکھا ہے کہ اگر غسل لوگوں کے سامنے کر رہا ہے تب تو ستر واجب ہے ہی اگر خلوت اور تنہائی میں ہو تو بھی اس وقت مستحب ہے، ابو داؤد ہی میں روایت ہے جس میں ایک صاحب نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ "یارسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان احدنا خالیا" یعنی جب ہم تنہائی میں ہوں تو بھی ستر کو ڈھانک لیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "الله احق ان یستحی من الناس" اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہیں انسانوں کے بہ نسبت کہ ان سے شرم کی جائے، حضرت شیخ سہارنپوری قدس سرہ نے لکھا ہے کہ شامی میں خلوت کی حالت میں ستر کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ (مستفاد از الدر المنضود: ۶/۱۴۸)

تنبیه: آج ہم لوگوں سے جہاں بہت سے امور میں غفلت ہے، وہاں ہم اس عظیم فرمان سے بھی غفلت کا شکار ہیں، تنہائی میں بے لباس ہو جانا ہمارے نزدیک غلط بات ہے ہی نہیں، اور اللہ اور اس کے فرشتوں سے شرم سے متعلق ہمارے ذہن خالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو حیادار بنائے، اور حیاء کی قیمت وقدر سمجھنے کی سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

کیا عورت مرد کو دیکھ سکتی؟

{۲۹۸۲} **وَعَنْ** اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَيْمُوْنَةَ إِذَا اَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلَيْسَ هُوَ اَعْمٰى لَا يَبْصُرُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تَبْصُرَانِ تُبْصِرَانِهِ. (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۲۰۶/۶، ابو داؤد شریف: ۵۶۸/۲، باب فی قولہ عزوجل قل للمؤمنات الخ، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۱۱۲، ترمذی شریف: ۱۰۶/۲، باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجل، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۲۷۷۸۔

حل لغات: اقبل: آنا، دخل علیہ فی المکان کسی کے پاس پہنچنا، کسی سے اس کی جگہ پر ملاقات کرنا۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں کہ اچانک حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا: کہ ان سے پردہ کرلو، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ وہ ہمیں دیکھ نہیں سکتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کیا تم دونوں اندھی ہو؟ کیا تم دونوں ان کو دیکھ نہیں رہی ہو؟ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَيْمُوْنَةَ: میمونۃ کی ضمیر مستتر پر عطف کی وجہ سے مرفوع اور اسم ان پر عطف کی وجہ سے منصوب اور "رسول اللہ" پر عطف کی وجہ سے مجرور تینوں اعراب صحیح ہیں، علامہ طیبی نے فرمایا کہ ان پر عطف کر کے منصوب پڑھنا زیادہ بہتر ہے تاکہ یہ سمجھا سکے کہ آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا انہیں کے گھر تشریف لائیں تھیں، اور یہ اسلئے ہے کہ معطوف کا مؤخر ہونا اور

درمیان میں فصل واقع کرنا پہلے کے اصل اور دوسرے کے تابع ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اسم ان پر عطف کرنے سے یہ شکل حاصل ہوتی ہے، یہ ایسے ہے ہی جیسے قرآن پاک میں فرمایا گیا: "واذا یرفع ابراهیم القواعد من البیت واسماعیل" اور اس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیاد اٹھا رہے تھے اور اسماعیل علیہ السلام بھی یہاں واقعہ یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اصل تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے تابع، یہاں ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کے درمیان فصل اسی لئے واقع کیا گیا ہے تاکہ حضرت اسماعیل کی تابعیت ثابت ہو جائے اور اگر بغیر فصل کے لاتے تو رفع میں شرکت کا وہم ہوتا۔ "اقبل ابن ام مکتوم" یہ وہی نابینا صحابی ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت "ان جاء ہ الاعمی" نازل ہوئی "فدخل علیه، ای علی رسول الله صلی الله علیه وسلم" (قاری) فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم احتجبا منه" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: "فقلت یارسول الله" میں نے عرض کیا: "یارسول الله الیس هو اعمی" کیا وہ نابینا نہیں ہیں، "لا یبصرنا" وہ ہم کو دیکھ نہیں رہے "فقال رسول الله علیه وسلم افعمیا وان انتما؟" کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ "الستما تبصرانه" کیا تم دونوں ان کو دیکھ نہیں رہی ہو؟

فائدہ: (۱) معلوم ہوا کہ جس طرح مردوں کے لئے نامحرم عورتوں کو دیکھنے کی اجازت نہیں اسی طرح عورتوں کو بھی نامحروم مردوں کو دیکھنے کی اجازت نہیں انتہاء یہ ہے کہ نابینا مردوں کو دیکھنے کی بھی اجازت نہیں۔

فائدہ: (۲) جو لوگ کہتے ہیں کہ ہماری تو پاک نظر ہے پاک نظر سے دیکھتے ہیں ان کی کوتاہی کا بھی علم ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ کیسی ہی پاک نظر ہو تب بھی نامحرم کو دیکھنے کی اجازت نہیں حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے زیادہ پاک نظر کس کی ہو سکتی ہے، وہ بھی اس وقت جبکہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت میں موجود ہیں اور نامحرم بھی جلیل القدر صحابی ہیں اور وہ بھی نابینا کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ ہی نہیں مگر اس کے باوجود نامحرم کو دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی تو اور کسی کے لئے کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔ فقط۔

اللہ تعالیٰ حیا کا زیادہ حقدار ہے

{۲۹۸۳} **وَعَنْ** بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلاَّ مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ، قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اَفَرَاَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا؟ قَالَ فَاللهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰ مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۵۵۷، باب ماجاء فی التعری، کتاب اللباس، حدیث نمبر: ۴۰۱۷، ترمذی شریف: ۲/۱۰۵، باب ما جاء فی العورۃ، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۲۷۹۴، ابن ماجہ شریف: ۱۳۸، باب التستر عند الجماع، کتاب النکاح۔

ترجمہ: حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ بہز کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تم اپنا ستر چھپائے رکھو، سوائے اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے، صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا فرماتے ہیں اس صورت کے متعلق جب کہ آدمی تنہا ہو؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ ان سے شرم کی جائے۔ (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اعضاء ستر کو مستور رکھنا چاہئے بلا کسی ضرورت شرعیہ کے اعضاء ستر کو کھولنا کھلی ہوئی بے حیائی ہے، جلوت میں تو ستر پوشیدہ رکھنا واجب ہے ہی، خلوت میں بھی اس کی تاکید ہے، خلوت میں اگر چہ کوئی موجود نہیں رہتا لیکن ذات باری تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے اس بے شرمی سے بچنا چاہئے، بیوی اور باندی کے سامنے بے ستر ہونا جائز ہے اور ان کیلئے اعضاء ستر کا دیکھنا بھی جائز ہے۔

الا من زوجتک او ماملکت الخ: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ملک اور نکاح جانبین سے شرم گاہ کو دیکھنے کو مباح کر دیتے ہیں اور حدیث اللہ تعالیٰ کے فرمان "والذین لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین" اور جو اپنی شرمگاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور ان باندیوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی

ہوں کیونکہ ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں ہے، سے مستنبط ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۶۰) مگر غلام اپنی سیدہ کے ستر کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ وہ سیدہ کا محرم نہیں ہے۔

اجنبیہ کے ساتھ تنہائی کی ممانعت

{۲۹۸۴} **وَعَنْ** عُمَرَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِاِمْرَأَةٍ اِلَّا کَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّیْطَانُ۔ (راہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۲۱، باب ماجاء فی کراھیة الدخول علی المغیبات، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۷۱۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب بھی کوئی مرد تنہائی میں کسی عورت کے ساتھ یکجا ہوتا ہے تو وہاں ان میں کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (ترمذی)

تشریح: اجنبی مرد و عورت تنہائی میں قطعاً یکجا نہ ہوں، اس لئے کہ جہاں کہیں یہ صورت حال پیش آتی ہے، تو شیطان پورا زور لگا کر ان کے شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے، اور پھر ان دونوں کا بدکاری سے بچ جانا، بہت دشوار ہو جاتا ہے، لہٰذا فتنہ میں پڑنے سے بچنے کا آسان ذریعہ یہی ہے کہ اجنبی مرد و عورت تنہائی میں یکجا نہ ہوں۔

الا کان ثالثهما الشیطان: مطلب یہ ہے کہ مرد و عورت تنہائی میں یکجا ہوتے ہیں تو شیطان تیسرے نفر کی شکل میں موجود ہوتا ہے، یہ ہر ایک کو دوسرے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور دونوں کی شہوانی جذبات کو بھڑکا کر گناہ پر آمادہ کرتا ہے، اور بظاہر گناہ سے رکنے کا کوئی خارجی سبب موجود نہیں ہوتا، لہٰذا بہت جلد گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۶/۲۶۱)

مغیبات کے پاس جانے کی ممانعت

{۲۹۸۵} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ لاَ تَلِجُوْا عَلٰی الْمُغِيْبَاتِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِیْ مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَی الدَّمِ قُلْنَا وَمِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَمِنِّی لٰكِنَّ اللهَ اَعَانَنِیْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ۔ (رواه الترمذی)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۲۲، باب ماجاء فی کراهیة الدخول علی المغیبات، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۷۹۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جن کے شوہر موجود نہ ہوں ان عورتوں کے پاس مت جایا کرو، بے شک شیطان تم میں سے ہر ایک کی خون کی رگوں میں دوڑتا ہے، صحابہ نے عرض کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بھی، لیکن اللہ تعالیٰ شیطان کے مقابلے میں میری مدد کرتے ہیں چنانچہ میں محفوظ رہتا ہوں۔ (ترمذی)

تشریح: جس عورت کا شوہر طویل عرصہ سے گھر میں موجود نہ ہو، اس کے پاس ہرگز نہ جانا چاہئے اس لئے کہ اس کے جذبات بھڑک سکتے ہیں، اور دونوں لوگ فتنہ میں پڑ سکتے ہیں، حدیث باب میں اس باب کا بھی بیان ہے کہ شیطان نہایت ہی سرعت کے ساتھ انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے، اس کو زیادہ وقت نہیں لگتا ہے۔

لا تلجوا علی المغیبات: "مغیبات" مغیبۃ، کی جمع ہے، غائب کرنے والی، یعنی وہ عورت جس کا شوہر عرصہ سے سفر وغیرہ کی بناء پر اس سے دور ہو، اس عورت کی طبیعت میں کافی جوش ہوتا ہے، لہٰذا مرد کا تنہائی میں قطعاً اس سے اختلاط نہ ہونا چاہئے، "فان الشیطان" صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے خون تمہاری رگوں میں دوڑتا ہے اور تمہیں نظر نہیں آتا ہے، ایسے ہی شیطان تمہارے اوپر چھایا رہتا ہے، تم سے اپنے پسند کے کام کرواتا ہے لیکن تم سمجھ نہیں پاتے ہو۔ (التعلیق: ۴/۱۴)

محدث عصر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری زید مجدہم فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں سرعت تاثیر کی تمثیل ہے، حقیقت کا بیان نہیں ہے اس لئے کہ شیطان کو یہ طاقت نہیں دی ہے کہ وہ انسان کے بدن میں داخل ہو سکے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "یتخبطه الشیطان من المس" شیطان چھو کر خبطی

بنا تا ہے، یعنی باہر سے اثر انداز ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ حدیث میں سرعت تاثیر کی تمثیل ہے کہ شیطان چٹکی بجا کر انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے، اور جس طرح رگوں میں لگنے والا انجکشن فوراً اثر کرتا ہے، اسی طرح شیطان بھی انسان کو بہت جلد متاثر کرتا ہے ۔ (تحفۃ الالمعی : ۶۱۲ / ۳)

قال ومنی: آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی شیطان لگا رہتا ہے، اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انبیاء علیہم السلام کے اندر گناہ کی صلاحیت ہوتی ہے چونکہ وہ بھی بشر ہی ہوتے ہیں اس کے باوجود وہ بشری کمزوریوں سے اللہ تعالیٰ کے فضل کی بنا پر محفوظ رہتے ہیں ۔ اور ان کے معصوم ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی بشری کمزوری کا صدور ان سے نہیں ہوتا ۔ اسلم : ماضی کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے اور مضارع کا بھی، مضارع کا صیغہ ہو تو مطلب یہ ہے کہ شیطان کے شر سے میں محفوظ ہوں، اور ماضی کا صیغہ ہو تو مطلب یہ ہے کہ شیطان میرے حق میں تابع و مغلوب ہو گیا ہے ۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کی حقیقت

اس حدیث سے عصمت انبیاء کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ، انبیاء علیہم السلام میں گناہوں کی تمام صلاحیتیں ہوتی ہیں مگر بشری کمزوریوں سے وہ محفوظ ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں ۔ (تحفۃ الالمعی : ۶۱۲ / ۳)

غلام مالکہ کے حق میں اجنبی مرد کے حکم میں ہے

{۲۹۸۶} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتٰی فَاطِمَۃَ بِعَبْدٍ قَدْ وَهَبَهٗ لَهَا وَعَلٰی فَاطِمَۃَ ثَوْبٌ اِذَا قَنَّعَتْ بِهٖ رَأْسَهَا لَمْ يَبْلُغْ رِجْلَيْهَا وَاِذَا غَطَّتْ بِهٖ رِجْلَيْهَا لَمْ يَبْلُغْ رَأْسَهَا فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا تَلْقٰى قَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ عَلَيْكِ بَأْسٌ اِنَّمَا هُوَ اَبُوْكِ وَغُلَامُكِ۔

(رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/ ۵۶۷، باب فی العبد ینظر الی شعر مولاتہ، کتاب

اللباس، حدیث نمبر: ٦ ۱۰ ۴۔

حل لغات: قنع امراۃ: عورت کو دوپٹہ اوڑھانا،لقیہ: واسطہ پڑنا کسی سے ملاقات ہونا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلام لے کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ غلام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا، اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جسم پر ایک کپڑا تھا، اس کے ذریعہ سے اگر سر کو چھپاتیں تو پیروں تک نہیں پہنچتا تھا، اور اگر پیروں کو چھپاتیں تو سر تک نہ پہنچتا تھا، جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اس دشواری کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تمہارے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہاں تمہارے باپ اور غلام ہی ہیں۔ (ابو داوٗد)

تشریح: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک فرد کے ہونے کی وجہ سے چادر سے اپنے کو پورے طور پر ڈھانک کر پردہ کرنا چاہ رہی تھی لیکن چادر تنگ پڑ رہی تھی جس سے ان کو سخت کلفت ہو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ڈھانکنے کی فکر کیوں کر رہی ہو؟ اس وقت گھر میں تیرا باپ اور تیرا غلام ہی ہے۔

انما ہو ابوک و غلامک: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ کہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کا غلام محرمیت اعتبار سے اس کے باپ کے درجہ میں ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم "انما انا و غلامك" فرماتے تو یہ معنی حاصل نہ ہوتے۔

غلام سے پردہ ہے یا نہیں

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام اپنی مالکہ کے لئے اجنبی کے مانند ہے، لہٰذا اس سے پردہ لازم ہے۔

دلیل: "او ماملکت ایمانھن" عورتوں کے مملوک سے پردہ نہیں ہے، اس کی تفسیر ہے "انما عنی به الاماء دون العبد" (ابن ابی شیبه) معلوم ہوا کہ مالکہ کا باندی سے پردہ نہیں ہے، لیکن غلاموں سے پردہ ہے، غلام سیدہ کا محرم کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ اس کو آزاد کر کے مالکہ اس سے نکاح کر سکتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ **کا مذہب:** شوافع کے نزدیک غلام مالکہ کا محرم ہے، لہٰذا اس سے پردہ لازم نہیں ہے۔

دلیل: حدیث باب ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ غلام سیدہ کے لئے محرم ہے، اور اس سے پردہ لازم نہیں ہے۔

جواب: یہ غلام چھوٹا بچہ تھا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کرنے کی مشقت برداشت کرنے سے منع کر دیا تھا، یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتجاب مفرط سے روکا تھا، نفس حجاب سے نہیں روکا تھا، چوں کہ غلام کی آمد و رفت کی وجہ سے اس سے احتجاب مفرط ممکن نہیں ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روک دیا تھا۔ (مرقاۃ: ۶/۲۶۱، التعلیق: ۴/۱۴)

{الفصل الثالث}

عورتوں کے پاس مخنث کے آنے کی ممانعت

{۲۹۸۷} **وَعَنْ** اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا وَفِي الْبَيْتِ مُخَنَّثٌ فَقَالَ لِعَبْدِ اللهِ ابْنِ اَبِي اُمَيَّةَ اَخِي اُمِّ سَلَمَةَ يَا عَبْدَ اللهِ اِنْ فَتَحَ اللهُ لَكُمْ غَدًا الطَّائِفَ فَاِنِّي اَدُلُّكَ عَلَى ابْنَةِ غَيْلَانَ فَاِنَّهَا تُقْبِلُ بِاَرْبَعٍ وَ تُدْبِرُ بِثَمَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۶۱۹ باب غزوۃ الطائف، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۳۲۴، مسلم شریف: ۲/۲۱۸، باب منع المخنث من الدخول الخ، کتاب السلام، حدیث نمبر: ۲۱۸۰۔

حل لغات: دل علیہ: (ن) بتانا، کسی بات کی رہنمائی کرنا، اطلاع دینا۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف فرما تھے، اور گھر میں ایک مخنث بھی حاضر تھا، اس مخنث نے ام سلمہ کے بھائی عبداللہ بن ابوامیہ سے کہا اے عبداللہ! اگر اللہ نے تمہارے لئے طائف کو فتح کر دیا تو میں غیلان کی بیٹی کی طرف تمہاری رہنمائی کروں گا، جو کہ چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات سن کر فرمایا کہ آئندہ کبھی یہ مخنث تم لوگوں کے پاس نہ آئیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: وفی البیت مخنث: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں مخنث موجود تھا، "مخنث" نون کے کسرہ کے ساتھ، زیادہ فصیح ہے، لیکن زیادہ مشہور نون کے فتحہ کے ساتھ ہے، ابن عیینہ اور ابن جریج نے اس مخنث کا نام "ھیئت" بتایا ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کا نام "ماتع" تھا، اور اس کا لقب "ھیئت" تھا۔ (فتح الباری: ۱۱/۲۹۳)

فقال لعبد اللہ بن امیۃ: عبداللہ ابن امیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی پھوپھی زاد بھائی تھے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب کے بیٹے تھے، ہیجڑے نے عبداللہ بن امیہ سے غزوہ طائف کے موقع پر کہا کہ اگر اللہ طائف میں فتح دے گا، تو میں غیلان کی بیٹی کی طرف تمہاری رہنمائی کروں گا۔ "فانھا تقبل باربع" چوں کہ عرب والوں کو فربہ عورتیں پسند تھیں، لہٰذا لالچ پیدا کرنے کی غرض سے اس کے موٹاپے کا ذکر کیا ہے، مطلب یہ تھا کہ جب وہ سامنے سے چل کر آتی ہے تو موٹاپے کی وجہ سے چار بل نظر آتے ہیں، اور وہ چاروں بل دونوں طرف کروٹ میں بھی پہنچ جاتے ہیں، لہٰذا جب وہ واپس جاتی ہے تو پشت سے آٹھ بل نظر آتے ہیں، چار ایک طرف اور چار دوسری طرف فتح الباری میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہی بات تقریباً ایک ہیجڑ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: کہ "لا اری ھذا الخبیث یفطن لما اسمع" میں اس کے منہ سے جس قسم کی باتیں سن رہا ہوں میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس طرح کی باتیں سمجھتا ہے، ظاہر بات ہے کہ ام المؤمنین بھی یہی سمجھتی تھیں کہ یہ لوگ جنسی رجحانات سے لابلد ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا مخنث سے پردہ نہ تھا لیکن جب اس قسم کا معاملہ سامنے آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "لا یدخلن ھذا علیکم" مخنث تم لوگوں کے پاس نہ آئیں۔ (فتح الباری: ۱۱/۲۹۳)

005

اتفاق کی بات یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن امیہ اسی محاصرہ طائف میں دشمنوں کے تیر سے شہید ہو گئے تھے، اور جس مخنث کا حدیث میں ذکر ہے اس کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا، اور مدینہ طیبہ سے باہر "حمی" نامی چراگاہ میں یہ رہتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بوڑھا ہو گیا تھا تو انہوں نے اس کو پھر مدینہ طیبہ میں آنے کی اجازت دیدی تھی، کہ وہ جمعہ کے دن مدینہ آیا کرے۔ (عمدۃ القاری)

مخنث کی وضاحت: مخنث کہتے ہیں کہ جس کے اعضاء میں عورتوں کی مشابہت ہوتی ہے، اور حقیقت میں وہ مرد ہوتا ہے اس کے اندر عورتوں جیسی نرمی اور لچک ہوتی ہے، یہ لچک کبھی پیدائشی ہوتی ہے، لہٰذا یہ تو قابل مذمت نہیں ہے، کیونکہ یہ معذور ہے اور کبھی یہ مشابہت بتکلف اختیار کی جاتی ہے، جیسے کہ آج کل کے خود ساختہ ہیجڑے، ایسے ہیجڑے ملعون ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "اشتد غضب اللہ علی قوم رغبوا عن خلق اللہ وتشبھوا بالنساء" اللہ تعالیٰ ایسی قوم پر سخت ناراض ہوتے ہیں کہ جو اللہ کے تخلیق کردہ صورت سے اعراض کرتے ہیں، اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ (حوالہ بالا)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: "لعن اللہ المتشبھات من النساء بالرجال والمتشبھین من الرجال بالنساء" اللہ تعالیٰ لعنت کرے ان عورتوں پر جو مردوں کی شکل وصورت اختیار کرتی ہیں، اور اللہ کی لعنت ہو ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جس طرح مخنث کے لئے ممانعت ثابت ہوئی اسی طرح اس حدیث سے خصی اور مجبوب کے لئے بھی ممانعت معلوم ہوئی، یعنی ان سب سے عورتوں کو پردہ کرنا چاہئے خصی اس مرد کو کہتے ہیں کہ جس کے فوطے نکال کر یا کوٹ کر اس کی جنسی خواہش ختم کر دی گئی ہو، اور مجبوب اس مرد کو کہتے کہیں کہ جس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہے۔ (طیبی: ۶/۲۶۵)

برہنہ ہونے کی ممانعت

{۲۹۸۸} **وَعَنِ** الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ حَمَلْتُ حَجَرًا ثَقِيْلًا فَبَيْنَا اَمْشِيْ سَقَطَ عَنِّيْ ثَوْبِيْ فَلَمْ اَسْتَطِعْ اَخْذَهٗ فَرَاٰنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ خُذْ عَلَيْكَ وَلَا تَمْشُوْا عُرَاةً۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۵۴، باب الاعتناء بحفظ العورۃ، کتاب الحیض، حدیث نمبر: ۳۴۱۔

حل لغات: حمل الشیء علی ظھرہ: (ض) اٹھانا، الثقل: وزنی، بھاری، بوجھل، اخذ الشیئ: (ن) لینا، پانا، حاصل کرنا۔

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک بڑا پتھر اٹھایا اور اس کو لے کر چل رہا تھا کہ اچانک میرا کپڑا بدن سے سرک گیا، اور اس کو روک نہ سکا چنانچہ میرا ستر کھل گیا، اچانک حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میرے اوپر پڑگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا کپڑا اپنے اوپر لے لو، اور ننگے مت چلو۔ (مسلم)

تشریح: ستر کھولنے کی مختلف احادیث میں ممانعت آئی ہے، اگر بے خیالی میں یا بغیر قصد وارادہ کے ستر کھل جائے تو فوراً اس کو ڈھانک لینا چاہئے، اور ننگا ہونا تو ہر حال میں ممنوع ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ایاکم والتعری" ننگے ہونے سے بچو، لیکن ننگے ہو کر چلنا یہ نہایت سنگین بے حیائی ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر اس بات کی ہدایت کی کہ ننگے ہو کر مت چلو، جہاں تک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو ان کا عمل غیر دانستہ تھا۔

عن المسور: میم کو کسرہ اور سین ساکن ہے، "ابن مخرمہ" میم مفتوح خاء ساکن راء کو فتحہ ہے، مسور کی کنیت ابو عبد الرحمن زہری قرشی ہے یہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں، ہجرت کے دو سال بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ میں ۸ رہجری میں آئے، جب کہ ان کی عمر تقریبا چھ سال تھی یہ آٹھ سال کے تھے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت ہوگئی تو یہ پھر مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں مستقل مقیم رہے یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور یزید کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا اور بیعت نہیں کی یہاں تک کہ یزید نے اپنا لشکر مکہ معظمہ بھیجا اور مکہ معظمہ کا محاصرہ کرلیا اور اس وقت حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں ہی تھے اسی محاصرہ کے درمیان منجنیق سے پھینکا ہوا پتھر اس حالت میں ان کو لگا کہ یہ نماز پڑھ رہے تھے اسی پتھر کی ضرب سے وہ شہید ہوگئے، یہ ربیع الاول ۶۴ھ کا واقعہ ہے، ان سے بہت لوگوں نے حدیث

005

کی روایت کی ہے، "قال حملت حجرا ثقیلا" میں نے ایک بڑا پتھر اٹھالیا "فبینا انا امشی سقط عنی ثوبی" میں پتھر لئے چل رہا تھا کہ اسی درمیان میرا کپڑا یعنی تہبند کھل کر گرگیا اور میری ستر کھل گئی "فلم استطع اخذہ" پتھر کے بوجھل ہونے کی وجہ سے میں تہبند کو اٹھا کر باندھ نہ سکا "فر آنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک مجھ پر پڑگئی کہ میں ننگا ہوں، "فقال لی خذ علیک ثوبک" اپنے آپ کی ستر کو چھپانے کے لئے اپنی تہبند کو لیکر باندھ لو، "ولا تمشو عراۃ" اس کے بعد فرمایا: کہ تم لوگ برہنہ جسم مت چلا کرو، "عراۃ" عار کی جمع ہے جیسے "قاض" کی جمع "قضاۃ" ہے اور ننگے مت چلا کرو فرمایا حالانکہ ننگا رہنا تو ہر حالت میں ممنوع ہے لیکن ننگے چلنا اقبح ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ (مرقاۃ: ۲۶۳/۶، انوار المصابیح: ۵۰/۶)

کمال حیاء

{۲۹۸۹} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہاَ قَالَتْ ماَ نَظَرْتُ اَوْ مَا رَأَیْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَطُّ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حوالہ: ابن ماجہ شریف: ۱۳۸، باب التستر عند الجماع، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۹۲۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر کی طرف کبھی نگاہ نہیں اٹھائی، یا آپ نے فرمایا: کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر کو نہیں دیکھا۔ (ابن ماجہ)

تشریح: میاں بیوی کا کسی بھی عضو میں ایک دوسرے سے پردہ نہیں ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، "احفظ عورتك الا من زوجتك الخ" معلوم ہوا کہ بیوی سے ستر ضروری نہیں ہے؛ لیکن سلیقہ مند اور اعلیٰ درجہ کی حیاء یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ستر کو نہ دیکھیں، اسی طرح ننگے ہو کر صحبت نہ کریں۔ کپڑا وغیرہ جسم پر ڈال لینا بہتر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں سے بھی حیاء کا لحاظ ہو جائے گا، "اومارأیت" راوی کو شک ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یا تو "نظرت" فرمایا، یا پھر "رأیت" فرمایا دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

عبادت کا مزہ پانے والا

{۲۹۹۰} **وَعَنْ** اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَنْظُرُ اِلٰی مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ یَغُضُّ بَصَرَهٗ اِلَّا اَحْدَثَ اللّٰهُ لَهٗ عِبَادَةً یَجِدُ حَلَاوَتَهَا ۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۲۶۴۔

حل لغات: محاسن: جمع ہے، الحسن، کی، جمال: حسن، خوبصورتی، غض: (ن) پست کرنا، نیچا کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص کی نظر پہلی مرتبہ کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑے پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کرلے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے ایسی عبادت مقرر فرما دیتے ہیں جس کی حلاوت وہ پاتا ہے۔ (احمد)

تشریح: کسی بھی چیز کو دیکھنا اور اس سے فرحت محسوس کرنا انسانی طبیعت کا خاصہ ہے، اسی بنا پر نفس حسین عورتوں کو دیکھ کر لذت محسوس کرتا ہے، شریعت نے حکم دے رکھا ہے کہ اجنبیوں پر نگاہ مت ڈالو، اگر بغیر قصد کے نگاہ پڑ جائے تو فوراً نگاہ پھیر لو حسین لڑکی پر سے نگاہ پھیرنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے، لیکن جو شخص رضائے الٰہی کی خاطر اس مشقت کو برداشت کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں ایسی نیکی سے نوازیں گے جس کی بنا پر دل و دماغ اور قلب و جگر سب کو لذت و راحت میسر آئے گی۔

ثم یغض بصرہ: پہلی نگاہ جو اچانک پڑ جائے وہ معاف ہے لیکن نگاہ پڑتے ہی جھکا لینا چاہئے، پہلی نظر کو دیر تک ٹھہرائے رکھنا دوسری نظر کے حکم میں ہے، "یجد حلاوتها" یہ نظر پھیر لینے کا فائدہ ہے، "فان لك الاولیٰ" پہلی نظر تمہارے لئے ہے، اس سے معلوم ہو رہا تھا کہ اگر نظر پڑتے ہی ہٹا لی جائے تو فائدہ ہوگا، کیونکہ "لام" فائدہ بتانے کیلئے استعمال ہوتا ہے، اس حدیث میں اسی فائدہ کی صراحت ہے، کہ اللہ تعالیٰ ایسی طاعت کی توفیق دیتا ہے کہ جس سے دل و دماغ سب مسرور ہو جاتے ہیں، اسی لئے کہا گیا ہے کہ "ان من جزاء الحسنة الحسنة بعدها وان من جزاء السیئة السیئة بعدها"

نیکی کا پہلا ثمرہ یہ ہے کہ دوسری نیکی کی توفیق ملتی ہے، اور برائی کی پہلی سزا یہ ہے کہ اس کے بعد پھر برائی سرزد ہوتی ہے۔

ممنوع چیز کو دیکھنے پر لعنت

{۲۹۹۱} **وَعَنْ** الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ بَلَغَنِي اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللهُ النَّاظِرَ وَ الْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ ۔ (رواه فی شعب الایمان)

حواله: بیهقی فی شعب الایمان: ۱٦۲/٦، باب الحیاء، حدیث نمبر: ۷۷۸۸۔

ترجمه: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بطریق ارسال روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ مجھے یہ حدیث پہنچی کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور اس پر جس کو دیکھا گیا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: مرسلاً: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں ظاہر بات ہے کہ انہوں نے یہ حدیث خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو سنی نہ ہوگی یہ حدیث ان تک کسی صحابی کے واسطہ سے ہی پہنچی ہوگی، انہوں نے صحابی کے واسطہ کو ترک کر دیا ہے، لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے، "الناظر" بالقصد وارادہ دیکھنے والا مراد ہے، اس لئے کہ بلا ارادہ اگر نظر اٹھ گئی تو وہ معاف ہے، "**والمنظور الیه**" اس میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جن کا دیکھنا ممنوع ہے، یہاں بھی عذر واضطرار کی حالت مستثنیٰ ہے۔ (مرقاۃ: ٦/۲٦۴)

{باب اعلان النکاح والخطبة والشرط}

اعلان نکاح، خطبہ اور شرائط نکاح کا بیان

اس باب کے تحت بیس روایتیں درج کی گئی ہیں جو اعلان نکاح، خطبہ، شرائط نکاح گانا اور دف بجانا، متعہ، نکاح شغار اور خطبہ علی الخطبہ جیسے احکام پر مشتمل ہیں، اعلان نکاح مسنون و مستحب ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے نکاح کا اعلان کیا کرو نکاح مسجد کے اندر کیا کرو، اور نکاح کے وقت دف بجایا کرو۔ (ترمذی شریف)

زمانہ جاہلیت میں عربوں میں نکاح کے چار طریقے رائج تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک طریقہ کے علاوہ سب کو یکسر ختم فرما دیا، کیونکہ وہ طریقے نہایت گندے اور شرمناک تھے اور نکاح کی تشہیر کرنے کا حکم دیا تا کہ ان نکاحوں سے جو خفیہ کئے جاتے تھے امتیاز ہو جائے اور تشہیر کے طریقے بہت ہیں مثلاً زمانہ جاہلیت میں لوگ نکاح کے موقع پر شور اور ڈفلی بجایا کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ یک گونہ ترغیب دی تا کہ تشہیر کے ساتھ کچھ تفریح کا سامان بھی ہو جائے، اور اگر مسجد میں نماز کے بعد نکاح پڑھا جائے تو مسجد کی برکت بھی حاصل ہوگی اور تشہیر بھی ہو جائے گی چنانچہ حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے اور ولیمہ کرنے سے بھی تشہیر ہوتی ہے اس لئے ولیمہ مسنون کیا گیا۔

نکاح کے چار طریقے

زمانہ جاہلیت کے نکاح کے چار طریقے رائج تھے انکو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بخاری شریف

حدیث نمبر: ۵۱۲۷، میں تفصیل سے بیان کیا ہے وہ چار طریقے یہ تھے۔

(۱)...... ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا زیر ولایت کسی لڑکی کے نکاح کا پیام دیا جاتا پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا اس آدمی سے نکاح کر دیتا، یہی نکاح کا طریقہ صحیح تھا اور اسی کو اسلام نے باقی رکھا ہے۔

(۲)...... جب کسی آدمی کی بیوی حیض سے پاک ہوتی جب کہ رحم میں حمل قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے تو شوہر اپنی بیوی سے کہتا کہ فلاں شخص سے جنسی تعلق قائم کر، پھر حمل ظاہر ہونے تک شوہر اپنی بیوی سے الگ رہتا، جب حمل کے آثار ظاہر ہوتے تو شوہر اپنی بیوی سے صحبت کرتا اور ایسا اسلئے کیا جاتا تھا تاکہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو عرب کے بعض پست قبیلوں میں یہ طریقہ رائج تھا۔

(۳)...... چند آدمی (دس سے کم) ایک عورت کے پاس جاتے اور اس کی رضامندی سے سب اس سے صحبت کرتے پھر اگر عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی تو وہ ان سب آدمیوں کو بلاتی اور کسی کو نامزد کرتی کہ یہ تیرا بچہ ہے اور وہ آدمی انکار نہیں کرسکتا تھا۔ وہ شخص اس عورت کا شوہر اور وہ عورت اس کی بیوی قرار پاتی تھی۔

(۴)...... پیشہ ور قحبہ سے لوگ جنسی تعلق قائم کرتے پھر اگر اس کو حمل رہ جاتا اور وہ بچہ جنتی تو قیافہ شناش بلایا جاتا اور وہ علامات دیکھ کر فیصلہ کرتا کہ یہ بچہ فلاں کا ہے، اور اس کو ماننا پڑتا اور وہ شخص اسکا شوہر سمجھا جاتا تھا، اسلام نے یہ تمام شرمناک طریقے ختم کر دیئے، صرف ایک پاکیزہ طریقہ باقی رکھا جو اب لوگوں میں رائج ہے۔ (مستفاد از تحفۃ الالمعی: ۳/ ۵۰۵)

نکاح کا اعلان

(۱)...... نکاح کا اعلان مستحب ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اعلنوا النکاح" کہ نکاح کو علانیہ کرو اگرچہ دف بجانے سے اعلان ہو۔

(۲)...... دف کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ (۱) بعض نے حرام قرار دیا، (۲) دوسروں نے مطلق طور

پر مکروہ کہا، (۳) بعض نے مباح قرار دیا، صحیح یہ ہے کہ ان تین اوقات میں مباح ہے اور اس کے علاوہ حرام ہے مثلاً عید کے موقع پر، مسافر کی آمد پر، نکاح کے وقت۔

خطبہ: خطبہ اگر خاء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو خطبہ پیغام نکاح بھیجنے کو کہتے ہیں اور اگر خاء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ خطبہ ہوگا جو نکاح کے موقعہ پر پڑھا جاتا ہے، اس باب میں ضمہ خاء والا مراد ہے، صاحب قاموس کے ہاں خطبہ سے مراد ایسا کلام مسجع ہے جو خوبصورت نثر ہو اور وہ حمد، ثناء اور درود شریف وعظ، نصیحت پر مشتمل ہو۔

(۳)... **خطبہ کی حیثیت**

نکاح میں خطبہ سنت ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہر عقد میں خطبہ سنت ہے مثلاً بیع، شراء وغیرہ۔

(۴)... **شرط**

شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں جو نکاح میں ذکر کی جائیں خواہ وہ صحیح ہوں یا فاسد۔

(۵)......گذشتہ سطور میں خطبہ کا جو معنی ذکر کیا گیا ہے وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں خطبہ مطلق ذکر کو کہا جاتا ہے، خواہ وہ ایک مرتبہ تسبیح تحمید یا تکبیر وغیرہ ہو اور صاحبین کے یہاں خطبہ طویل ذکر کو کہا جاتا ہے اور اس کی کم سے کم مقدار تشہد کی بقدر رہے۔ (درمختار)

(۶)......صرف دف اگر نکاح کے موقعہ پر بجایا جائے تو کچھ حرج نہیں، اسی طرح عیدین کے مواقع پر دف بجانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

مجھ کو تحقیق کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق نہیں ہوا تھا اسلئے قول مشہور کی بنا پر جو مذکور علی لسان الجمہور ہے یہ سمجھتا تھا کہ شادی میں دف بجانا جائز ہے، دوسرے باجے ناجائز مگر تھوڑا زمانہ ہوا ایک مضمون شائع ہوا ہے، نظر سے گذرا تب سے متعارف ضرب دف کے جواز میں بھی شبہ ہوگیا اور احتیاطاً ترک اور منع کا

عزم کرلیا تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔(امداد الفتاویٰ ۲/۲۷۹)

(۷)... شیخ الاسلام) کا فرمان:

ہمارے ائمہ کے نزدیک یہ تمام چیزیں مکروہ ہیں اور اجنبی عورت سے صرف اشعار کا سننا اور اسی طرح مرد سے بھی سننا جائز نہیں اور اگر اشعار میں شباب کا تذکرہ عورتوں کے محاسن امردوں کی خوبیاں مذکور ہوں یا کلمات کفر مذکور ہوں وہ بھی حرام ہیں، یعنی صرف اشعار ہوں، دف ساتھ نہ ہو مگر ان اشعار میں خباثت پائی جائے تو اس کا سننا بھی حرام ہے۔

(۸)... بدعات نکاح

باجے گاجے اور مزامیر کا استعمال، کھیل کی اشیاء کٹھ پتلیوں کا ناچ کرانا، زینت کے لئے مکان کی دیواروں کا کپڑوں سے ڈھانپنا، گھوڑے پر سواری بارات لے کر شہر میں بلا ضرورت گھومنا کہ جس کے متعلق یہ ارشاد الٰہی وارد ہے، "ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطراً..." اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے تھے اور دوسروں کو اللہ کے راستہ سے روک رہے تھے، اور اللہ نے لوگوں کے سارے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لیا ہوا ہے۔ (سورہ انفال) گویا یہ ان لوگوں کی مشابہت ہے۔

اسی طرح بارات میں گانے والوں اور گانے والیوں کو شامل کرنا بڑی بے حیائی ہے، اسی طرح دولہا کا ڈھول اور باجے کے ساتھ بارات کا جلوس نکالنا، آتش بازی کرنا جس میں بے جا مال کو اڑانا اور جلانا ہے اور کاغذ کا ضیاع ہے، مردوں کے سامنے عورتوں کی جلوہ نمائی یہ تمام برائی کے کام اور حرام ہیں۔

(۹)... مزید محرمات نکاح

نکاح کی مجلس میں مستور چیزوں کو ظاہر کرنا دکھلاوے کے لئے مختلف اشیاء کا معاینہ کراتے پھرنا دولہا کو ریشمی مسند پر بٹھانا، دولہا کی پگڑی یا قد کو ڈوری سے ناپ کر پھر مسافر اور ٹوٹکے والے کو دینا تاکہ وہ میاں بیوی میں محبت کا ٹوٹکہ کر دے۔سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پینا، یا کھانا کھلانا خاوند اور اس کے رشتہ داروں کی بہت تعریف کرنا، عورت کے قرابت داروں کی حد سے زیادہ تعریف کرنا جو کہ جھوٹ، خوشامدی اور چاپلوسی میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے "یحبون ان

یحمدوا بما لم یفعلوا" یعنی وہ ایسی بات پر تعریف پسند کرتے ہیں جو انہوں نے نہیں کی۔

(۱۰)... **یہ بھی حرام ہے**

کہ دولہا کو ریشم یا زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہنایا جائے نیز یہ شادی اور شادی کے علاوہ پہننا بھی حرام ہے، اسی طرح سر سے پگڑی اتار کر اس کو عورت کے سر پر رکھنا بھی حرام ہے، اسی طرح دولہا کا دلہن کے گرد سات چکر کاٹنا اور اجنبی عورتوں کا دولہا کے سامنے آنا اور اس سے گفتگو کرنا حرام ہے، اسی طرح دولہا کے ناک، کان کو چھونا اور بے حیائی کی باتوں کا اس کے سامنے ذکر کرنا حرام ہے، خاوند کے انگوٹھے کو عورت کے دودھ کے ساتھ دھلانا خاوند کو شکر و چینی کھلانا اور دولہا کو دودھ پلانا یہ سب حرام و ناجائز ہیں۔

اسی طرح مصر کی ڈلی عورت کے بدن پر رکھ کر دولہا کو منہ سے اس کے اٹھانے کے لئے کہنا ناجائز ہے، مرد عورت کی خلوت کے وقت عورتوں کا اس کے مکان کا گھیراؤ کرنا یہ تمام باتیں بدعات قبیحہ اور حرام ہیں ان سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔

(۱۱)......ان بدعات پر مزید روشنی کے لئے قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ نکاح اور سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب علم الہدیٰ کو ملاحظہ کریں۔

سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

نکاح میں کئی مروجہ اشیاء کفر ہیں اور بعض ایسی اشیاء ہیں کہ جن میں کفر کا خطرہ ہے اور بعض ایسی چیزیں ہیں جو بدعت ہیں۔

پس ان رسومات کو اختیار کرنے والا نکاح کرنے کے باوجود علاقہ زوجیت سے محروم رہے گا، ایسا نکاح اہل اسلام کا نہیں اس سے پیدا ہونے والی اولاد کا نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا، بلکہ وہ حرام کی اولاد ہوگی، ایسی رسومات میں سے ایک رسم یہ ہے۔

(۱)......سرسوں اور ہرمل کے چند دانے اور ہلدی، لوہے کا چھلا کپڑے میں باندھ کر دولہا اور دلہن کے ہاتھ پر باندھ دیتے ہیں اسے ہندی میں کنگنا کہتے ہیں اس رسم کو کرنے والا صریح کفر کا مرتکب ہے اور اس کو پسند کرنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔

(۲)...... چھوٹے مٹکے پر پھول باندھے جاتے ہیں پھر صندل پیس کر اس پر لگاتے ہیں یہ آتش پرستوں کی رسومات سے ہونے کی بناء پر ممنوع ہے کہ تشبہ بالکفار ہے۔

(۳)...... دلہن اپنی جلوہ نمائی کرتی ہے جو بہت قباحتوں اور فضیحتوں کا مجموعہ ہے۔

(۴)...... دولہا کے سر پر ماں یا بہن یا عورتیں آنچل ڈالتی ہیں اور دلہن کے سر پر پگڑی رکھتی ہیں، یہ دونوں حرکتیں لعنت کا باعث ہیں کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھٹکار ہو ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے ہیں اور ان عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والیاں ہیں۔

(۵)...... دلہن کا انگوٹھا دودھ یا پانی میں دھو کر دولہا کو پلایا جاتا ہے، یہ آتش پرستوں کی رسومات سے ہے اس میں کفر کا خطرہ ہے۔

(۶)...... مصری کی ڈلیاں دلہن کے بدن پر رکھ کر دولہا کو چننے کے لئے کہنا، یہ فسق ہے، آتش پرستوں کی رسومات میں سے ہے اور چار پایوں سے مشابہت ہے۔

(۷)...... دولہا کا دلہن کے ساتھ پھیرے دینا یہ رسم کفار ہے جس سے کفر کا خطرہ ہے۔

(۸)...... مرد کو عورتیں کاجل لگاتی ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔

(۹)...... عورتیں گاتی، دف بجاتی، رباب، شہنائی بجاتی، اور تالیاں پیٹتی اور ناچ گانا کرتی ہیں یہ بالاتفاق حرام اور کفر کی راہ پر چلنا ہے۔

(۱۰)...... دولہا کے ہولے بند باندھنا بھی حرام ہے۔

(۱۱)...... کاغذ کے پھول اور کئی چیزیں بنائی جاتی ہیں جو کہ کاغذ کا ضیاع ہے، یہ لوگ قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

(۱۲)...... دولہا کے سر پر پھولوں کی پٹی باندھنا بدعت ہے اور آتش پرستوں کا طریقہ ہے۔

(۱۳)...... مردوں کو چاندی کا زیور اور عورتوں کا لباس پہنانا بدعت سیئہ ہے، (مختلف علاقوں میں مختلف رسومات قبیحہ مروج ہیں کچھ پرانی مٹ کر نئی اس کی جگہ پکڑ رہی ہیں اس قسم کی چیزیں جو سابقہ دور میں تھیں یا نئی رائج ہوئیں وہ درجہ بدرجہ ان تین اقسام میں شامل ہونے کی وجہ سے

غلط اور ناجائز ہیں)

مثلا پیسوں کے ہار ڈالنا، بارات بازاروں میں سج دھج سے لے جانا مسجد کے قریب مصنوعی ذکر کرنا، فلم بنانا، بڑی دکھلاوے والی دعوتیں، وغیرہ ان گنت رسومات ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔ (مستفاد مظاہر حق جدید نعیمی: ۶۹/۴)

تنبیہ: نکاح وشادی میں ہونے والی بدعات ورسومات کی تفصیل کے لئے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی بہشتی زیور اور اصلاح الرسوم ملاحظہ فرمائیں اسی طرح مولانا شعیب عالم کیروی زید مجدہم کی تالیف مروجہ غیر اسلامی رسومات اور ان کا حل، ملاحظہ فرمائیں۔

{الفصل الاول}

نکاح خوشی کا موقع ہے

{۲۹۹۲} **وَعَنْ** الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حِيْنَ بُنِيَ عَلَيَّ، فَجَلَسَ عَلىٰ فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّيْ، فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَ يَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ اِذْ قَالَتْ اِحْدَاهُنَّ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَالَ دَعِيْ هٰذِهٖ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۷۳/۲، باب ضرف الدف فی النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۴۷۔

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معود بن عفرائ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کہ جس وقت میری رخصتی ہوگئی تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے بستر پر ایسے ہی تشریف فرما ہوئے جیسے کہ تم میرے پاس بیٹھے ہو، تو ہمارے خاندان کی بچیاں دف بجانے لگیں اور بدر

کے دن ہمارے آباء میں جو قتل ہوئے تھے، ان کی خوبیاں بیان کرنے لگیں، اچانک ان میں سے ایک لڑکی بولی ہم میں ایک نبی ہیں جو جانتے ہیں وہ بات جو کل ہوگی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور وہی بات کہو جو تم کہہ رہی تھیں۔ (بخاری)

تشریح: فدخل حین بنی علی: جس رات میں حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہما کی رخصتی ہوئی تھی، اس رات کی صبح حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، بخاری کتاب المغازی میں یہ الفاظ ہیں، "غداۃ بنی علی" یہ جملہ عرب کے یہاں لڑکی کے دلہن بنکر ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے گھر جانے کے معنی میں مستعمل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ لڑکی کو اس وقت رخصت نہیں کرتے تھے جب تک کہ شوہر لڑکی کیلئے علاحدہ مکان کا انتظام نہ کر دے، تو چونکہ رخصتی بناء بیت پر موقوف تھی، لہٰذا رخصتی کے لئے "بنی" کا استعمال ہونے لگا، "فجلس علی فراشی" حضور ﷺ میرے بستر پر بیٹھ گئے۔

خلوت بالاجنبیہ کا مسئلہ: خلوت بالاجنبیہ ممنوع ہے، لیکن حدیث باب کے الفاظ سے بظاہر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہما سے تنہائی میں ملاقات فرمائی، آنحضرت ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے مختلف جوابات منقول ہیں۔

(۱) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قوی دلائل سے ہم پر یہ بات واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کے لئے تنہائی میں اجنبیہ سے ملنا اور اس کو دیکھنا جائز تھا۔ (فتح الباری: ۱۱/۴۹۳)

اس کی وجہ یہ ہے کہ خلوت بالاجنبیہ کی ممانعت کی وجہ خوف فتنہ ہے اور چونکہ حضرت نبی کریم ﷺ معصوم ہیں، لہٰذا یہاں فتنہ کا اندیشہ ہے ہی نہیں لہٰذا آنحضرت ﷺ کے حق میں ممانعت بھی نہیں تھی۔

(۲) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس توجیہ کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ کی ضرورت اس وقت ہوتی جب کہ حدیث میں اس بات کی صراحت ہوتی کہ جناب آنحضرت ﷺ نے حضرت ربیع سے تنہائی میں ملاقات کی، اور ان کو دیکھا، یہاں ایسی کوئی صراحت نہیں، بلکہ یہ بات موقع ومقام کے لحاظ سے مستبعد معلوم ہوتی ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۱۰)

006

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پردہ کیساتھ بیٹھے ہوں گے۔

(۴) قبل نزول الحجاب کاواقعہ ہے۔

(۵) آپ کے خصائص میں سے ہے علامہ زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بغیر دلیل کے خصوصیت ثابت کرنا محل نظر ہے۔

(۶) بعض نے کہا کہ آپ کے ساتھ کوئی دوسرا شخص بھی ہوگا۔ جبکہ ایسے موقع پر کوئی نہ کوئی ساتھ ہوتا ہی ہے اور دلہن بھی پردہ میں ہوتی ہے یقینا یہاں بھی حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا پردہ میں ہونگیں۔

فجعلت جویرات لنا یضربن با لدف: شادی کے موقع پر انصاری کچھ بچیاں دف بجارہی تھیں۔

دف بجانے کا جواز: لہو ولعب کے طور پر دف بجانا مطلقا حرام ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "الملاھی کلھا حرام" لیکن اگر نکاح کی تشہیر یا دوسرے کسی خوشی کے موقع پر بعض قیودات کا خیال رکھ کر دف بجایا جائے تو یہ جائز ہے، قیودات میں سب سے پہلی قید یہ ہے کہ اس میں گھنگرو یا آج کل کے دیگر میوزک کے آلات نہ ہوں، تکلف سے خالی ہو بہت زیادہ دیر تک نہ بجایا جائے اکثر علماء قیودات کی رعایت کے باوجود دف نہ بجانے ہی کو بہتر سمجھتے ہیں کیوں کہ اس دور میں فتنہ کا اندیشہ قوی ہے، لہٰذا فتنہ سے بچنے کے لئے کلی طور پر اس سے اجتناب کیا جائے۔

ویندبن من قتل من آبائی: جنگ بدر میں حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کے والد معوذ اور بھائی اور دیگر انصاری صحابہ نے قابل فخر کارنامے انجام دیئے تھے، بچیاں ان ہی کے محاسن بیان کررہی تھیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے کہ ابوجہل کے قتل میں عفراء کے بیٹے حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما بھی شریک تھے، ان کے علاوہ معاذ بن عمرو بن جموح بھی ابوجہل کے قتل میں پیش پیش تھے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا کہ ابوجہل کے قتل میں زیادہ حصہ معاذ بن عمرو کا ہے، اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا سلب ان ہی کو دیا تھا۔

وفینا نبی یعلم مافی غدا: اور ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل باتیں جانتے ہیں۔ ایک بچی نے دف بجاتے ہوئے اور آباواجداد کے قابل فخر کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

غیب دانی کی نسبت کی، چونکہ حضور اکرم ﷺ پر وحی آتی تھی جس میں آنحضرت ﷺ کو بہت سے آئندہ پیش آنے والے احوال سے مطلع کیا جاتا تھا اور آنحضرت ﷺ اللہ کے بتانے سے لوگوں کو بتاتے تھے اور آنحضرت ﷺ جیسا بتاتے تھے ویسا ہی معاملہ پیش آتا تھا اس بناء پر بچی نے غیب کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کر دی تھی۔

دعی ہٰذا: آنحضرت ﷺ نے غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے سے منع فرمایا، حضور ﷺ کو اولین آخرین کا علم تھا لیکن عالم الغیب اللہ ہے بعض غیب کی خبروں سے تو جناب آنحضرت ﷺ کو واقفیت ہو جاتی تھی لیکن عام مغیبات کا احاطہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمها الا الله" اللہ ہی کے پاس غیب کی تمام چابیاں ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے باوجود اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضور ﷺ عالم الغیب ہیں تو وہ مشرک ہے۔

وقولی ماکنت تقولین: یعنی تم شہداء بدر کے جن کارناموں کا ذکر کر رہی تھیں اسکو کرو، وہ ٹھیک ہے اور درست ہے یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عمدہ اور مناسب اشعار پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جن روایات میں شعر و شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر و شاعری میں اتنا نہ منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے، آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ اور دیگر اسلامی شعراء کو اشعار کہنے اور پڑھنے کی اجازت دے رکھی تھی اور فرمایا تھا کہ قرآن پاک میں جن شعراء کی مذمت ہے تم لوگ اس سے مستثنیٰ ہو۔

فائدہ: نکاح میں نابالغ بچیاں خوشی کے لئے غیر عشقیہ اشعار پڑھ سکتی ہیں لیکن بڑی عورتوں کے لئے کسی قسم کا گانا جائز نہیں ہے، اور حدیث ہذا میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں جویریات کا لفظ ہے جو تصغیر ہے چھوٹی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

شادی کے موقع پر تفریح طبع

{٢٩٩٣} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ زُفَّتْ اِمْرَأَةٌ اِلىٰ رَجُلٍ

مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْاَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۷۵، باب النسوۃ الاتی یہدین المرأۃ الی زوجہا، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۶۲۔

حل لغات: زفت العروس: دلہن کو رخصت کرنا، ماں باپ کے گھر سے خاوند کے گھر بھیجنا، اللھو: کھیل کود، تفریح طبع، تفریحی مشغلہ، سامان تفریح، الزفاف: رخصتی، شادی۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت رخصت ہو کر ایک انصاری شخص کے یہاں لائی گئی، تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی کھیل نہیں تھا؟ بیشک انصار تو کھیل کو پسند کرتے ہیں۔ (بخاری)

تشریح: شادی کے موقع پر دف بجانے اور مناسب اشعار پڑھنے نیز شریعت کے حدود میں رہ کر دیگر طریقے سے تفریح کے اسباب اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چونکہ یہ خوشی کا موقع ہوتا ہے، لہٰذا اس موقع پر خوشی کا اظہار مطلوب ہے۔

زفت امراۃ: یہاں پر مجہول نقل ہوا ہے لیکن بخاری شریف میں معروف کا صیغہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک دلہن کو انصاری شخص کے گھر لے گئیں، اور یہاں سے یہ مسئلہ نکلا کہ گھر کے لوگ اگر مشغول ہوں اور باہر سے کوئی عورت آجائے اور وہ دلہن کو تیار کر دے تاکہ گھر والوں کو سہولت مل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بہتر ہے۔

فائدہ: یہ فارعہ بنت اسعد بن زرارہ انصاری تھی، ان کے شوہر کا نام نبیط بن جابر انصاری تھا۔ (عمدۃ القاری: ۱۱۹/ ۱۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ نکاح کے موقع پر دف بجانے کی مناسب اشعار پڑھنے کی اور اس قسم کی دیگر تفریحات کی اجازت ہے، روایت نقل ہوئی: "رخص لنا فی اللھو عند العرس" شادی کے موقع پر ہمیں کھیل کی رخصت عطا ہوئی ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۱۹/ ۱۴)

ماہ شوال میں نکاح

{۲۹۹۴} **وَعَنْهَا** قَالَتْ تَزَوَّجَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَوَّالٍ وَ بَنٰى بِيْ فِيْ شَوَّالٍ فَاَيُّ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَحْظٰى عِنْدَهٗ مِنِّيْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۵٦، باب استحباب التزوج والتزویج فی شوال، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۲۳۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال کے مہینہ میں مجھ سے نکاح کیا اور شوال کے مہینہ میں میری رخصتی کرائی تو بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں کون سی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے زیادہ محبوب تھی؟ (مسلم)

تشریح: وبنی بی فی شوال اور میری رخصتی کرائی شوال میں علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہا جاتا ہے "بنی علی اھلہ بناء ای زفھا" اور اس کی اصل یہ ہے کہ پہلی رات میں دلہن کے پاس جانے والا ہر آدمی دلہن پر ایک چھوٹا سا شامیانہ بنایا کرتا تھا اسی کے مناسبت سے پہلی رات کو ہر داخل ہونے والے کو "بان باھلہ" کہا جانے لگا اور علامہ طیبی نے فرمایا: "یبنی علیھا" کا استعمال کنایہ "زفھا" کے معنی میں ہوتا ہے اور جب اس کا استعمال کثرت سے شادی کے معنی میں ہونے لگا تو "زفاف" کے معنی سمجھے گئے اگر چہ بناء نہ ہو یہاں تک کہ یہ "اعرس بی" کے معنی میں ہوگیا اور صاحب مغرب نے کہا کہ شادی کرنے والا شادی کی رات میں ایک خیمہ بنایا کرتا تھا پھر یہ وطی سے کنایہ ہوگیا۔ "فای نساء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان احظی ای اقرب الیہ واسعد بہ واکثر نصیبا (عندہ منی۔ (مرقاۃ:٦/٦١)

شرح السنہ میں یہ ہے کہ حق تو یہ تھا کہ فرماتیں "ایۃ امرءۃ" لیکن "احظی منی" "ای" کے لفظ کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے اور اضافت میں جمع کا اعتبار کیا ہے اور اس کا ذکر اس لئے کیا تاکہ یہ جان لیا جائے کہ آپ کی دیگر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن میں ان کو قربت وفضیلت حاصل تھی۔

شوال میں شادی: زمانہ جاہلیت میں ایک عقیدہ یہ تھا کہ شوال اور اشہر حج میں شادی اور رخصتی منحوس ہے اور اس کی بنیاد اس پر تھی کہ "شوال اشال" سے مشتق ہے جس کے معنی "زال" کے ہیں اسی بدعقیدگی کو زائل کرنے کی خاطر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر یہ منحوس ہی ہے تو کیسی نحوست رہی کہ میری شادی اور تین سال بعد میری رخصتی اسی مہینہ میں ہوئی اور کامیاب اتنی رہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن میں آپ کا رتبہ سوار ہا آپ سب سے زیادہ مقرب بارگاہ نبوت رہیں اور آپ سے محبت طبعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن سے زیادہ رہی، اور ابوالمکارم کی کتاب شرح نقایہ میں ہے کہ بعض روافض عیدین کے درمیان شادی کو ناپسند کرتے ہیں۔

علامہ سیوطی نے مسلم شریف کے اپنے حاشیہ میں فرمایا کہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں ابوحاتم سے روایت کیا کہ لوگ شوال میں شادی کرنے کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ پہلے زمانہ جاہلیت میں اسی مہینہ میں طاعون کی وبا آتی تھی۔ (انوار المصابیح: ۶/۶۷، مرقاۃ: ۶/۲۷۶)

نکاح کرنے کا مستحب وقت: نکاح کے تعلق سے تمام ایام یکساں ہیں، جب چاہیں نکاح کریں کسی خاص مہینہ، دن یا وقت کی کوئی فضیلت نہیں ہے، کیوں کہ جو چیزیں ضروری ہوتی ہیں وہ عام ہوتی ہیں، اور شریعت بھی ان میں کوئی خاص تحدید و تعیین نہیں کرتی تا کہ تنگی نہ ہو جیسے ہوا اور پانی انسان کی زندگی کے لئے لازم ہیں ان کے بغیر گذارہ نہیں اس لئے وہ عام ہیں اسی طرح نکاح بھی انسانی ضرورت ہے اسلئے شریعت نے نکاح کے لئے اوقات کی تعیین نہیں کی، جب چاہیں نکاح کر سکتے ہیں۔ (تحفۃ الالمعی: ۳/۵۰۸)

البتہ غلط نظریہ کو مٹانے کے لئے شوال کے مہینہ میں نکاح کرنا بہتر ہے حدیث باب سے بھی اشارہ مل رہا ہے کہ شوال کے مہینہ میں نکاح کرنا پسندیدہ ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان کی لڑکیوں کی شادی شوال کے مہینہ میں کرتی تھیں، تا کہ عملی طور پر جاہلیت کے اس تصور کی تردید ہو سکے، ترمذی کی روایت ہے کہ "وكانت عائشة تستحب ان يبنى بناتها فى شوال" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان کی لڑکیوں کی رخصتی شوال میں کرنا پسند کرتی تھیں۔

مہر ادا کرنے کا حکم

{۲۹۹۵} **وَعَنْ** عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوْتُوْا بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/۷۷۴، باب الشروط فی النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۵۱، مسلم شریف: ۱/۴۵۵، باب الوفاء بالشروط فی النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۱۸۔

ترجمه: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تمام شرطوں میں وہ شرط پوری کی جانے کی سب سے زیادہ مستحق ہے جس کے ذریعہ سے تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: زوجین آپس میں جو بھی ایسی شرط عائد کریں جو مقتضائے نکاح کے منافی نہ ہو تو اس کا پورا کرنا دونوں کے لئے ضروری ہے، لیکن سب سے پہلی شرط جو کہ شریعت کی طرف سے عائد ہے وہ مہر کی ادائیگی ہے عورت کی شرمگاہ کے مقابل میں مہر ہی شرط ہے، لہٰذا اس شرط کی ادائیگی میں لاپرواہی کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔

أحق الشروط: جن شرائط پر نکاح ہوا ہے، ان شرائط کو پورا کرنا چاہیئے، یعنی ایجاب وقبول کیوقت یا اس سے پہلے یا بعد میں زوجین یا ان کے اولیاء نے باہمی رضامندی سے جو شرائط عائد کی ہیں ان کو پورا کرنا چاہیئے۔

شروط نکاح کے اقسام: محققین نے شروط نکاح کی تین قسمیں بیان فرمائیں ہیں۔

(۱)......وہ شرائط جن کا پورا کرنا ہر حال میں لازم اور ضروری ہے یہ وہ شرائط ہیں جو کہ عقد نکاح کا مقتضیٰ ہیں، مثلاً عورت نان ونفقہ کی اور مہر کی شرط عائد کرے، یا اس بات کی شرط عائد کرے کہ معروف طریقے سے رکھے گا، اگر اس طرح رکھنے سے عاجز رہا تو پھر شرعی طریقے سے چھوڑ دیگا، یہ وہ شرائط

ہیں جو لگائی جائیں یا نہ لگائی جائیں ان کا التزام کرنا ہی ہوگا۔

(۲)......وہ شرائط جن کا پورا کرنا ناجائز ہے یہ وہ شرائط ہیں جو کہ مقتضیٰ عقد کے خلاف ہیں، مثلاً عورت نے شرط کر دی کہ وہ صحبت نہیں کرنے دے گی، یا مرد نے شرط لگائی کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا، یہ شرائط لغو قرار پائیں گی اور نکاح منعقد ہو جائیگا، اور ان کی تکمیل نہیں کی جائے گی، اور مقتضی عقد ثابت ہوگا البتہ عورت بعد میں اپنی خوشی سے معاف کر دے تو یہ الگ بات ہے۔

(۳)......وہ شرائط جن میں زوجین میں سے کسی ایک کا فائدہ وابستہ ہو یہ وہ شرائط ہیں جو کہ نہ تو عقد کی مقتضی ہیں اور نہ اس کے خلاف ہیں مثلاً عورت یہ شرط لگا دے کہ مرد اس کے ہوتے ہوئے شادی نہیں کریگا یا مرد یعنی شوہر عورت کے گھر رہے گا، عورت رخصت ہو کر گھر نہیں جائیگی جمہور علماء تیسری قسم کی شرطوں کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں، البتہ بعض ائمہ کے نزدیک یہ شرائط معتبر ہیں۔ (دیکھیں فتح الباری: ۵۱۴/۱۱)

البتہ ایسی شرطوں کا پورا کرنا دیانۃً لازم ہے قضاءً لازم نہیں ہے، دیانۃً یعنی دینداری کے پیش نظر اور قضاءً یعنی کسی کی رائے کے حکم کے طور پر قاضی ان شرائط کی پابندی کا حکم نہیں کرے گا۔ (تحفۃ الالمعی: ۵۵۷/۳)

دیانۃً اور قضاءً کو سمجھنے کے بعد اب یہ سمجھے کہ ترمذی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "اذا تزوج رجل امرأة وشرط لها، ان لا يخرجها من مصرها فليس له ان يخرجها" اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ لڑکی کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو شوہر کو یہ شرط پور کرنی چاہئے، یہ وہی شرط ہے جس کا تعلق تیسری قسم سے ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "شرط الله قبل شرطها كأنه راى للزوج ان يخرجها" اللہ کی شرطیں عورت کی شرطوں سے مقدم ہیں ان کی رائے یہ تھی کہ اس شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ مرد اپنی بیوی کو جہاں چاہے لے جاسکتا ہے، دونوں اقوال جب سامنے آگئے تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول دیانت پر محمول ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول قضاء پر محمول ہے یعنی اگر قاضی کے روبرو یہ معاملہ پیش ہوگا تو قاضی اس شرط کو کالعدم قرار دے گا البتہ آدمی کی دین داری کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ان شرطوں کو پورا کرے، علامہ طیبی نے

فرمایا: کہ یہ بات تغلیباً کہی گئی ہے، اس میں مرد وعورت دونوں داخل ہیں یعنی اگر مرد نے بیوی پر کوئی مناسب شرط عائد کی ہے تو عورت پر بھی اس کی پابندی لازم ہوگی اور اس پر ایک دوسری روایت کی دلالت بھی موجود ہے، روایت کے الفاظ یوں ہیں "ما استحللتم به الفروج" جن کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔ (المرقاۃ: ۶/۲۱۱)

پیغام در پیغام

{۲۹۹۶} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِيْهِ حَتّٰی يَنْكِحَ اَوْ يَتْرُكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۷۲، باب لا یخطب علی خطبۃ اخیہ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۴۴، مسلم شریف: ۱/۴۵۴، باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ الخ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی شخص اپنا پیغام نکاح اپنے مسلمان بھائی کے پیغام پر نہ بھیجے یہاں تک کہ وہ نکاح کرے یا چھوڑ دے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: لا یخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ: یہ حدیث حسن معاشرت سے متعلق ہے جب کسی نے پیغام بھیج رکھا ہے اور اس کی طرف لڑکی والوں کا التفات بھی ہے تو اب دوسرے کو اس میں دخل اندازی نہ کرنا چاہئے، کیوں کہ دخل اندازی کا مطلب ایذاء مسلم ہے جو کہ حرام ہے۔ اس حکم دینے کا مقصد ایک دوسرے کی دل آزاری سے بچانا اور فتنہ وفساد کے دروازے کو بند کرنا ہے۔

پیغام کے مراحل اور احکام

نکاح کے پیغام کے سلسلہ میں تین مراحل ہیں، اور تینوں کے احکام جدا ہیں، لہٰذا جیسا مرحلہ ہو ویسا

حکم لگانا چاہئے۔

(۱)......لڑکا یا لڑکی اس مرحلہ میں ہیں کہ مختلف جگہوں سے ان کے پیغام آرہے ہیں کسی بھی طرف ابھی التفات نہیں ہے، ایسے مرحلہ میں ہرکوئی پیغام دے سکتا ہے۔

(۲)......کسی کا پیغام قبول ہوگیا ہو بات پکی ہوگئی اور منگنی بھی ہوگئی تو دوسرا شخص ہرگز پیغام نہ دے۔

(۳)......درمیانی مرحلہ کسی کا پیغام آیا ہوا ہے ابھی تو بات پکی نہیں ہوئی لیکن اس کی طرف جھکاؤ اور میلان ہے تو اس مرحلہ میں یعنی کسی شخص کو اب پیغام دینے کی اجازت نہیں ہے۔(تحفۃ الالمعی: ۳/۵۶۵)

سوال: کسی شخص نے منگنی کے باوجود اپنا پیغام دیا، اورلڑکی والوں نے اس سے نکاح کردیا، تو کیا اس کا نکاح درست ہوگا؟

جواب: جمہور کہتے ہیں کہ نکاح ہوگیا، البتہ اس شخص نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا، داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ اس کا نکاح فسخ کیا جائے گا اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے دیکھیں۔(فتح الباری: ۱۱/۴۸۷)

حتی ینکح او یترک: یعنی منگنی ہونے کے بعد کوئی پیغام نہ دے، یہاں تک کہ جسکے ساتھ منگنی ہوئی ہے اس سے لڑکی کا نکاح ہو جائے، ایسی صورت میں پیغام نکاح کا سوال ختم ہو جائے گا، یا پھر لڑکا اپنا پیغام واپس لے یا لڑکی والے انکار کردیں تو اس صورت میں دوسرے کے لئے پیغام دینے کی گنجائش نکل آئے گی، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہاں دوصورتیں مذکور ہیں پہلی صورت نکاح ہونے کی ہے اس میں پیغام دینے کا ارادہ رکھنے والے کے لئے خالص مایوسی ہے اور دوسری صورت میں مقصود کے حصول کی امید ہے۔(فتح الباری: ۴۸۹)

طلاق دلوانے کی ممانعت

{۲۹۹۷} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لاَ تَسْأَلِ الْمَرْاَةُ طَلاَقَ اُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلِتَنْکِحَ فَاِنَّ لَهَا مَاقُدِّرَ لَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۹۷۶/۲، باب وکان امر اللہ قدرا مقدوراً، کتاب القدر، حدیث نمبر: ۶۶۰۱، مسلم شریف: ۴۵۴/۱، باب تحریم الخطبة علی اخیه الخ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۱۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے، تاکہ اس کے پیالہ کو خالی کردے، اور تاکہ اس کے شوہر سے نکاح کرے، بیشک اس کیلئے وہی ہے جو اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: لاتسأل المرأة طلاق اختها: ایک شخص کے نکاح میں پہلے ایک عورت ہے اور وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے لیکن جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہے وہ یہ مطالبہ کرتی ہے کہ تم پہلے اپنی بیوی کو طلاق دو، تب میں تم سے نکاح کروں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے مطالبہ کی مذمت کی ہے۔ "لتستفرغ صحفتها" "استفراغ" کے معنی ہیں کسی چیز کا فارغ کردینا۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ پہلی بیوی کی پلیٹ کو اپنے لئے فارغ کرلے، یعنی جو چیز اس کے حصہ میں آتی ہیں وہ سب کو اس کو ملنے لگیں، "ولتنکح" اس عورت کو چاہئے کہ بغیر طلاق کے مطالبہ کے نکاح کرلے، جتنا اس کے مقدر میں ہے وہ مل کر رہے گا اس حدیث میں لفظ "امرأة" میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اس سے مراد وہ عورت ہے جس سے مرد شادی کرنا چاہتا ہے یعنی وہ عورت مخطوبہ ہے۔ (۲) اس سے مراد مرد کی دو بیویوں میں سے ایک ہے یعنی سوکن مراد ہے، اس طرح لفظ "ولتنکح" میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اس کو منصوب پڑھا جائے۔ (۲) مجزوم پڑھا جائے، تو یہ کل چار صورتیں ہوگئیں، (۱) "ولتنکح" کو منصوب پڑھا جائے اور "امرأة" سے مخطوبہ مراد لیا جائے۔ (۲) "ولتنکح" منصوب پڑھا جائے اور "امرأة" سے سوکن مراد لی جائے۔ (۳) "ولتنکح" مجزوم پڑھا جائے اور "امرأة" سے مخطوبہ مراد لیا جائے۔ (۴) "ولتنکح" مجزوم پڑھا جائے اور "امرأة" سے سوکن مراد لیا جائے ان چار صورتوں میں سے پہلی صورت کا مطلب یہ ہے کہ مخطوبہ سابقہ بیوی کی طلاق کا مطالبہ اس غرض سے نہ کرے تاکہ اس کے حصہ کی چیزیں خود لے لے، اور تاکہ وہ اپنا نکاح اس شخص سے کرلے، دوسری صورت کا مطلب یہ ہے کہ ایک سوکن دوسری سوکن کے طلاق کا مطالبہ نہ کرے اس کے حصہ کی چیزیں لینے کی غرض سے اور اس غرض سے تاکہ وہ سوکن اپنا نکاح کسی

دوسری جگہ کرلے، تیسری صورت کا مطلب ماقبل کی سطور میں گذر چکا ہے تشریح کلمات کے بالکل ابتداء میں اس صورت کا ذکر ہے چوتھی صورت کا مطلب یہ ہے کہ ایک سوکن دوسری سوکن کے بارے میں اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ نہ کرے، اس کے حصہ کی چیزوں کو لینے کیلئے بلکہ اس کو چاہئے کہ موجودہ حالت میں ہی اس کے نکاح میں قائم رہے، جس کے مقدر میں جو ہوگا وہ اس کو مل کر رہے گا، اس صورت میں نکاح سے مراد تثبیت فی النکاح ہوگا۔ (مستفاد از الدر المنضود: ۸۱/ ۸۲ / ۴، مرقاۃ: ۲۷۸/ ۲/ ۴)

نکاح شغار

{۲۹۹۸} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الشِّغَارِ، وَالشِّغَارُ اَنْ یُّزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَہٗ عَلٰی اَنْ یُّزَوِّجَہُ الْآخِرُ ابْنَتَہٗ وَلَیْسَ بَیْنَھُمَا صَدَاقٌ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ. وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ لَاشِغَارَ فِی الْاِسْلَامِ۔

حوالہ: بخاری شریف ۲/۶۶، باب الشغار، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۱۲، مسلم شریف: ۱/۴۵۴، باب تحریم النکاح الشغار، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۱۵۔

حل لغات: الصداق: مہر، شغار: ادلا بدلی کی شادی۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے، اور شغار یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی کی شادی اس شرط پر کرے کہ دوسرا اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دے، اور دونوں کے درمیان کوئی مہر نہ ہو۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اسلام میں شغار نہیں ہے۔

تشریح: شغار ان نکاحوں میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے اور شغار کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے مثلاً یہ کہے کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے یا تیرے بیٹے سے کرتا ہوں اور تو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے میرے بیٹے سے کر دے اس طور پر کہ یہ آپس کا لین دین ہی نکاح کا عوض اور

مہر ہو جائے اس کے علاوہ کوئی اور مستقل مہر نہ ہو۔ یہ اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں عورت کا حق مارنا ہے کوئی باپ یا بھائی اپنی بیٹی یا بہن کی شرمگاہ کا مالک نہیں ہے۔

شغار کے لغوی معنی رفع کے ہیں، کہا جاتا ہے "شغر الکلب" جب وہ پیشاب کیلئے اپنی ٹانگ اٹھائے تو گویا نکاح شغار میں متعاقدین میں سے ہر شخص دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ تم میری بیٹی کی ٹانگ نہیں اٹھا سکتے یہاں تک کہ میں تمہاری بیٹی کی ٹانگ نہ اٹھاؤں، اور کہا گیا ہے کہ یہ ماخوذ ہے "شغر البلد" سے جب کہ وہ خالی اور ویران ہو جائے، وجہ مناسبت ظاہر ہے کہ یہ نکاح بھی مہر سے خالی ہوتا ہے۔

شغار کے بارے میں مذاہب ائمہ

اس نکاح کی احادیث میں نہی وارد ہوئی ہے لیکن اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح شغار کرے تو اس کے درست ہونے کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے اور حنفیہ کے نزدیک نکاح تو صحیح ہو جائے گا لیکن مہر مثل واجب ہوگا۔ "وعن احمد روایتان مثل الشافعیہ والحنفیہ" اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ مطلقاً واجب الفسخ ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ صرف قبل الدخول واجب الفسخ ہے۔ (الدر المنضور: ۴/۲۹)

دلائل

فریق اول نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا کہ آپ نے "لا شغار فی الاسلام" فرمایا نیز "نہی عن الشغار" بھی موجود ہے، دوسری عقلی دلیل یہ پیش کی کہ ہر ایک کا نصف بضع مہر ہوا اور نصف بضع منکوحہ ہوا اور منافع بضع میں اشتراک نہیں ہوتا، جیسا کہ ایک عورت کو دو آدمی ایک ہی ساتھ شادی نہیں کر سکتا، لہٰذا یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری کی دلیل یہ ہے کہ عاقد نے ایسی چیز کو مہر مقرر کیا جو مہر کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اور ایسی صورت میں عقد صحیح ہو جاتا ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے جیسا کہ کسی نے خمر یا خنزیر کو مہر مقرر کیا تو سب کے نزدیک نکاح ہو جاتا ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے تو یہاں بھی ایسا ہے کیونکہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حدیث نہی

سے جو دلیل پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہی نکاح کو تسمیہ مہر سے خالی کرنے کی وجہ سے ہے عین نکاح سے نہی نہیں ہے اور تسمیہ مہر سے نکاح کو خالی کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوتا جیسا کہ اذان جمعہ کے وقت بیع وفروخت ممنوع ہے اور انکی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جب بضع مہر ہی نہیں ہوا تو اشتراک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو یہ شرط فاسد ہوئی جس سے نکاح فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود شرط باطل ہوگی اور نکاح صحیح ہوجائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا۔

وجہ ترجیح: قیاس سے حنفیہ کے قول کو ترجیح حاصل ہے کیوں کہ عقد اہل سے صادر ہوا ہے اور محل پر واقع ہوا ہے لہٰذا صحیح ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھیں۔(فتح الملہم: ۲۶۰/ ۳، فتح القدیر: ۳۵۰/ ۳)

متعہ کی ممانعت

{۲۹۹۹} **وَعَنْ** عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاِنْسِيَّةِ۔ **(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)**

حوالہ: بخاری شریف ۲/ ۶۰۶، باب عزوۃ خیبر، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۲۱۶، مسلم شریف: ۱/ ۴۵۱، باب نکاح المتعۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۰۷۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے کو خیبر کے دن منع فرمایا، اور گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: جاننا چاہئے کہ نکاح کی بنا اور وضع دوام اور بقا پر ہے، یعنی نکاح اور رشتہ از دواج کسی عارضی تعلق کا نام نہیں ہے بلکہ زندگی بھر کا علاقہ ورشتہ ہے، یہ امر آخر ہے کہ بوقت ضرورت ومجبوری اس کو منقطع کیا جاسکتا ہے، طلاق کے ذریعہ سے لہٰذا اگر کسی نکاح کی بناء واساس دوام واستقرار پر نہ ہوگی وہ نکاح شرعی نہ ہوگا اور نہ ایسے نکاح کی شریعت نے اجازت دی ہے، اسی لئے شریعت اسلامیہ میں متعہ اور نکاح موقت دونوں کو حرام اور ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

متعہ اور نکاح موقت میں فرق

اس کے بعد فقہاء نے متعہ اور نکاح موقت کی جو تعریف بیان فرمائی ہے وہ سنئے، ہدایہ میں متعہ کی تعریف میں لکھا ہے "وھو ان یقول لامرأۃ اتمتع بك کذا مدۃ بکذا من المال" میں تجھ سے اتنے مال کے عوض میں اتنی مدت تک منتفع ہونا چاہتا ہوں، اور نکاح موقت کی تعریف اس طرح کی ہے مثل "ان یتزوج امرأۃ بشھادۃ شاھدین الی عشرۃ ایام" اس پر شارح ہدایہ علامہ بابرتی صاحب عنایہ لکھتے ہیں کہ مصنف کی عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ متعہ اور نکاح موقت میں دو فرق ہیں اول یہ کہ نکاح متعہ لفظ تمتع یا استمتاع کے کیساتھ خاص ہے اور نکاح موقت لفظ نکاح یا تزوج کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ نکاح موقت میں شہود شاہدین ہوتا ہے متعہ میں نہیں نیز یہ کہ نکاح موقت میں مدت معین ہوتی ہے، بخلاف متعہ کے کہ اس میں عام ہے معین ہو جیسے عشرۃ ایام یا غیر معین ہو جیسے "ایاما" لیکن فرق مذکور پر شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بحث کی ہے وہ یوں فرماتے ہیں کہ متعہ عام ہے مادہ تمتع کا ہونا اس میں ضروری نہیں ہے، لہٰذا نکاح موقت افراد متعہ میں سے ہے، پس حاصل یہ کہ نکاح متعہ کا مصداق وہ نکاح ہے جس میں تابید مقصود نہ ہو چاہے لفظ تمتع سے ہو یا تزوج و نکاح سے یا بغیر ان الفاظ سے، احضار شہود ہو یا نہ ہو۔ (الدر المنضود: ۴/۲۷)

متعہ کا جواز وحرمت

ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ شروع اسلام میں متعہ جائز تھا (متعہ کا جواز زمانہ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا اسلام نے دور اول میں اس کو باقی رکھا) جب کوئی شخص کسی اجنبی شہر میں وارد ہوتا جہاں اس کی جان و پہچان نہیں ہوتی تھی تو اس کا وہاں جتنے دن ٹھہرنے کا ارادہ ہوتا اتنے دن کسی عورت سے نکاح کر لیتا، تا کہ وہ اس کے گھر میں قیام کرے، چنانچہ وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی، اور اس کی چیزوں کو سنوارتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی "الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم" فلاح پانے والے مسلمان وہ ہیں جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا اپنی

باندیوں سے، پس ان پر کچھ الزام نہیں ہے، اس آیت کے نزول کے بعد حضرت نبی کریم ﷺ نے متعہ کی حرمت کا اعلان کرا دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اب ہر شرمگاہ جوان کے علاوہ ہے وہ حرام ہے۔

متعہ کے جواز کی حکمت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں اس بات کا اشارہ موجود ہے کہ متعہ کا جواز خانگی مصالح کے پیش نظر تھا، شرمگاہ کرایہ پر لینا مقصود نہیں تھا، کیونکہ یہ بات انسانی اقدار کے خلاف ہے، اور یہ ایسی بے شرمی کی بات ہے کہ جس کو فطرت سلیمہ قطعاً گوارا نہیں کرتی ہے۔

تحریم متعہ کا وقت

متعہ کی حرمت کا وقت کیا ہے؟ اس سلسلہ میں متعدد روایات ہیں، جو کافی مختلف ہیں، اس لئے اس میں ائمہ کا بھی اختلاف ہے تحریم متعہ کے وقت سے متعلق چھ قسم کی روایات کتب احادیث میں موجود ہیں، یہاں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۱)... غزوہ خیبر (۷/ھ) حدیث باب، عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن متعة النساء یوم خیبر۔ (بخاری ومسلم)

(۲)... فتح مکہ (۸/ھ) رمضان، عن سبرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی یوم الفتح عن متعة النساء۔ (مسلم)

(۳)... غزوہ حنین، (۸/ھ) شوال عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المتعة زمن حنین۔ (نسائی)

(۴)... عام اوطاس، (۸/ھ) شوال، عن سلمة بن الاکوع قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام اوطاس فی المتعة ثم نہی عنہا۔ (مسلم)

(۵)... غزوہ تبوک، (۹/ھ) ماہ رجب، عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہا نسخت فی غزوہ تبوک۔ (ابن حبان)

(۲)... حجۃ الوداع، (۱۰ھ) عن الربیع بن سبرۃ ان المتعۃ نزلت حرمتھا حجۃ الوداع۔ (ابوداؤد)

متعہ کی حرمت کے سلسلہ میں محدثین کے اقوال، اور احادیث مذکورہ میں تطبیق

جمہور محدثین کا قول: جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ متعہ کی تحلیل وتحریم دومرتبہ واقع ہوئی ہے، اور انہوں نے احادیث مذکورہ کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ نکاح متعہ زمانہ جاہلیت میں عروج پر تھا، اور جنگ خیبر تک اس کی اجازت رہی، ۷ھ غزوہ خیبر کے موقع پر اس کی حرمت کا اعلان کیا گیا جیسا کہ حدیث باب سے ظاہر ہے، پھر فتح مکہ کے موقع پر جس کو عام الاوطاس اور زمن حنین بھی کہا جاتا ہے صرف تین دنوں کے لئے متعہ کی اجازت دی گئی، پھر قیامت تک کے لئے حرام قرار دے دیا گیا، جیسا کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے چونکہ غزوہ حنین اور عام الاوطاس سے فتح مکہ ہی مراد ہے اس بنا پر فتح مکہ پر زمن حنین اور عام الاوطاس کا اطلاق کیا گیا ہے، اور غزوہ تبوک اور حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تاکید کے تحریم متعہ کا ذکر کیا تھا، اسی لئے حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے ان مواقع پر تحریم متعہ کو نقل کیا ہے۔ (مرقاۃ:۶/۲۸۰)

سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول: سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ متعہ صرف فتح مکہ کے موقع پر حرام ہوا، خیبر کے موقع پر متعہ حرام نہیں ہوا ہے، پھر جناب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً کئی مقامات پر اس کی حرمت کو بیان کیا، جس کو حضرات صحابہ نے اپنے اپنے علم کے اعتبار سے نقل کیا ہے اور جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس میں خیبر کا تذکرہ کسی راوی کا وہم ہے، خیبر میں صرف گھریلو گدھے کے گوشت کی حرمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی تھی، اگر خیبر میں تحریم متعہ مانیں تو دومرتبہ نسخ ماننا پڑے گا، اور اس کی نظیر شریعت میں نہیں ہے۔

شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول: شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں متعہ ایک لمحہ کے لئے بھی حلال نہیں ہوا، مکہ مکرمہ میں جب یہ آیت نازل ہو چکی تھی: "الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم" تو اب اس کے خلاف مدینہ طیبہ پہنچ کر متعہ کی اجازت کیسے مل سکتی تھی؟

بات یہ ہے کہ ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے بہت مرتبہ بڑی تاکید کے ساتھ متعہ کی حرمت کا تذکرہ کیا، خاص طور پر غزوہ خیبر کے موقع پر اور باقی رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ نے عام الاوطاس کے موقع پر تین دن کی اجازت عطا کی تھی وہ نکاح موقت تھا، متعہ اصطلاحی نہیں تھا، اسی پر متعہ کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے، جس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کو ماقبل میں کی سطور میں نقل کر چکے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متعہ بالمعنی المعروف اسلام میں کبھی بھی جائز نہیں ہوا جس متعہ کی خیبر میں تحریم ہوئی ہے وہ متعہ بالمعنی المعروف نہیں تھا بلکہ نکاح بالرخص تھا جس کی صورت یہ ہے کہ آدمی کسی دوسری جگہ جاتا ہے اور وہاں کچھ رہنے کا ارادہ ہوا سامان وغیرہ کی حفاظت کے لئے وہاں تھوڑے سے مہر کے ساتھ کسی سے نکاح کر لیا دل میں نیت تھی کہ جب ضرورت پوری ہوگئی تو طلاق دے دوں گا لیکن عقد کے اندر اس کا کوئی تذکرہ نہیں تھا نہ ہی کوئی توقیت تھی بلکہ عقد مطلق تھا، اس کا عام نکاحوں سے فرق دو طرح ہے ایک تو اس میں مہر کم ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ دل میں چھوڑنے کی نیت ہوتی ہے، اس طرح کے نکاح کی ابتداء اسلام میں اجازت تھی بعد میں اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۴۳۹)

نوٹ:۔ تین طرح کے اقوال میں پہلا قول جو کہ جمہور محدثین کا ہے راجح ہے، کیوں کہ متعہ کے مانند دو مرتبہ نسخ کے نظائر شریعت میں موجود ہیں مثلاً تحویل قبلہ اس میں دو مرتبہ نسخ ہوا ہے، اور متعدد روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے موقع پر متعہ کو حرام قرار دیا ہے، لہٰذا اس کو راوی کا وہم کہنا صحیح نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۸۱)

متعہ کا حکم

جمہور امت کے نزدیک متعہ حرام ہے البتہ ابتداء میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جواز کے قائل تھے سب نے رجوع کر لیا، کمافی البدائع، اور صاحب ہدایہ نے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس کے جواز کی نسبت کی وہ غلط ہے کیونکہ مالکیہ کی کسی کتاب میں جواز متعہ کو بیان نہیں کیا، علاوہ ازیں امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مؤطا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث نہی متعہ کے بارے میں نقل کی حالانکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ مؤطا میں وہی روایت لاتے ہیں جو ان کے مذہب کے مطابق ہوتی ہے، لہٰذا اس حدیث کو اپنی کتاب میں لانا دلیل ہے اس بات پر کہ وہ حرمت متعہ کے قائل ہیں۔

سوال: حنفیہ نے اپنے اصول پر متعہ کو جائز کیوں نہیں کیا، ان کا اصول یہ ہے کہ ایمان یعنی قسموں میں شرط باطل ہوتی ہے اور عقد صحیح ہو جاتا ہے لہٰذا یہاں بس مدت کی تعیین باطل ہونی چاہئے اور اصل نکاح صحیح ہونا چاہئے جیسا کہ نکاح شغار میں ہوتا ہے؟

جواب: متعہ عقد میں شرط فاسد کا معاملہ نہیں ہے بلکہ انقلاب ماہیت ہے، نکاح کی ماہیت اور ہے اور متعہ کی ماہیت اور ہے، چونکہ یہ سرے سے اسلامی نکاح ہی نہیں ہے، لہٰذا یہ باطل ہے اس میں شرط باطل کا مسئلہ نہیں ہے۔

متعہ کے بارے میں روافض کا مذہب: شیعوں اور رافضیوں کے نزدیک متعہ نہ صرف جائز بلکہ بہت بابرکت عبادت ہے، ان کے یہاں متعہ کی حقیقت یہ ہے کہ محرمات اور شوہر دار عورت کے سوا جس کسی عورت سے جتنی مرتبہ جس اجرت پر عورت راضی ہو جائے، بلکہ گواہ وقاضی اور وکیل واعلان کے بغیر عقد کرنا اور چوری چھپے مباشرت کرنا متعہ ہے، مدت گذرنے پر بغیر طلاق کے عورت جدا ہو جائے گی، شیعہ حضرات اس کھلی ہوئی زنا کاری پر بہت بے شرمی سے قرآن مجید کی آیت

"فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً" سو چنانچہ جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اٹھایا ہو ان کا وہ مہر ادا کرو جو مقرر کیا گیا ہو۔ کو اپنی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، تفسیر کی کتابوں میں اس آیت کی وضاحت دیکھی جائے تا کہ شیعوں کا استدلال اور اہل سنت کی طرف سے کافی وشافی جواب سمجھ میں آجائیں۔

امت میں صرف فرقہ شنیعہ شیعہ حلت کے قائل ہیں تعجب ہے ان روافض سے کہ یہ اس کی اباحت کے کیونکر قائل ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اور علی رضی اللہ عنہ سے اس کی حرمت مؤبدہ ثابت ہے، پس یہ ہوا نفسانی اور دھوکہ شیطانی کے سوا کچھ نہیں ہے اور ان کے تو اکثر مسائل مذہبیہ اسی قسم کے ہیں۔ وہ اپنے اس باطل عقیدہ کے ثبوت پر دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم کی

آیت: "فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةً"، سے طریقہ استدلال یوں ہے کہ یہاں استمتاع کا ذکر کیا گیا ہے نکاح کا ذکر نہیں کیا اور استمتاع ہی متعہ ہے پھر اجر کا ذکر کیا گیا، اور وہ متعہ ہی میں ہوتا ہے نکاح میں تو مہر ہوتا ہے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ اس کے جواز کے قائل تھے۔

جمہور امت قرآن کریم، سنت نبویہ، اجماع اور قیاس سے استدلال کرتے ہیں چنانچہ قرآن کریم کی آیت ہے: "وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ"، اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور ان باندیوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیونکہ ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں ہے البتہ جو لوگ ان کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں وہ حد سے گذرے ہوئے لوگ ہیں۔ تو یہاں نکاح اور ملک یمین کے علاوہ دوسری صورت سے جماع کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ایسے کرنے والے کو عادی اور ظالم کہا گیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ متعہ نہ ملک یمین ہے اور نہ نکاح، لہٰذا قرآن کریم کی نص قطعی سے اس کی حرمت ثابت ہوگئی، اور حدیث یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے بخاری ومسلم میں اور سلمہ ابن الاکوع کی حدیث مسلم میں "نهى عن متعة النساء"۔

تیسری حدیث حضرت ربیع کی "انه عليه السلام قال يا ايها الناس انى كنت اذنت لكم فى الاستمتاع من النساء وان الله قد حرم الى يوم القيامة"، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! میں نے تم کو عورتوں سے استمتاع کی اجازت دی تھی اور بالیقین اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے حرام فرمایا ہے۔ رواہ مسلم، اجماع کے بارے میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس کی طرف حاجت ہونے کے باوجود اس سے پرہیز کرتے رہے کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہوا اور قیاس بھی اس کے عدم جواز کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ نکاح کی مشروعیت کے جو مصالح ہیں وہ متعہ میں نہیں پائے جاتے، بلکہ اس میں صرف قضاء شہوت ہے، لہٰذا عقلاً بھی حرام ہونا چاہئے۔

شیعہ نے آیت قرآنی سے جو دلیل پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے ما قبل و مابعد میں نکاح کا ذکر ہے، لہٰذا استمتاع سے استمتاع بالنکاح مراد ہوگا، اور لفظ اجر کا اطلاق مہر پر ہوتا ہے، جیسا کہ:

"فانکحوھن باذن اھلھن واتوھن اجورھن" لہٰذا ان کنیزوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو، اور ان کو قاعدے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کیا، کما ذکرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "اما علمت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حرم المتعۃ یوم خیبر فرجع ابن عباس وکان یقول اللھم انی اتوب الیك من قولی فی المتعۃ" کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متعہ کو یوم خیبر میں حرام فرمایا ہے پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رجوع فرمالیا اور فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں اپنے متعہ کے قول سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر وہ مطلقاً حلت کے قائل نہ تھے بلکہ حالت اضطرار میں جواز کے قائل تھے جس طرح حالت مخمصہ میں مردہ کھانا حلال ہے، اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس سے بھی رجوع کرلیا، کیونکہ شہوت دبانے کی صورت میں شریعت نے صوم مقرر کیا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ خود حرمت متعہ کے بیان کرنے والوں میں سے ہیں، لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے دلیل پیش کرنا درست نہیں ہوگا۔

حرمت متعہ کی وجوہات

(۱)...... قرآن کریم کی متعدد آیات میں شہوت رانی کی اجازت صرف دو جگہ دی گئی ہے، (۱) بیوی، (۲) باندی "اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ" جس عورت سے متعہ کیا گیا ہے وہ ان دو میں سے کسی میں بھی داخل نہیں، باندی نہ ہونا تو واضح ہے زوجہ بھی نہیں ہے کیونکہ علاقہ زوجیت کے لوازم یہاں مفقود ہیں مثلاً زوجیت کے لوازم میں سے ایک توارث بھی ہے یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں، یہاں متعہ کی صورت میں کسی کے نزدیک بھی توارث نہیں ہے، "اذا انتفی اللازم انتفی الملزوم" جب نہ یہ زوجہ نہ مملوکہ تو یہاں شہوت رانی ناجائز ہوئی۔

(۲)...... احادیث متواترہ سے متعہ کی حرمت ثابت ہے۔

(۳)...... حرمت متعہ پر اجماع بھی ہے، بعض صحابہ کا پہلے کچھ اختلاف ہوا تھا لیکن جب ان کو نہی کی حدیثیں پہنچ گئیں تو رجوع کرلیا۔

(۴)......قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ متعہ حرام ہونا چاہئے کیونکہ اس سے نسب مخلوط ہو جاتا ہے اور اسلام نے حفاظت نسب کے لئے بہت سخت احکامات دیئے ہیں۔ تفصیل کے لئے التعلیق دیکھیں۔
(التعلیق: ۲۲/ ۴،او جز: ۴۰۱/ ۹)

حمار اہلی کی حرمت اور اختلاف ائمہ

حمار کی دو قسمیں ہیں،(۱) حمار اہلی، پالتو گدھے،(۲) حمار وحشی، جنگلی گدھے۔ حمار وحشی یعنی گورخر کے گوشت کی اباحت پر سب کا اتفاق ہے، البتہ حمار اہلی کے گوشت کے مباح ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہاء کے نزدیک حمار اہلی کا گوشت حرام ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں حمار اہلی کے گوشت کھانے کی حرمت صراحتاً مذکور ہے، اس کے علاوہ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ: "عن خالد بن ولید ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن لحوم البغال والحمر" بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر اور گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا ہے۔

امام مالک کا مذہب: امام مالک کے نزدیک حمار وحشی کے گوشت کی طرح حمار اہلی کا گوشت بھی حلال ہے۔

دلیل: ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ حضرت غالب ابحر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ قحط ذکر کرنے کے بعد کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس گھر والوں کو کھلانے کے لئے گدھوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حرام کر چکے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر یہ ارشاد فرمایا: کہ تم اپنے گھر والوں کو فربہ گدھا کھلاؤ، میں نے تو ان کو ان کے گندے اور نجس چیزیں کھانے کی بناء پر حرام قرار دیا تھا۔

جواب: یہ حدیث نہایت ضعیف اور مضطرب ہے، اسی کے ساتھ یہ حدیث ضرورت کی حالت پر

محمول ہے، اور ضرورت کے وقت تو مردار کھانے کی بھی رخصت ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عام حالات میں مردار کھانا جائز ہو جائے، اسی طرح حدیث باب مذکور سے گھریلو گدھے کے گوشت کو عام حالات میں جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ (تفصیل کیلئے اوجز المسالک: ۱۸۱/۹، کتاب الصید)

متعہ کی رخصت اور ممانعت

{۳۰۰۰} **وَعَنْ** سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ اَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲/ ۴۵۱، باب نکاح المتعۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۰۵۔

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کے سال تین دن کیلئے متعہ کی اجازت دی تھی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا تھا۔ (مسلم)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس (جس کو جنگ حنین بھی کہا جاتا ہے) میں فتح مکہ کے بعد تین دن کے لئے متعہ کی اجازت عطا کی تھی یہی سال فتح کا بھی ہے لہٰذا اس اجازت کی نسبت کبھی فتح مکہ کی طرف ہوتی ہے کبھی غزوہ حنین کی طرف ہوتی ہے اور کبھی عام الاوطاس کی طرف ہوتی ہے ان سب سے مراد ایک ہی ہے، یہ درحقیقت دوسری مرتبہ حلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، تین یوم کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ہمیش کے لئے پھر متعہ کو حرام قرار دیا تھا۔

عام الاوطاس: اوطاس طائف کے ایک گاؤں کا نام ہے فتح مکہ کے موقع پر کفار کو جب کھلی ہوئی شکست ہوگئی تو اوطاس میں بسنے والے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی چنانچہ ماہ شوال (۸ھ) میں ان قبائل نے اوطاس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی، جس میں ان قبائل کو بدترین شکست ہوئی، اور مسلمانوں کو بہت سامان غنیمت حاصل ہوا، اس موقع پر چونکہ عام صحابہ وطن

سے بہت دور تھے لہٰذا تجرد کی طوالت کی بنا پر ان میں ہیجان تھا، اس اضطرار کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے تین یوم کے لئے متعہ کی اجازت عطا کی تھی، پھر ہمیشہ ہمیش کیلئے منع فرما دیا تھا مسلم میں روایت ہے کہ " کنت اذنت لکم فی الاستمتاع فی النساء وقد حرم اللہ ذلك الی یوم القیامۃ " میں نے تم کو عورتوں سے استمتاع کی اجازت دی تھی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے حرام فرمایا دیا ہے۔ اس روایت میں قیامت تک کے لئے متعہ کی حرمت کا حکم صادر ہوا ہے۔ (متعہ سے متعلق مزید تفصیل کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں، مرقاۃ ۲۸۰/۶)

{الفصل الثانی}

خطبہ نکاح

{۳۰۰۱} **عَنْ** عَبْدِ اللہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّشَھُّدَ فِی الصَّلَاۃِ وَالتَّشَھُّدَ فِی الْحَاجَۃِ قَالَ اَلتَّشَھُّدُ فِی الصَّلَاۃِ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ وَالسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَالتَّشَھُّدُ فِی الْحَاجَۃِ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ نَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَیَقْرَاُ ثَلَاثَ آیَاتٍ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ، یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللہَ الَّذِیْ تَسَاءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامِ اِنَّ اللہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً، یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللہَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ مَنْ یُّطِعِ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ

فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِي وَفِي جَامِعِ التِّرْمِذِيِّ فَسَّرَ الآيَاتِ الثَّلَاثَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَزَادَ ابْنُ مَاجَةَ بَعْدَ قَوْلِهِ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَبَعْدَ قَوْلِهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، وَالدَّارِمِيُّ بَعْدَ قَوْلِهِ عَظِيماً ثُمَّ يَتَكَلَّمَ بِحَاجَتِهِ وَرَوَى فِي شَرْحِ السُّنَّةِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِي خُطْبَةِ الْحَاجَةِ مِنَ النِّكَاحِ وَغَيْرِهِ۔

حوالہ: احمد: ۲۹۲، ابو داؤد شریف: ۲۸۹/۲۸۸، باب خطبۃ النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۱۸، ترمذی: ۱/۲۱۰، باب ما جاء فی خطبۃ النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۰۵، نسائی شریف: ۲/۲۵، باب ما یستحب من الکلام عند النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۲۷۷، ابن ماجہ: ۱۳۶، باب خطبۃ النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۹۶، دارمی: ۲/۱۹۱، باب خطبۃ النکاح، کتاب النکاح، حدیث: ۲۲۰۲، شرح السنۃ: ۹/۴۹، ۵۰، باب خطبۃ النکاح: حدیث نمبر: ۱۸۹۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ہمیں نماز میں پڑھا جانے والا تشہد بھی سکھایا اور ضرورت کے وقت پڑھا جانے والا تشہد بھی سکھایا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (نماز کا تشہد یہ ہے) "التحیات للہ الخ:" تمام زبانی و بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کیلئے ہیں اے نبی ﷺ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو، اور ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور اس بات کی میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے نیک بندے اور اس کے رسول ہیں اور کسی حاجت کے وقت پڑھا جانے والا تشہد یہ ہے۔ "ان الحمد للہ الخ" بے شک تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، ہم ان سے مدد طلب کرتے اور ہم ان سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اور اسکے رسول ہیں، اس کے بعد آنحضرت ﷺ تین آیات پڑھتے تھے۔ (۱) یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ الخ..." اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور ہرگز

نہ تم مرو مگر اس حال میں کہ فرمانبردار ہو، (۲) یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحد الخ‘‘ اے لوگو! اللہ سے ڈرو، جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے، اور اس نفس سے اسکا جوڑا پیدا کیا ہے، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتوں پھیلائی ہیں، اور تم اللہ سے ڈرو جسکا واسطہ دیکر باہم سوال کرتے ہو، اور قرابتوں (کی حق تلفی) سے بچو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہیں۔ (۳) ’’یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا الخ: ...‘‘ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو وہ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرے گا تو اس کو بہت بڑی کامیابی ملے گی۔ (احمد، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) جامع ترمذی میں یہ بات بھی ہے کہ ان تینوں آیتوں کی وضاحت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، ابن ماجہ نے ’’ان الحمد اللہ‘‘ کے بعد ’’نحمدہ‘‘ اور ’’من شرور انفسنا‘‘ کے بعد ’’ومن سیأت اعمالنا‘‘ کا اضافہ کیا، اور دارمی نے اپنی روایت میں ’’عظیما‘‘ کے بعد یہ اضافہ کیا ہے، کہ تشہد اور آیت پڑھنے کے بعد اپنی حاجت کا ذکر کرے، اور شرح السنۃ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس میں ’’خطبہ حاجت‘‘ سے مراد نکاح وغیرہ مراد لیا ہے۔

تشریح: حاجت سے مراد بظاہر حاجت نکاح ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے، ’’فی خطبۃ الحاجۃ فی النکاح وغیرہ‘‘ جس سے شافعیہ کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک خطبہ جس طرح عقد نکاح کے لئے مسنون ہے اسی طرح عقد بیع وغیرہ دیگر عقود میں بھی مسنون ہے، کذا فی المنہل۔

آگے روایت میں تشہد کے بعد اس طرح ہے، ’’یا یھا الذین آمنوا اتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام‘‘ حالانکہ مشہور قرأت اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ ہے، ’’یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام‘‘ یہ روایت ترمذی میں بھی ہے اس میں تشہد کے بعد اس طرح ہے، ’’قال ویقرأ ثلاث آیات قال عبثر ففسرہ سفیان ثوری اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن والا وانتم مسلمون، واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام ان اللہ کا علیکم رقیباً، اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیداً‘‘ پوری آیت تو ترمذی شریف کی روایت میں بھی نہیں ہے،

لیکن جتنی مذکور رہے وہ مافی المصحف کے مطابق ہے بخلاف ابوداؤد کے کہ اس میں "یایها الذین آمنوا اتقوا الله الذی تساءلون به والارحام" اس پر بذل المجہود میں ملاعلی قاری سے یہ نقل کیا ہے "هکذا فی نسخ المشکاة، والاذکار، وتیسیر الوصول الی جامع الاصول، وبعض نسخ الحصن" اور پھر آگے یہ ہے کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں اسی طرح ہو، پھر اس کے بعد حضرت تحریر فرماتے ہیں اولی اور مناسب یہ ہے کہ خطبہ میں آیت کو قرآت متواترہ کے موافق ہی پڑھنا چاہئے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۸۴)

یہ پہلے گذر چکا کہ خطبہ نکاح مسنون ہے شرط نہیں حافظ فرماتے ہیں کہ وہ "قد شرطه فی النکاح بعض اهل الظاهر وهو شاذ" (بذل) اور امام ترمذی خطبہ نکاح کی حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "وقد قال بعض اهل العلم ان النکاح جائز بغیر خطبة وهو قول سفیان الثوری وغیرہ من اهل العلم"۔

خطبہ نکاح کی روایات

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ خطبۃ النکاح کی حدیث صحیحین میں سے کسی ایک میں نہیں ہے، البتہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب ضرور قائم کیا ہے، "باب الخطبة" مگر اس میں حدیث خطبہ کی تخریج نہیں کی، حافظ فرماتے ہیں "وورد فی تفسیر خطبة النکاح احادیث من اشهرها ما اخرجه اصحاب السنن وصححه ابو عوانة وابن حبان عن ابن مسعود مرفوعاً"، پھر حافظ نے وہی حدیث ذکر کی ہے جو یہاں ابوداؤد میں ہے، اور امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں کسی قدر اہتمام سے اس سلسلہ کی متعدد روایات کی تخریج فرمائی ہے، انہوں نے عبداللہ بن مسعود کے علاوہ ابن عباس اور ایک اور صحابی یعنی نبیط بن شریط کی روایت ذکر کی ہیں۔

فائدہ: خطبہ نکاح کلام پاک میں تین آیات پر مشتمل ہے جن میں ہر ایک کی ابتداء امر بالتقویٰ سے ہے، "یایها الناس اتقوا ربکم، یایها الذین آمنوا اتقوا الله حق تقاته، یاایها الذین آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سدیداً"، خطبہ مسنونہ کا یہ اسلوب قابل غور اور توجہ ہے چونکہ نکاح سے آدمی

کی گویا ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے اور تکثیر امت کا وہ ذریعہ ہے اس لئے خاص طور سے نکاح کی ابتداء میں تقویٰ وطہارت کی تعلیم فرمائی گئی ہے تا کہ یہ نکاح اتقیاء کے وجود میں آنے کا ذریعہ ہو، نیز یہ کہ بیاہ شادیوں میں لگ کر آدمی تعیش اور لہو ولعب میں مبتلا نہ ہو جائے واللہ الموفق۔ (الدرالمنضود: ۴۴/۴)

بلا خطبہ نکاح بے برکت ہے

{۳۰۰۲} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کُلُّ خُطْبَةٍ لَیْسَ فِیْهَا تَشَهُّدٌ فَهِیَ کَالْیَدِ الْجَذْمَاءِ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۱۰، باب ماجاء فی خطبۃ النکاح، کتاب النکاح، ۱۱۰۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ کٹے ہاتھ کی طرح ہے۔ (ترمذی) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: کل خطبة: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کے معنی تزوج یعنی شادی کرنا عورت کو بیوی بنالینا لکھا ہے، مظاہر حق کے مصنف نے شاہ اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم نے اپنے اساتذہ سے اس لفظ کو ''خ'' کے پیش کے ساتھ سنا ہے اور حضرت عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہی مفہوم ہوتا ہے، صاحب التعلیق الصبیح نے بھی ضمہ لکھا ہے اور اگر چہ اس حرکت کے سلسلہ میں کوئی گفتگو تو نہیں کی لیکن اس موقعہ پر اور جو لکھا ہے اس کا حاصل خاء کا ضمہ ہونا ہی ہے، اور سید جمال الدین نے فرمایا کہ مظہر اور زین العرب نے اس حدیث کی شرح کے ضمن میں یہ لکھا ہے ''الخطبة بالکسر طلب التزوج'' یعنی خطبہ کے خاء کو کسرہ ہے جس کے معنی منگنی کرنا، پیغام نکاح دینا ہیں، علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زین العرب کی یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خطبہ یہاں پر خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں اس پر دلالت ہے کہ وہ

ضمہ کے ساتھ ہے اس ناچیز کو یہ اشکال ہے کہ اگر خاء کو ضمہ تسلیم کیا جائے تو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے معنی یہ ہوئے کہ جس خطبہ نکاح میں ذکر شہادتین اور حمد وثناء وغیرہ نہ ہوں وہ خطبہ مثل آدمی کے کٹے ہوئے ہاتھ کے ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں اور جو خطبہ حاجت یعنی نکاح وغیرہ پچھلی حدیث میں گذرا اس میں یہی سب تو ہے یعنی حمد وثناء واستعانت باللہ ومثل ذالک ہیں، و بالجملہ حمد وثناء واستعانت باللہ والتعوذ منہ سب شہادتین میں داخل ہیں اس لئے کہ شہادت نہ ہو تو حمد وثناء اور استعانت تعوذ باللہ کا کوئی سوال نہیں ہے اور یہی معاملہ آیات کا ہے کہ توحید ورسالت کے اقرار کے بغیر وہ بھی کالعدم ہیں اور اس وضاحت کے بعد حدیث پاک کا خاء کے ضمہ کے ساتھ اس جملہ کہ جس خطبہ نکاح میں تشہد نہ ہو وہ کالجذ ماء ہے، کا صحیح مفہوم نکالنا دشوار ہے اس لئے کہ خطبہ نکاح میں تشہد یعنی ذکر شہادتین اور اسی میں شامل دیگر اجزاء مذکورہ کے بغیر پھر اور کیا ہوگا کہ جس کو خطبہ کہا جاسکے، اس لئے ملا علی قاری نے سید جمال الدین مظہر اور زین العرب کا اس کے بالکسر ہونے کا قول نہ صرف اصح ہے بلکہ یہی صحیح معلوم ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ یہ کہ خطبہ بالکسر سے توسعاً تزوج مراد لیا جائے جیسا کہ علامہ قاری نے لیا ہے واللہ اعلم بالصواب، "الجذماء" کے معنی کٹا ہوا ہاتھ یا کٹی ہوئی انگلی یا کوڑھ کے ہیں علامہ تورپشتی نے فرمایا تشہد "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ" ہے اور اسی شہادت کے ذریعہ ثناء کی بھی تعبیر کی جاتی ہے اس لئے کہ اللہ کی ثناء سب سے صحیح اور سب سے عظیم شہادت ہے۔ (انوار المصابیح: ۶/۷۷، مرقاۃ: ۶/۲۸۴)

مذاہب

فھی کالید الجذماء: اہل ظواہر کے نزدیک نکاح میں خطبہ پڑھنا شرط ہے بغیر اس کے نکاح صحیح نہیں ہوگا مگر جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک خطبہ شرط نہیں ہے بلکہ مستحب ہے بغیر اس کے نکاح میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوگا، اہل ظواہر نے ان احادیث سے استدلال کیا جن میں بغیر خطبہ کو "کالید الجذماء واقطع وابتر" کہا گیا، جمہور ائمہ دلیل پیش کرتے ہیں ابو داؤد شریف کی حدیث سے کہ "ان رجلا من بنی سلیم خطب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امامۃ بنت عبد المطلب فانکحہ من غیر ان یتشھد" بنو سلیم کے ایک شخص نے حضرت نبی کریم ﷺ کو امامہ بنت عبد

المطلب کا پیغام دیا پس آنحضرت ﷺ نے انکا ان سے بلا خطبہ نکاح فرمادیا۔ تو اس سے واضح ہوا کہ نکاح بغیر خطبہ درست ہو جاتا ہے، انہوں نے جو حدیث پیش کیں ان کا جواب یہ ہے کہ وہاں استحباب مراد ہے کیونکہ وہاں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو وجوب وشرط پر دال ہو بلکہ وہاں بے برکتی کہا گیا ہے جسکے قائل جمہور بھی ہیں ۔(درس مشکوۃ:۸۰/۳)

اہم کام کو حمد باری تعالیٰ سے شروع کرنا

{۳۰۰۳} **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اَمْرٍ ذِىْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حوالہ: ابن ماجہ: ۱۳۶، باب خطبۃ النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۹۴۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ہر وہ اہم کام جو اللہ کی حمد سے شروع نہ کیا جائے نہایت بے برکت ہو جاتا ہے ۔(ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی اہم کام شروع کیا جائے مثلاً کسی جگہ جھگڑے میں صلح کرانا ہے یا کسی دینی محفل میں تقریر کرنا ہے یا نکاح کرنا ہے تو ان جیسے تمام امور میں سب سے پہلے اللہ کی حمد کرنا چاہئے پھر اس عمل کو شروع کرنا چاہے ہمارے عرف کے اعتبار سے یوں کہہ لیجئے کہ ان امور کی انجام دہی سے پہلے خطبہ ضرور پڑھ لینا چاہئے ۔

امر ذی بال: ہر شاندار چیز جس سے نفع کی توقع وابستہ ہو، "لا یبدأ" اگر اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بغیر شروع کیا گیا تو وہ "اقطع" یعنی برکت سے کٹا ہوا ہوگا اس میں کسی قسم کا فیض نہیں ہوگا، اگر زیادہ موقع نہیں ہے تو کم از کم "بسم الله الرحمن الرحيم" ہی پڑھ لینا چاہئے صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے "لا يبدا بسم الله الرحمن الرحيم" بھی ہے اور اس کو ابن حبان نے روایت کیا ہے ۔(مرقات:۶/۲۱۷)

اس میں آپ ﷺ نے زندگی میں پیش آنے والے ہر معاملہ کو اللہ کے نام سے شروع

کرنے کی تلقین کی ہے ایک موقع پر آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ "قُلْ بسم الله وكل بيمينك وكل مما يليك" (بخاری) بسم اللہ پڑھ کر تناول کرو، داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے کھاؤ۔

اللہ کے نام سے عمل کی ابتداء کی حکمت: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی حکمت لکھتے ہیں کہ اسلام نے ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کی ہدایت کرکے انسانوں کی پوری زندگی کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح پھیر دیا ہے کہ وہ قدم قدم پر اس حلف وفاداری کی تجدید کرتا رہے کہ میرا وجود اور میرا کوئی کام بغیر اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادے اور اس کی امداد کے نہیں ہوسکتا، غور کیجئے اسلام کی صرف اسی ایک ہی مختصر تعلیم نے انسان کو کہاں سے کہاں پہنچادیا ہے، اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ بسم اللہ ایک نسخہ اکسیر ہے جس سے تانبے کا نہیں خاک کا سونا بنتا ہے۔ (معارف القرآن، جلد اول)

نکاح کے مستحبات

{۳۰۰۴} وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَأَضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ۔ (رواه الترمذی) قال هٰذا حديث غريب۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۰۷، باب ماجاء فی اعلان النکاح، حدیث نمبر: ۱۰۸۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ نکاح کا اعلان کیا کرو، اور نکاح مسجد میں کیا کرو، اور نکاح پر دف بجاؤ، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث میں تین باتوں کی تاکید ہے۔ (۱) نکاح کا اعلان کرو، مطلب یہ ہے کہ نکاح اعلانیہ کرو، خفیہ طور پر نکاح نہ کرو۔ (۲) مسجد کی برکت کی حصول کی خاطر مسجد میں نکاح کا اہتمام کرو۔ (۳) نکاح کی اچھی طرح تشہیر ہوجائے اور اس موقع پر کچھ تفریح میسر آجائے، اس غرض سے

آنحضرت ﷺ نے نکاح کے موقع پر دف بجانے کی تاکید بھی فرمائی۔

اعلنوا ہذا النکاح: یا تو یہ مطلب ہے کہ گواہوں کے ذریعہ اسکو مشتہر کرو تو اس معنی کے اعتبار سے "اعلنوا" کا امر وجوب کے لئے ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ اظہار و اشتہار کے ذریعہ اسکا اعلان کرو تو اس معنی کے اعتبار سے امر استحباب کے لئے ہوگا اور اسی کے مطابق یہ ہے۔ "واجعلوہ فی المساجد" یعنی یہ امر تو برائے استحباب ہی ہے اور مسجد میں نکاح کرنے کی مصلحت ایک تو یہ ہے کہ وہاں اچھی طرح مشتہر ہو جائے گا، اور یہ مصلحت تو آج کل بالعموم مفقود ہے اس لئے کہ مسجد میں نکاح سننے کے لئے کم لوگ جاتے ہیں بلکہ بارات کی دلچسپیوں میں ہی لگے رہتے ہیں اس سے زیادہ جہاں رات ٹھہرتی ہے وہیں پر لوگ زیادہ ہوتے ہیں لیکن دوسری مصلحت یعنی اللہ کے گھر کی برکت کا حصول تو یہ بالیقین وہاں حاصل ہوگی اور علامہ قاری نے فرمایا کہ اور مناسب یہ ہے کہ اس میں زمانہ کی فضیلت کی بھی رعایت کی جائے تاکہ "نور علی نور" اور "سرور علی سرور" ہو جائے مطلب غالباً یہ ہے کہ فضیلت والا دن مثلاً جمعہ یا مہینہ مثلاً رمضان المبارک کی رعایت بھی اگر ہو سکے تو کرنا مناسب اور ان شاء اللہ وجہ فضیلت ہوگی۔ حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مسجد میں نکاح کرنا اس لئے مستحب ہے کہ وہ عبادت ہے اور اس لئے کہ فضیلت والا دن جمعہ ہے۔ "واضربوا علیہ ای علی النکاح" "بالدفوف" نکاح پر دف بجاؤ اور اگر واقعتا نکاح مسجد میں ہی ہو رہا ہو تو دف مسجد میں نہیں بلکہ باہر بجاؤ اور اس کا خیال رہے کہ دف میں گھنگھرو نہ ہوں۔ "وقال ھٰذا حدیث غریب" علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا غربت کا حکم پوری روایت کے اعتبار سے ہے اور حدیث کا ابتدائی حصہ یعنی "اعلنوا النکاح" کو احمد ابن حبان، طبرانی، ابو نعیم اور حاکم نے اپنی مستدرک میں ابن زبیر رضی اللہ سے مرفوعاً روایت کی ہے لہٰذا حدیث کے اس حصہ پر غریب ہونے کا حکم نہ ہوگا۔ (انوار المصابیح: ۶/۸۰، مرقاۃ: ۶/۲۸۶)

فائدہ: مسجد میں نکاح کے فوائد: (۱) مسجد اللہ کا گھر ہے، (۲) دنیا کی جگہوں میں سب سے بہتر جگہ ہے، (۳) نکاح عامۃً کسی نماز کے بعد ہوتا ہے تو نکاح میں شرکاء سب نمازی ہوں گے، (۴) سب باوضو ہوں گے، (۵) سب خدائے پاک کی طرف متوجہ ہوں گے، (۶) گانے بجانے، فوٹو گرافی، فلم سازی وغیرہ سے حفاظت ہوگی، اس لئے مسجد میں نکاح ہونے میں برکت بھی زیادہ ہوگی اسلئے مسجدوں میں

نکاح کا اہتمام کرنا چاہئے مگر افسوس اب مسجدوں میں نکاح کا سلسلہ بھی ختم ہوتا جارہا ہے۔

نکاح اعلانیہ ہونا چاہئے

{۳۰۰۵} **وَعَنْ** مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ الْجُمَحِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَصْلُ مَابَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَالدُّفُّ فِي النِّكَاحِ۔ (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه)

حواله: احمد: ۴۱۸/۳، ترمذی شریف: ۲۰۷/۱، باب ماجاء فی اعلان النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۰۸۸، نسائی شریف: ۷۵/۲، باب اعلان النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۳۶۹، ابن ماجه شریف: ۱۳۶، باب اعلان النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۹۶۔

ترجمه: حضرت محمد بن حاطب جمحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ نکاح میں حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی چیز آواز اور دف بجانا ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث میں نکاح کے اعلان کرنے کی اہمیت کا بیان ہے، یہ مقصد نہیں ہے کہ اگر نکاح بغیر اعلان کے ہوگا تو ناجائز یا حرام ہے، نکاح کی درستگی کے لئے دو گواہوں کی موجودگی کافی ہے، البتہ اعلان نکاح امر مستحب ہے شریعت میں اس کی بڑی تاکید ہے۔

الصوت والدف: خفیہ طور پر گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا ہے اگر کوئی کرتا ہے تو وہ زنا کاری میں مبتلا ہوتا ہے نکاح کے لئے دو گواہ لازم ہیں اور تشہیر مستحب ہے تشہیر دف بجا کر بھی ہوسکتی ہے اور نظم اور گیت گا کر بھی ہوسکتی ہے۔ بس ایسا انتظام کر دیا جائے کہ پاس پڑوس والے نکاح سے مطلع ہوجائیں روشنی اور جھنڈی وغیرہ کے انتظام سے بھی مطلع کیا جاسکتا ہے، حدیث کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ پورے شہر کو دف بجا کر اور ڈھول اور تاشے کا انتظام کرکے مطلع کیا جائے اس میں اشارہ ان نکاحوں کے بطلان کا بھی ذکر ہے جو اہل عرب کے یہاں رائج تھے۔

شادی میں گانا

{۳۰۰٦} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهَا قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِيْ جَارِيَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ زَوَّجْتُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةَ اَلَا تُغَنِّيْنَ فَإِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْاَنْصَارِ يُحِبُّوْنَ الْغِنَاءَ۔ (رواه ابن الحبان فی صحیحه)

حواله: صحیح ابن حبان: ۱۸۵/۱۳، فصل فی السماع، کتاب الخطر والاباحة، حدیث نمبر: ۵۸۷۵۔

حل لغات: الجارية: باندی کمسن عورت، لڑکی، نوکرانی، غنی تغنیه: گانا گانا، ترنم سے شعروغیرہ پڑھنا، الحی: زندہ: محلہ، زندہ دل، الغناء: گانا، نغمہ موسیقی۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی، جب میں نے اس کا نکاح کیا تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اے عائشہ! کیا تم گانا نہیں گاتی ہو؟ بے شک انصار کی قوم گانے کو پسند کرتی ہے۔ (صحیح حبان)

تشریح: شادی کے موقع پر ترنم کے ساتھ مناسب اشعار پڑھنے کی اجازت ہے، بلکہ اظہار خوشی کے لئے مستحسن عمل ہے، لیکن واہی تباہی گانے بجانے سے گریز کرنا چاہئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیر موجودہ کو خطاب کیا تھا، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی گانے والی کا انتظام کردیں، کیونکہ انصاریوں کی محبوب شئ ہے، ان ہی کی قوم کی لڑکی کی شادی ہے، لہٰذا ان کی خوشی کا خیال رکھنا بہتر ہے۔

الا تغنین: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرکے کہا ہے کہ کیا تم کسی سے گانے کے لئے نہیں کہہ رہی ہو؟ یا گانے کا بندوبست نہیں کر رہی ہو؟ اس کے بعد والی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ہے کہ کیا تم نے لڑکی کے ساتھ کوئی گانے والی بھیجی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار ایسی قوم ہے جس میں گانے کا شوق

ہے،لہٰذا تم کو ایسی عورت بھیجنا چاہئے۔جو گائے،اتینا کم اتینا کم، فحیانا وحیا کم۔

ان احادیث سے بہ ظاہر نہ صرف غنا کا جواز بلکہ شادی کے موقع پر اس کے اہتمام کرنے کی تاکید معلوم ہورہی ہے چونکہ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے،لہٰذا گانا گانے،غناء کے جواز عدم جواز میں جو اختلاف ہے،اس کو نقل کیا جاتا ہے۔

غناء کیا ہے؟ غنا کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔(۱) غناء کے معنی اشعار کو ترنم کے ساتھ پڑھنا۔(۲) قواعد موسیقی کے رعایت کے ساتھ مخصوص انداز میں گانا گانا،غناء کے جواز عدم جواز میں اختلاف ہے۔

قائلین جواز: ابراہیم ابن اسعد مدنی اور بعض اہل حجاز کے نزدیک جو گانا گانے کے آلات سے خالی ہو وہ مباح ہے۔

قائلین عدم جواز: امام ابوحنیفہ امام ثوری اور اکثر فقہاء ومحدثین کے نزدیک غناء مطلقاً حرام ہے،اسی طرح سارنگی ہارمونیم وغیرہ ہے۔

قائلین جواز کے دلائل: حدیث باب اور اگلی دونوں احادیث غناء کے جواز پر صریح ہیں، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ "قالت وعندی جاریتان من جوار الانصار تغنیان بما تقاولت الانصار یوم بعاث فقال ابوبکر امزامیر الشیطان فی بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابابکر ان لکل قوم عیدا وھٰذا عیدنا" (بخاری)

جنگ بعاث کے متعلق دو انصاری لڑکیاں گانا گا رہی تھیں یعنی بہادری سے متعلق فخریہ اشعار پڑھ رہیں تھیں،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں شیطان کی بانسری بجاتی ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے درگزر کرو،اے ابوبکر! ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے اور آج ہماری عید ہے،اس کے علاوہ بھی بعض دلائل ہیں جن سے غناء کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

قائلین عدم جواز کے دلائل: (۱) وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ... (الآیۃ) اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی باتوں کے خریدار بنتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ

لوگوں کو بے سمجھے بوجھے اللہ کے راستے سے بھٹکائیں اور اس کا مذاق اڑائیں، ان لوگوں کو وہ عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ (سورۃ لقمان: ۶) حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیت گانے بجانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

"عن جابر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الزرع" غناء سے دل میں ایسے ہی نفاق پروان چڑھتا ہے جیسے کھیتی پانی سے پھلتی پھولتی ہے، معلوم ہوا کہ مغنی اور منافق میں خاص مشابہت ہے۔ "عن علی قال النبی صلی الله علیه وسلم بعثت بکسر المزامیر" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ کو مزامیر کو توڑنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن وحدیث میں بہت سے دلائل ہیں جن سے غناء کی حرمت صاف طور پر ثابت ہوتی ہے۔

جوابات: (۱) احادیث باب اور اس کے بعد والی حدیث میں جو غناء ہے وہ گانا بجانا نہیں ہے، بلکہ صرف ٹھہر کر شعر پڑھنا مراد ہے، اسی کو غناء سے تعبیر کیا گیا ہے، نیز ان کو پاکیزہ قلوب کے سامنے سنانے کی بات ہے، اور عصر حاضر میں خواہش نفس کے بندے سنتے ہیں، جس کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (۲) جنگ بعاث سے متعلق بچیاں جو اشعار پڑھ رہی تھیں وہ درحقیقت بہادرانہ کارناموں پر مشتمل ترانہ تھا، اس میں راہ حق میں ان کے آباواجداد کی طرف سے پیش کی گئی قربانیوں کا تذکرہ تھا، وہ آج کل کے فحش گانے اور عشقیہ غزلوں جیسا نہیں تھا، اس کے علاوہ علامہ ابوطیب طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں غناء کے جواز وعدم جواز دونوں پر کافی دلائل ہیں، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ جواز کے دلائل کو غناء کے معنی اول پر محمول کیا جائے جو کہ درحقیقت صرف اشعار کو ٹھہر کر یا ترنم سے پڑھنا ہے، اور عدم جواز کے دلائل کو غناء کے معنی ثانی پر محمول کیا جائے، سطور بالا میں غناء کے دونوں معنوں کی وضاحت ہو چکی ہے۔

سماع کی وضاحت: مناسب ہے کہ مختصر طور پر یہاں پر سماع کی وضاحت بھی ہو جائے، سماع سے مراد گانا قوالی سننا ہے، اس سلسلہ میں آراء مختلف ہیں۔

جمہور علماء کا مذہب: جمہور علماء کے نزدیک سماع مکروہ تحریمی ہے۔

دلیل: ایک موقع پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بانسری کی آواز سنتے ہی اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں، اور فرمایا: "کنت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم: فسمع صوت یراع فصنع مثل ما صنعت" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گانے کی آواز سنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا جیسا میں نے کیا۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "استماع الملاهی هی معصیة" اسی طرح وہ تمام دلائل جن سے غناء کی حرمت ثابت ہے، ان سے سماع کی حرمت بھی ثابت ہوگی۔

علماء حجاز کا مذہب: بعض علماء حجاز اور علماء مدینہ اور صوفیاء کے نزدیک سماع جائز ہے اور وہ سماع کا اہتمام کرتے تھے۔

دلیل: (۱) وہ تمام دلائل جن سے غناء کا جواز ثابت ہے، سماع کا جواز بھی ثابت ہوگا، (۲) قال النبی صلی الله علیه وسلم فی مدح ابی موسیٰ الاشعری لقد اعطی مزمارا من مزامیر آل داؤد" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی مدح میں فرمایا کہ: ان کو آل داوٗد کی آواز کا ایک حصہ دیا گیا ہے۔ (مشکوۃ)

تنبیہ: جن بزرگوں نے سماع کو جائز قرار دیا ہے ان کے قول کو حجت بنا کر آج کل کے گانوں کے سننے کو جائز قرار دینا ان بزرگوں پر بہتان باندھنے کے سوا کچھ نہیں ہے، بزرگان دین کے یہاں جو سماع رائج تھا اس کی حقیقت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے والے اشعار کسی اچھی آواز والے سے ترنم سے سنتے تھے، اسی سے قلب میں عشق الٰہی کا جوش پروان چڑھتا تھا۔

سماع کے جواز کی شرائط: مطلقاً سماع جائز کسی کے نزدیک نہیں ہے جن حضرات نے بھی جائز قرار دیا ہے بڑی قیودات لگائیں ہیں چنانچہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ سماع کے حلال ہونے کے لئے چار شرطیں ہیں۔ (۱) مسمع گانے والا مرد ہو، امرد یا عورت نہ ہو، (۲) مستمع سننے والا یادِ حق سے غافل نہ ہو، (۳) مسموع یعنی جو چیز گائی جائے وہ فحش اور بکواس نہ ہو، (۴) آلاتِ سماع بانسری یا دیگر موسیقی کے آلات موجود نہ ہوں اس مضمون سے متعلق تفصیلات کے لئے معارف القرآن، فتح الملہم ابن تیمیہ کی السماع والرقص کا مطالعہ کیا جائے۔

گانے کا نمونہ

{۳۰۰۷} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا قَالَ اَنْکَحَتْ عَائِشَۃُ ذَاتَ قَرَابَۃٍ لَّھَا مِنَ الْاَنْصَارِ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَھْدَیْتُمُ الْفَتَاۃَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَرْسَلْتُمْ مَعَھَا مَنْ تُغَنِّیْ؟ قَالَتْ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِیْھِمْ غَزْلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَھَا مَنْ یَقُوْلُ اَتَیْنَا کُمْ اَتَیْنَا کُمْ فَحَیَّانَا وَحَیَّاکُمْ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حوالہ: ابن ماجہ شریف:۱۳۷، باب الغناء والدف، کتاب النکاح، حدیث نمبر:۱۹۰۰۔

حل لغات: الفتاۃ: یہ مؤنث ہے، الفتیٰ کے معنی نوجوان، مراہقت اور جوانی کے درمیان کی عمر، اھدی: ھدیٰ یھدی ھداء العروس الی بعلھا، دلہن کو شوہر کے پاس بھیجنا، الغزل: عورتوں کے ساتھ کھیل کود، لو: تمنی کے لئے بھی آتا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک انصاری رشتہ دار کی لڑکی کا نکاح کیا، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کیا تم لوگوں نے لڑکی کو شوہر کے گھر بھیج دیا، لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں بھیج دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم نے لڑکی کے ساتھ کسی کو بھیجا جو کہ گائے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا نہیں، یہ سن کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار ایک ایسی قوم ہے جو کہ گانے کی شوقین ہے، کاش تم اس لڑکی کے ساتھ اس کو بھیجتیں جو یہ کہتا "اتینا کم الخ"، ہم تمہارے پاس آئے، ہم تمہارے پاس آئے، اللہ ہم کو بھی سلامت رکھے اور تم کو بھی سلامت رکھے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: شادی کے موقع پر مناسب اشعار گانے کی اجازت ہے انصار میں یہ رسم پہلے سے چلی آرہی تھی اور وہ اس کو پسند کرتے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری لڑکی کی شادی کی، اور خوشی ومسرت کے لئے گانے والے کا انتظام نہیں کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خواہش کا اظہار

فرمایا کہ تم انصار کی خوشی کا خیال رکھتے ہوئے گانا گانے والے کولڑکی کے ساتھ روانہ کرتیں، تو انصار گانا سن کر مسرور ہوتے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے موقع پر پڑھے جانے والے اشعار کا ایک مصرعہ بھی سنایا کہ یہ پڑھنا چاہئے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ گانے سے مراد صرف اشعار کو ترنم سے پڑھنا اور اشعار بھی وہ جو فحش نہ ہوں، عشقیہ اشعار نہ ہوں بلکہ صرف وہ اشعار جن سے خوشی کا اظہار ہوتا ہو حمد خداوندی اور دعاء کے مضمون پر مشتمل ہوں۔

دو نکاحوں میں پہلا نکاح درست ہے

{۳۰۰۸} **وَعَنْ** سَمُرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِیَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا وَمَنْ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۱۲، باب ماجاء فی الولیین یزوجان، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۱۰، ابوداؤد شریف: ۱/۱۸۵، باب الولیان، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۰۸۸، نسائی شریف: ۲/۲۰۲، باب الرجل یبیع السلعة، کتاب البیوع، حدیث نمبر: ۴۶۸۲، دارمی شریف: ۱۸۷/۱۸۸، باب المرأة یزوجها الولیان، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۹۳۔

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس عورت کا نکاح اس کے دو ولی کریں، تو یہ عورت اس کی بیوی ہوگی؛ جس سے پہلے نکاح ہوا ہے، اور جس شخص نے ایک چیز دو آدمیوں کے ہاتھوں فروخت کی تو وہ چیز اس کے لئے ہوگی جس کو پہلے بیچی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: یعنی اگر کسی عورت کے ایک ہی درجہ کے دو ولی ہوں مثلاً عمین یا اخوین اور یکے بعد دیگرے دونوں ولی اس عورت کی الگ الگ جگہ شادی کر دیں تو ان دو میں نکاح اول صحیح ہوگا اور

دوسرا نکاح فاسد، اور اگر دونوں ولی ایک ساتھ مختلف جگہ نکاح کریں تو دونوں نکاح مفسوخ ہوں گے، حنفیہ اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے اس میں امام مالک کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں صحت نکاح کیلئے اتفاق اولیاء ضروری ہے لہٰذا اس صورت میں کوئی سا نکاح صحیح نہیں ہوگا، "کذا فی البذل عن البدائع"، لیکن منہل سے جس کے مصنف مالکی ہیں مالکیہ کا مسلک یہ نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ ان کے مسلک میں اس مسئلہ میں تفصیل ہے بعض صورتوں میں پہلا نکاح صحیح ہوتا ہے، بعض صورتوں میں دوسرا، فارجع الیہ لو شئت۔ (الدر المنضود:۳۹/۴)

زوجها ولیان: نابالغ لڑکے یا لڑکی کے دو ولی ہوں اور وہ برابر کے درجہ کے ہوں تب وہ مسئلہ ہے جو حدیث باب میں ہے یعنی پہلے کا نکاح نافذ ہوگا اور دوسرے کا کالعدم ہوگا۔

ومن باع بیعاً: جس نے پہلے خریدا چیز اس کی ہوگی، لیکن اگر دونوں نے ساتھ خریدا ہے تو اس چیز کی بیع میں دونوں مشترک رہیں گے، اور عقد بیع اشتراکاً صحیح ہوگا۔ (مرقاۃ:۲۱۹/۶)

{الفصل الثالث}

ابتداء اسلام میں متعہ

{۳۰۰۹} **عَنِ** ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كُنَّا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَنَا لَيْسَ نِسَاءٌ فَقُلْنَا اَلَا نَخْتَصِيْ فَنَهَانَا عَنْ ذَالِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا اَنْ نَسْتَمِعَ فَكَانَ اَحَدُنَا يَنْكِحُ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ اِلٰى اَجَلٍ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا الطَّيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۲/ ۷۶۳، باب لاتحرموا الطیبات ما احل اللہ لکم، سورة مائدہ، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۶۱۵، مسلم شریف: ۱/ ۴۵۰، باب نکاح المتعة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۰۴۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک تھے، اس وقت ہمارے ساتھ ہماری عورتیں نہیں تھیں، چنانچہ (جنسی ہیجان کی بنا پر) ہم نے کہا کہ کیا ہم خصی ہو جائیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے منع فرما دیا، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو متعہ کرنے کی اجازت عطا فرما دی، چنانچہ ہم میں سے بعض لوگوں نے کپڑے کے عوض ایک متعینہ مدت کے لئے نکاح کیا، پھر عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی "يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللهُ لَكُمْ" اے ایمان والو! جن پاکیزہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے تم ان کو حرام نہ سمجھو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ابتداء اسلام میں متعہ جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا، بعض صحابہ کو نسخ کا علم نہیں ہوا، لہٰذا وہ جواز کے قائل رہے ان میں حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود بھی ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بعد میں نسخ کا علم ہو گیا، چنانچہ وہ بھی حرمت کے قائل ہو گئے تھے، ممکن ہے کہ حضرت عبد اللہ مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اخیر میں اباحت کے فتوی سے رجوع کیا ہو، اس حدیث سے تو یہی بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ وہ جواز کے قائل تھے، اس بنا پر انہوں نے قرآن مجید کی آیت مذکورہ پڑھی، جس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ جب شریعت نے متعہ کی اجازت دی ہے تو پھر ہم اس کو کیسے حرام کریں؟

لیس معنا نساء: یعنی ہماری بیویاں یا لونڈیاں ہمارے ساتھ نہ تھیں جب کہ ہم کو ان کی خواہش ہی تھی علامہ قاری نے فرمایا کہ ان کا یہ جملہ ان کی کمال درجہ کی شجاعت اور مردانگی پر دلالت کرتا ہے نیز ان کے قلوب کی قوت اپنے پروردگار پر ظاہر کرتا ہے "فقلنا الا نختصی؟" تو ہم نے عرض کیا کہ کیا ہم خصی ہو جائیں تاکہ شہوت نفسانیہ وسوسہ شیطانیہ سے ہم کو نجات مل جائے، "فنہانا عن ذالك" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یعنی خصی ہو جانے سے منع فرما دیا "ثم رخص لنا ان نستمتع" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو متعہ کرنے کی یعنی ایک متعینہ مدت کے تک کے لئے نکاح کرنے کی اجازت دے دی، "فکان احدنا ینکح المرأة بالثوب الی اجل" اجازت متعہ کے بعد ہم میں کا کوئی کوئی حسب ضرورت عورت سے کپڑے کے بدلے ایک متعینہ مدت کے لئے نکاح کر لیتا تھا، "احدنا ینکح" میں "ینکح" سے "یتمتع" مراد لیا ہے، اس لئے کہ فقہاء نے متعہ اور نکاح موقت پر

فرق کیا ہے اس لئے کہ متعہ اب بالاتفاق باطل ہے اور نکاح موقت بھی جمہور کے نزدیک باطل ہے اور احناف میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نکاح صحیح ہو جائے گا، اور شرط باطل ہوگی، اور ابن ہمام نے فرمایا کہ اگر کسی آدمی نے شادی کی اور نیت میں یہ ہے کہ اس کو اتنی مدت مثلاً ایک ماہ یا ایک ہفتہ بعد طلاق دیدوں گا، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے نیز نکاح نہاریارات یعنی نکاح اس شرط پر کیا کہ بیوی اس کے پاس دن میں رہے گی رات میں نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور پھر رات کے ساتھ قیام کی شرط بدرجہ اولیٰ صحیح ہے۔ "ثم قرا عبد اللہ یا ایھا الذین آیۃ" علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت کریمہ کی تلاوت اس موقع پر اس بات پر دلالت ہے کہ متعہ کی اباحت کے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرح یہ بھی قائل تھے، متعہ کے اباحت کے اپنے قول سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی بنا پر رجوع کر لیا تھا جس کی صراحت اگلی حدیث میں ہی آرہی ہے البتہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کے اس قول سے رجوع کے صراحت موجود نہیں ہے شارحین کا خیال ہے کہ غالباً انہوں نے اس سے رجوع کر لیا ہوگا اور یا پھر متعہ کی تحریم کی نص ان تک پہنچ نہ سکی ہو اور وہ اباحت کے قول پر آخر تک قائم رہے ہوں اور یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے، کہ ان کے نزدیک ضرورت کے موقعہ پر رخصت کے طور پر جائز تھا ان کی روایات کردہ حدیث سے یہی معلوم بھی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (انوار المصابیح: ۸۳/ ٦، مرقاۃ: ۲۸۹/ ٦)

متعہ سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ کا رجوعی قول

{۳۰۱۰} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ اِنَّمَا کَانَتِ الْمُتْعَۃُ فِی اَوَّلِ الْاِسْلَامِ کَانَ الرَّجُلُ یَقْدَمُ الْبَلْدَۃَ لَیْسَ لَہٗ بِہَا مَعْرِفَۃٌ فَیَتَزَوَّجُ الْمَرْأَۃَ بِقَدْرِ مَایَرٰی اَنَّہٗ یُقِیْمُ فَتَحْفَظُ لَہٗ مَتَاعَہٗ وَ تُصْلِحُ لَہٗ شَیَّہٗ حَتّٰی اِذَا نَزَلَتِ الْاٰیَۃُ اِلاَّ عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَکُلُّ فَرْجٍ سِوَاھُمَا فَھُوَ حَرَامٌ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۱۳/۱، باب ماجاء فی نکاح المتعۃ، حدیث نمبر: ۱۱۲۲۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ متعہ صرف ابتداء اسلام میں تھا، جب کوئی آدمی کسی شہر میں آتا اور اس شہر میں اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی تو وہاں وہ شخص کسی عورت سے اتنی مدت کے لئے نکاح کر لیتا جتنی مدت تک اس کو ٹھہرنا ہوتا، چنانچہ وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کیلئے کھانا پکاتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی، "الا علی ازواجھم الخ:" ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان دو کے علاوہ ہر شرمگاہ حرام ہے۔(ترمذی)

تشریح: زمانہ جاہلی میں متعہ اور نکاح موقت کا رواج تھا، شروع میں اسلام نے اس کو باقی رکھا لیکن باقی رکھنا شہوت رانی کی غرض سے نہیں، بلکہ خانگی مصالح کے پیش نظر تھا، جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ اجنبی مسافر آدمی کا پردیس جا کر پریشان ہونا کسی سے شناسائی نہ ہونے کی بنا پر سامان کی حفاظت اور کھانے پینے کی پریشانی کا مسئلہ درپیش ہونا اس وجہ سے شریعت نے کچھ مدت تک کے لئے متعہ کو جائز رکھا، پھر غزوہ خیبر کے موقع پر اس کو حرام قرار دیا، پھر فتح مکہ کے معاً بعد عام اوطاس میں صحابہ کے ہیجان کی بنا پر صرف تین دن کے لئے اس کو جائز قرار دیا پھر حرام کر دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ شروع میں متعہ کو جائز سمجھتے تھے، بعد میں انہوں نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا، اور انہوں نے بھی صراحت کر دی کہ بیوی اور باندی کے علاوہ صحبت کرنا حرام ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں فرمایا: "ان المستمتعة لیست زوجاله" یعنی متعہ کے طور پر حاصل کی گئی عورت بیوی نہیں ہوتی۔ "فوجب ان لا تحل" اس لئے یہ واجب ہوا کہ وہ حلال نہ ہو۔ "قال ابن عباس: فکل فرج سواھما فھو حرام" یعنی بیوی اور باندی کے علاوہ ہر ایک کی شرمگاہ حرام ہے اور مستمعہ بیوی ہے نہیں لہٰذا وہ بھی حرام ہے۔ ابن ہمام نے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور پھر اس کے مطابق حکم کیا، اور علامہ قاری نے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیثوں سے ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے جواز مطلق سے رجوع کیا ہے یعنی پہلے کی طرح بلا قید ضرورت کے اب وہ جائز نہیں ہے اور ضرورت کے وقت انہوں نے اسکو رخصت قرار دیا ہے، اور یہ بات تو بہت ہی تعجب خیز ہے کہ شیعوں نے حضرت علی کرم اللہ کی اس روایت کو "ان علیا رضی اللہ عنہ سمع بن عباس یلین فی متعة النساء فقال مهلا یا ابن

عباس فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عنہا یوم خیبر وعن لحوم الحمر الانسیۃ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ عورتوں کے متعہ کے سلسلہ میں نرم پہلو رکھتے ہیں تو فرمایا چھوڑ دو اے ابن عباس رضی اللہ عنہ بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ روز خیبر اس سے اور پالتو گدھوں سے منع فرمایا ہے۔ اس روایت کو تو چھوڑ دیا اور متعہ سے مخصوص دلچسپی کی وجہ سے مسلم شریف کی اس مضبوط حدیث کی طرف توجہ نہ کی اور ابن عباس کے متنازع فیہ مسلک پر جواز مطلق کا پہلو تلاش کرلیا اور پھر اسی سے اپنی زندگی کو رنگین بنانے کی کوشش کی اور پھر متعہ کے ایسے ایسے فضائل گھڑ لئے کہ عقل حیران اور شرافت پریشان ہے، متعہ کے فضائل شیعوں کی معتبر ترین کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں جنکے نقل کے لئے یہ صفحات متحمل نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعہ کے سلسلہ میں پہلے جو خیالات تھے وہ منقول ہیں بعض یہاں بھی لکھے گئے آخر میں حضرت سعید بن جبیر کی روایت ملاحظہ ہو: "قال ای سعید بن جبیر" لابن عباس حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جسکا حاصل یہ ہے کہ میں نے ذاتی طور پر ابن عباس سے متعہ کے سلسلہ میں اعتراض کے طور پر بعض لوگوں (شعرا) کے خیالات بتائے تو انہوں نے فرمایا: "سبحان اللہ! بھٰذا افتیت وماھی الا کالمیتۃ والدم ولحم الخنزیر ولا تحل الا للمضطر۔ (رواہ الترمذی، انوار المصابیح: ۸۵/۶، مرقاۃ: ۲۹۱/۶)

گانا گانے کی رخصت

{۳۰۱۱} **وَعَنْ** عَامِرِ بْنِ سَعَدٍ رَحْمَۃُ اللہُ عَلَیْہِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی قَرَظَۃَ بْنِ کَعْبٍ وَاَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ فِیْ عُرْسٍ وَاِذَا جَوَارٍ یُغَنِّیْنَ فَقُلْتُ اَیْ صَاحِبَیْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَھْلَ بَدْرٍ یُفْعَلُ ھٰذَا عِنْدَکُمْ فَقَالَا اِجْلِسْ اِنْ شِئْتَ فَاسْمَعْ مَعَنَا وَاِنْ شِئْتَ فَاذْھَبْ فَاِنَّہٗ قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِی اللَّھْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۷۷/۲، باب اللھو والغناء عند العرس، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۳۸۳۔

حل لغات: العرس: زفاف، شادی رخصتی وغیرہ، اللھو: کھیل کود، تفریحی مشغلہ، دخل علیه المکان، کسی کے پاس پہنچ کر ملاقات کرنا۔

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شادی میں پہنچا، جہاں حضرت قرظہ بن کعب اور حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ موجود تھے، وہاں کچھ بچیاں گانا گا رہی تھیں، تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول کے صحابیو اور بدر والو یہ کیا کیا جا رہا ہے تمہاری موجودگی میں؟ تو ان دونوں نے کہا اگر چاہو تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ سنو، اور اگر چاہو تو چلے جاؤ، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں شادی کے موقع پر تفریحی مشغلہ کی اجازت دی ہے۔ (نسائی)

تشریح: دخلت علی قرظہ: قاف راء اور ظاء کو فتحہ ہے، "ابن کعب" یہ خزرجی انصاری ہیں، "واذا جوار" یا تو چھوٹی چھوٹی بچیاں مراد ہیں یا باندیاں، "یغنین" یعنی گویا جشن شادی مناتے ہوئے گا رہی تھیں، "فقلت ای صاحبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" منادی ہونے کی وجہ سے "صاحبی" منصوب ہے اور اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ حذف ہوا ہے۔ "اھل بدر" ان دو صحابیوں سے مخاطب ہونے کا انداز یہ ہے کہ پہلے ان حضرات کو ان کی عظمت شان کی طرف توجہ دلائی کہ آپ صحابی رسول ہیں اور بالیقین یہ مقام خود انتہائی بلند ہے اور اس کے بعد فضیلت کی دوسری چیز آپ کا بدریین میں ہونا اصحاب بدر کی وہ فضیلت ہے کہ اگر ان کے نام لیکر دعا کی جائے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے ان عظمتوں کے باوجود "یفعل ھذا عندکم" یعنی گانا آپ کے پاس گایا جا رہا ہے اور آپ سن رہے ہیں، واضح رہے کہ "عندکما" کے بجائے "عندکم" یا تو تغلیباً فرمایا اور یا اس لئے بھی کہ جمع کم سے کم دو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ صورت حال آپ کے احوال رفیعہ کے منافی ہے، "فقالا اجلس ان شئت فاسمع معنا" ان دونوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا: تقریر نہ کیجئے اگر چاہیں تو تشریف رکھیں اور ہمارے ساتھ آپ بھی سنیں۔ "وان شئت فاذھب" اور اگر آپ کو یہ گوارا نہ ہو تو آپ چاہیں تو چلے جائیں اور بات دراصل یہ ہے، "فانہ قد رخص لنا فی اللھو عند العرس" عام حالات کے احکام دوسرے ہیں اور شادی کے موقعہ پر تفریحی مشغلہ کی رخصت دی گئی ہے اور ان حضرات صحابہ کرام کی منشاء یہ بتانا معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح عزیمت کو پسند کرتا ہے اسی طرح رخصت کو بھی پسند فرماتا ہے۔ (انوار المصابیح: ۶/۸۶، مرقاۃ: ۶/۲۹۱)

{باب المحرمات}

اُن عورتوں کا بیان جن سے نکاح حرام ہے

اس بات کے تحت کل بیس روایتیں درج کی گئی ہیں جو محرمات سے نکاح کی ممانعت، رضاعت سے حرمت، بیک وقت چار سے زائد عورتوں کے جمع کرنے کی ممانعت اور جمع بین الاختین کی حرمت جیسے مسائل پر مشتمل ہیں۔

نکاح کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت محرمات میں سے نہ ہو اس باب میں اسی بات کی تفصیل بیان کی جائے گی کہ کون کون عورتیں محرمات میں سے ہیں کہ جن سے نکاح حرام ہے جن قرابت داروں سے ازدواجی تعلق قائم کرنا اسلام کی نظر میں ممنوع اور حرام ہے انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔(۱) محرمات نسبیہ (۲) محرمات رضاعیہ، (۳) محرمات بالمصاہرت۔

(۱)... **محرمات نسبیه:** یعنی جن عورتوں سے نسبی رشتہ ہے ان میں حسب تصریح قرآن حکیم سات رشتہ کی عورتیں ایسی ہیں کہ ان کے رشتہ کے احترام میں ان سے ازدواجی تعلق قائم کرنا ممنوع اور حرام ہے اور وہ سات عورتیں یہ ہیں۔

(۱)......مائیں، (اس میں سب اصول آگئے، یعنی ماں کی ماں نانی پرنانی وغیرہ)

(۲)......بیٹیاں، (ان میں سب فروع داخل ہیں، یعنی لڑکی کی لڑکی وغیرہ نیچے تک)

(۳)......بہنیں، (خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی)

(۴)......پھوپھیاں، (اس میں باپ اور باپ سے او پر دادا وغیرہ کی تینوں قسموں کی بہنیں داخل ہیں)

(۵)......خالائیں، (اس میں ماں اور ماں سے او پر نانی وغیرہ کی تینوں قسموں کی بہنیں آگئیں)

(۶)......بھتیجیاں، (تینوں قسموں یعنی حقیقی، علاتی، یا اخیافی بھائیوں کی اولاد در اولاد سب شامل ہیں)

(۷)......بھانجیاں، (اس میں تینوں قسموں کی بہنوں کی اولاد بواسطہ و بلا واسطہ سب آگئیں)

(۱)......محرمات رضاعیہ: یعنی جن عورتوں نے دودھ پلایا ہے یہ عورتیں اگر چہ حقیقی مائیں نہیں ہیں مگر حرمت نکاح میں والدہ ہی کے حکم میں ہیں لہٰذ ماں کی اپنی اناں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ یہ نکاح کی حرمت اسی وقت ثابت ہوگی جب کہ بچپن میں جو دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے اس میں پیا ہو، رضاعت سے بھی وہ تمام سات عورتیں جو نسبی رشتے سے حرام ہوتی ہیں حرام ہوتی ہیں جیسا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "یحرم من الرضاعة مایحرم من النسب" یعنی دودھ پینے کے رشتہ سے وہ سب عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسبی رشتہ کی بنا پر حرام ہیں۔

(۳)...... حرمت بالمصاهرت: یعنی سسرالی رشتہ کی بنا پر نکاح کی حرمت۔ اس آخری قسم میں بعض حرمت غیر موبدہ بھی ہیں جیسا کہ بیوی کی بہن، بیوی کی خالہ، بیوی کی پھوپھی اور چار محرمات مؤبدہ ہیں۔ (۱) خوش دامن، (۲) ربیبہ، (۳) باپ کی منکوحہ، (۴) بہو، بیٹے کی بیوی جنکی تفصیل عالمگیری سے نقل کی جاتی ہے۔

اسباب حرمت اور اس کی تشریح

اسباب حرمت نو ہیں جن کی تفصیل فتاوی عالمگیری سے نقل کی جاتی ہے۔

(۱)... **حرمت کا پہلا سبب نسب ہے۔**

نسبی رشتہ سے حرام ہونے والی عورتیں مندرجہ ذیل ہیں، ماں بیٹی، بہن پھوپھی خالہ بھتیجی، بھانجی۔

ان کا حکم: ان سے نکاح، جماع اور جماع کو تحریک دینے والے افعال مثلاً بوس وکنار وغیرہ سب ہمیشہ کے لئے حرام ہیں۔

ماں: ماں سے جہاں اپنی حقیقی ماں مراد ہے وہاں دادی اور نانی خواہ اوپر کے درجہ سے ہوں وہ سب اس میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔

بیٹی: اس سے حقیقی بیٹی تو مراد ہے ہی مگر اس میں پوتی، نواسی اور نیچے کے

درجے تک سب شامل ہیں۔

بہن: جس طرح حقیقی بہن مراد ہے اسی طرح سوتیلی بہن خواہ صرف باپ شریک خواہ اخیافی بہن صرف ماں شریک ہو یہ سب شامل ہیں اور حرمت میں برابر ہیں۔

بھتیجی، بھانجی: اس میں جس طرح حقیقی بھتیجیاں اور بھانجیاں شامل ہیں اور وہ دوسری دونوں قسم کے بھائی بہن کی اولاد بھی مراد ہے خواہ وہ نچلے درجہ سے ہو، یہ سب ہی حرام ہیں۔

پھوپھی: حقیقی پھوپھی کے ساتھ، سوتیلی یعنی باپ شریک بہن اور ماں شریک بہن بھی شامل ہے، اسی طرح اوپر کے درجہ میں باپ کی پھوپھی، دادا کی پھوپھی دادی کی پھوپھی بھی اس میں شامل ہیں اس طرح نانی اور ماں کی پھوپھی بھی اس حرمت میں داخل ہے۔

ایک اختلافی صورت: پھوپھی کی پھوپھی کی حرمت میں تفصیل ہے، اگر کسی کی پھوپھی اس کے والد کی حقیقی بہن ہو یا سوتیلی تو اس میں پھوپھی کی پھوپھی بھی اس مرد پر حرام ہوگی اور اگر اس کی پھوپھی اس کے والد کی اخیافی یعنی ماں شریک بہن ہو تو پھر اس پھوپھی کی پھوپھی اس شخص کے لئے حرام نہ ہوگی۔

خالہ: حقیقی خالہ، سوتیلی، اخیافی ماں کی باپ شریک بہن یا صرف ماں شریک بہن اسی طرح باپ کی خالہ اور ماں کی خالہ، یہ تمام خالائیں بھی حرام ہیں۔

اختلافی صورت: خالہ کی خالہ میں تفصیل ہے۔

(۱)......اگر خالہ اس شخص کی ماں کی حقیقی بہن ہے یا اخیافی بہن ہے تو اس خالہ کی خالہ اس شخص کے لئے حرام رہے گی۔

(۲)......اگر خالہ اس شخص کی ماں کی سوتیلی یعنی باپ شریک بہن ہے تو اس خالہ کی خالہ مذکور شخص پر حرام نہ ہوگی، بلکہ حلال ہوگی۔

(۲)... حرمت کا دوسرا سبب مصاہرت ہے:

حرمت کا دوسرا سبب سسرالی رشتہ داری ہے، اس سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہونے والی عورت کو چار قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں، نمبر ۱، ساس، نمبر ۲، بیوی کی بیٹیاں، نمبر ۳، بہو، نمبر ۴، باپ کی بیویاں۔

(۱)...... ساس: بیوی کی ماں، بیوی کی دادی، بیوی کی نانی خواہ اس سے اوپر کے درجہ سے ہومثلا بیوی کے ماں باپ کی دادی و نانی وغیرہ اور بیوی کی ماں دادی وغیرہ صرف نکاح کرنے سے ہی حرام ہو جاتی ہیں۔

(۲)... **بیٹی جو بیوی سے ہو:** بیوی کی دوسرے خاوند سے بیٹی اور بیوی کے دوسرے خاوند کے بیٹوں کی اولاد خواہ نچلے درجہ سے ہومثلاً بیوی کی نواسی وغیرہ یہ سب عورتیں حرام ہیں۔

مگر اس میں شرط یہ ہے کہ بیوی سے جماع کرلیا ہو، اگر بیوی سے جماع نہیں کیا تو اس کو طلاق دے کر اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے، بیوی کی بیٹی کیلئے اس کی پرورش میں ہونے کی پابندی نہیں ہے۔

مسلک احناف: علماء احناف نے بیوی کی بیٹی کی حرمت کیلئے جماع کو ضروری قرار دیا ہے، فقط خلوت صحیحہ پر اکتفاء نہیں کیا، اگر خلوت تو ہوئی مگر جماع کا موقعہ نہیں ملا تو بیوی کی بیٹی اس کے لئے حرام نہیں ہوئی۔

(۳)... **بہو:** اپنے بیٹے کی بیوی یا پوتے کی بیوی نواسے کی بیوی خواہ نچلے درجہ سے ہو، انہوں نے اپنی بیویوں سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو بہرصورت حرام ہیں۔

لے پالک: کی بیوی حرام نہیں بشرطیکہ حرمت کی اور کوئی وجہ نہ ہو، اس کے طلاق دینے پر اس سے نکاح ہوسکتا ہے۔

(۴)... **باپ کی بیوی:** سوتیلی ماں اسی طرح دادا اور نانا کی بیویاں یعنی سوتیلی دادی، نانی خواہ اوپر کے درجہ سے ہوں محرمات ابدیہ سے ہیں ان سے نکاح و جماع ہرصورت میں حرام ہے۔

حرمت مصاہرت کا ثبوت: سسرالی رشتہ سے حرمت کا ثبوت اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ نکاح صحیح ہو اگر نکاح فاسد ہو تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، فاسد نکاح میں فقط عقد سے اس کی ماں حرام نہ ہوگی بلکہ وطی کے سبب حرام ہوتی ہے۔

(۲)......حرمت مصاہرت صحبت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے۔

خواہ وہ صحبت حلال ہو یا حرام، وہ صحبت شبہ سے ہو یا زنا سے، پس جس شخص نے کسی عورت

سے زنا کرلیا تو زانی کے لئے مزنیہ کی اصول وفروع یعنی ماں، دادی، نانی، اور بیٹی، پوتی نواسی سب حرام ہو جائیں گی۔

اسی طرح اس مزنیہ کے لئے اس شخص زانی کے اصول وفروع یعنی باپ دادا، نانا اور اس زانی کا بیٹا، پوتا نواسہ نچلے درجہ تک سب حرام ہو جاتے ہیں۔

ایک صورت: اگر کسی شخص نے کسی عورت سے جماع کیا جس کی وجہ سے درمیان والا پردہ پھٹ کر عورت کا پیشاب و پاخانہ کا مقام ایک ہوگیا تو اس صورت میں اس عورت کی ماں اس جماع کرنے والے پر حرام نہ ہوگی، کیونکہ اس حالت میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس شخص نے اس عورت کے مقام بول میں جماع کیا ہے یا پاخانہ والے مقام میں۔

البتہ اگر جماع کے بعد عورت حاملہ ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ حمل اسی شخص کے نطفہ سے ہوا ہے تو اس صورت میں اس عورت کی ماں حرام ہو جائے گی کیونکہ اب بالیقین معلوم ہوگیا کہ جماع بول والے راستے سے ہوا ہے۔

(۳)......جس طرح یہ حرمت مصاہرت صحبت سے ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح یہ شہوت کے ساتھ اس عورت کو چھونے شہوت سے اس کا بوسہ لینے اور شہوت سے اس کی شرمگاہ کو دیکھنے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

علمائے احناف: یہ چھونا وغیرہ نکاح کی صورت میں ہو یا ملک یمین کی صورت میں ہو یا گناہ سے ہو، تینوں حالتوں کا حکم یکساں ہے کہ اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے، البتہ شوافع کے نزدیک گناہ سے چھونے یا بوسہ لینے کی صورت میں حرمت ثابت نہ ہوگی، ثیبہ اور غیر ثیبہ کا کوئی فرق نہیں دونوں برابر ہیں۔

شہوت سے مرد و عورت کا ایک دوسرے سے جسم ملانا بوسہ کا حکم رکھتا ہے اسی طرح معانقہ کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح شہوت کے ساتھ دانتوں سے اس کو کاٹنا تو اس کا بھی یہی حکم ہے ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہو جائے گی۔

ایک دوسری صورت: اگر کسی عورت نے شہوت کے ساتھ کسی مرد کے مخصوص عضو کو دیکھا یا

شہوت سے مرد کو چھوایا یا ہاتھ لگایا، یا اس کا بوسہ لیا تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

بقیہ اعضاء جسمانی کو شہوت کے ساتھ دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے اس میں سب کا اتفاق ہے۔ اگر شہوت کے بغیر دیگر اعضاء جسمانی کی طرف نظر کی تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

ایک صورت: علماء کہتے ہیں کہ عورت کی شرمگاہ کے ظاہری حصہ کو دیکھنے کا اعتبار نہیں بلکہ فرج داخل کو دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، علماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی مرد عورت کی شرمگاہ کو اس حالت میں دیکھے کہ وہ کھڑی ہو تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس سے فرج داخل پر نگاہ نہیں پڑتی، فرج داخل پر اس وقت نگاہ پڑتی ہے جب کہ وہ تکیہ لگائے بیٹھی ہو۔

ایک صورت: اگر کوئی شخص عورت کی فرج داخل کو باریک پردے کے پیچھے شیشے کے پیچھے سے دیکھے اور اس میں اس کی فرج نظر آجائے تو حرمت ثابت ہو جائیگی۔

دوسری صورت: اگر کسی نے آئینہ دیکھا اور اس میں اس نے عورت کی فرج داخل کو دیکھا اور اس پر شہوت سے نگاہ ڈالی تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس نے فرج نہیں بلکہ اس کا عکس دیکھا ہے، اس کی وجہ سے اس عورت کی ماں بیٹی اس پر حرام نہ ہوگی۔

ایک صورت: اگر عورت حوض کے کنارے پر یا پل پر کھڑی ہو اس کی فرج کو اگر مرد شہوت کے ساتھ پانی میں دیکھے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

برعکس صورت: اگر کوئی عورت پانی کے اندر کھڑی ہو پس مرد اس کی فرج کو شہوت کے ساتھ دیکھے تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

کوئی فرق نہیں: جس چھونے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس چھونے میں قصد، نسیان یا زبردستی یا خطا یا سوتے ہوئے تمام حالتوں کا حکم برابر ہے، مثلاً بیوی کو جماع کے لئے جگانے لگا کہ اس کا ہاتھ بیٹی کی طرف پہنچ گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

(۲)......اگر اس نے جماع کے لئے بیوی کو جگایا، بیٹی پر ہاتھ پڑا اس کی چٹکی اس گمان سے بھر لی کہ یہ اس کی بیوی ہے تو بیوی حرام ہوگئی، بشرطیکہ وہ لڑکی قابل شہوت یعنی جوان ہو، تو بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔

(۳)......اگر کسی مرد نے شہوت سے عورت کے ان بالوں کو ہاتھ لگایا جو سر سے متصل ہوں تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور لٹکے ہوئے بالوں کو چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

علامہ ناطفی کا قول: بالوں کو مطلقاً چھونے سے حرمت ثابت ہو جائے گی خواہ لٹکے ہوں یا متصل ہوں۔

(۴)......اگر عورت کے ناخن کو شہوت کے ساتھ چھوئے تب بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔

چھونے کی نوعیت: حرمت مصاہرت میں جس چھونے کا تذکرہ ہے اس سے مراد وہ چھونا ہے جو براہ راست ہو، اگر درمیان میں کپڑا حائل ہو اور بدن کی حرارت محسوس نہ ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی، خواہ مرد کے عضو میں ایستادگی کیوں نہ پیدا ہو جائے اور اگر کپڑا اس قدر باریک ہے کہ چھونے سے ہاتھ کو بدن کی حرارت پہنچ گئی تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

(۵)......اگر کسی مرد نے عورت کے موزے کا نیچے والا اندرونی حصہ چھوا تو حرمت ثابت ہو جائے گی البتہ اگر موزہ چمڑے کا ہو جس کی وجہ سے چھونے والے کو عورت کے قدم کی نرمی محسوس نہ ہو تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

(۶)......اگر کسی مرد نے عورت کا اس حال میں بوسہ لیا کہ درمیان میں کپڑا حائل تھا اور بوسہ لینے والے کو عورت کے دانتوں یا ہونٹوں کی ٹھنڈک محسوس ہوئی تو حرمت ثابت ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

ثبوت حرمت کے لئے دوام شرط نہیں: چھونے کے لئے دیر تک چھونا ضروری نہیں چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ:

(۱)......اگر کسی نے شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کی طرف ہاتھ اٹھایا مگر وہ ہاتھ بیوی کے بجائے لڑکی کے ناک پر لگ گیا اور اس سے اس کی شہوت میں اضافہ ہو گیا خواہ اس نے اپنا ہاتھ فوراً اٹھا لیا تب بھی اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائیگی۔

جوان یا بوڑھے مرد کے لئے معیار شہوت یہ ہے کہ خواہش کے وقت اس کے دل میں

حرکت پیدا ہو جائے جب کہ پہلے سے حرکت نہ تھی یا پہلے سے حرکت تھی لیکن اب اس میں اضافہ ہو گیا تو اس کو شہوت آنا شمار کیا جائے گا۔

عورت وغیرہ کے لئے معیار شہوت: عورت یا مجبوب (یعنی وہ شخص جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو) کے لئے معیار شہوت یہ ہے کہ دل میں خواہش پیدا ہو اور ہاتھ لگانے سے جنسی لذت حاصل ہو جب کہ وہ خواہش پہلے موجود نہ تھی اور اگر پہلے سے موجود تھی تو اس میں اضافہ ہو جائے، ثبوت شہوت کے لئے دونوں میں سے کسی ایک میں شہوت کا ہونا حرمت کے لئے کافی ہے۔

ہاتھ لگانے یا بوسہ وغیرہ سے ثبوت حرمت کی شرط:

یہ ہے کہ انزال نہ ہوا گر ہاتھ لگانے یا شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی کیونکہ انزال سے یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ یہ چھونا جماع کی طرف بلانے کے لئے نہیں۔

(١)......اور اگر کسی مرد نے عورت کے ساتھ لواطت کی تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی اسی طرح مرد کے ساتھ جماع کے افعال کئے تو بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی، مردہ سے جماع کرنے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

اقرار حرمت: اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ حرمت مصاہرت کا اقرار کیا تو اس کا اعتبار کر کے ان کے درمیان جدائی کروائی جائیگی۔

(١)......اور اگر مرد اپنی بیوی کو زمانہ نکاح سے پہلے کی بات کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ نکاح سے پہلے تمہاری ماں سے جماع کیا تھا تب بھی دونوں میں جدائی کر دی جائیگی، لیکن مرد پر عورت کا متعینہ مہر واجب ہو جائے گا، البتہ عقد لازم نہ ہوگا، اس اقرار پر ہمیشگی ضروری نہیں بلکہ ایک مرتبہ کا اقرار بھی کافی ہے بار بار اقرار لازم نہیں، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اقرار کر کے رجوع کرلے تو قاضی اس نکاح کو صحیح تسلیم نہیں کرے گا، اور قاضی ان کے درمیان جدائی کرادے گا اگر چہ غلط اقرار کی صورت میں وہ عند اللہ اس کی بیوی رہے گی۔

(٢)......اور اگر کسی نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ یہ تو میری رضاعی ماں ہے اور نکاح کے وقت اس بات سے مکر جائے تو اس عورت سے نکاح استحساناً جائز ہے۔

(۳)......اور اگر کسی شخص نے عورت کا بوسہ لیا پھر کہنے لگا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا یا عورت کو چھوا ہو یا اس کی شرمگاہ کو دیکھا اب کہنے لگا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں ہے، تو بوسے کی صورت میں حرمت کا فوراً حکم لگا دیا جائیگا، جب تک کہ عدم شہوت کا یقین نہ ہو جائے اور دوسری دونوں صورتوں میں حرمت کا فتویٰ اسی وقت دیا جائے گا جب شہوت سے چھونے کا ثبوت مل جائے۔

ثبوت حرمت کی شرط: جس عورت کو ہاتھ لگایا جائے یا بوسہ وغیرہ لیا جائے وہ قابل شہوت ہو مفتیٰ بہ قول یہی ہے، شہوت کی عمر کم از کم نو ۹ ر سال بتائی گئی ہے اس سے کم نہیں چنانچہ:

(۱)......اگر کسی مرد نے کسی نابالغہ لڑکی سے جماع کیا جو قابل شہوت نہ تھی تو حرمت ثابت نہ ہوگی اس کے برعکس اگر کوئی عورت اس قدر بوڑھی ہوگئی کہ قابل شہوت نہ رہی تو اس سے جماع کر لینے سے حرمت ثابت ہو جائیگی کیونکہ وہ حدود حرمت میں آچکی ہے۔

بڑھاپے کے عذر کی وجہ سے اس سے خارج نہ ہوگی، اس کے برخلاف نابالغہ حرمت کے حکم میں ابھی داخل ہی نہیں ہوئی۔

ثبوت حرمت کے لئے مرد کا قابل شہوت ہونا بھی ضروری ہے:

اگر چار سال کے بچہ نے اپنے باپ کی منکوحہ سے جماع کرلیا تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

اور اگر جماع کرنے والا بچہ اتنی عمر کا ہے کہ جس عمر کے بچے جماع کے قابل ہو جاتے ہیں تو اس کا حکم بالغ والا ہوگا، اس کی پہچان یہ ہے کہ وہ جماع پر قدرت رکھتا ہو اور عورت کی طرف اس کا میلان ہو اور عورتیں اس سے شرم کرتی ہوں۔

وجود شہوت شرط ہے: ہاتھ لگانے، بوسہ لینے، فرج داخل کی طرف دیکھنے سے حرمت اس وقت ثابت ہوگی جب شہوت سے دیکھے، اگر پہلے دیکھا اور شہوت بعد میں پیدا ہوئی تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

مرد کے لئے معیار شہوت: مرد کے لئے شہوت اس طرح ہے کہ اس کے عضو خاص میں تناؤ پیدا ہو جائے اور اگر پہلے سے تناؤ ہو تو اس میں اضافہ ہو جائے، یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔

اور اگر کسی مرد کے عضو خاص میں تناؤ تھا اس حالت میں اس نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلایا اسی دوران کسی طرح اس کا عضو لڑکی کی رانوں کے اندر داخل ہوا تو اس صورت میں اگر عضو میں تناؤ زیاد نہیں ہوا تو لڑکی کی ماں اس کے لئے حرام نہ ہوگی۔

وجہ فرق: یہ ہے کہ بوسہ عموماً شہوت سے لیا جاتا ہے اور اس کی بنیاد ہی شہوت پر ہے اور چھونا اور دیکھنا شہوت اور بلا شہوت دونوں طرح سرزد ہوتے ہیں، مگر یہ یاد رہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ شرمگاہ کے علاوہ کسی اور عضو کو چھوئے اگر کسی شخص نے عورت کی شرمگاہ کو چھوا اور پھر کہنے لگا کہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا، اسی طرح اگر عورت کی چھاتی کو پکڑا اور کہنے لگا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو اس کی بات کو سچا نہ سمجھا جائے گا۔

(۴)......اور اگر عوت کے ساتھ جانور پر سوار ہوا اور پھر دعویٰ کیا کہ شہوت کے ساتھ سوار نہیں ہوا تو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا اس کے برعکس اگر دریا کو عبور کرنے کیلئے عورت کی پشت پر سوار ہوا اور اس نے کہا کہ میں شہوت سے سوار نہیں ہوا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۵)......اور اگر ایک شخص نے لوگوں کے سامنے اعتراف کیا کہ میں نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کا بوسہ لیا اور لوگوں نے اس کے اقرار کی گواہی بھی دی تو گواہی کو قبول کر لیا جائے گا اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

(۶)......اور اگر اسی طرح گواہ یہ کہیں فلاں شخص نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ چھویا یا بوسہ لیا تو ان کی گواہی کو تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ عضو کے تناؤ کی حرکت یا دیگر علامات سے شہوت معلوم کی جا سکتی ہے۔

قاضی علی سعد کا قول: اگر نشہ میں چور شخص نے اپنی لڑکی کو پکڑ کر بدن سے لپٹایا پھر اس کا بوسہ لیا جب جماع کا ارادہ کیا تو لڑکی نے کہا میں تمہاری بیٹی ہوں تو اس نے اسے چھوڑ دیا اس صورت میں اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوگئی۔

اور اگر کسی شخص سے پوچھا کہ تم نے اپنی ساس کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا کہ میں نے جماع کیا تو اس اقرار سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی خواہ سوال کرنے والے نے مذاقاً سوال کیا اور

اس نے بھی بطور مذاق جواب دیا اس کے بعد یہ شخص اپنے اقرار سے رجوع بھی کرے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، اور اگر کسی نے اپنی مملوکہ لونڈی کے بارے میں یہ کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا تو وہ لونڈی اس کے لڑکے کے لئے حرام ہو جائے گی۔ اور اگر کسی کی مملوکہ لونڈی کے بارے میں جماع کا اقرار کیا تو وہ لڑکے کیلئے حرام نہ ہو گی۔

اور اگر کسی شخص کو باپ کی وراثت میں لونڈی ملی وہ اس کے ساتھ جماع کر سکتا ہے جب تک کہ یقین سے معلوم نہ ہو جائے کہ باپ نے اس لونڈی سے جماع کیا ہے۔

اور اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ باکرہ ہے لیکن نکاح کے بعد جماع کے وقت معلوم ہوا کہ وہ باکرہ نہیں عورت سے پوچھنے پر کہ تمہارا پردہ بکارت کیسے زائل ہوا تو عورت نے جواب دیا کہ تمہارے باپ نے زائل کیا اب اگر یہ شخص اس کی بات کا اعتبار کرے تو نکاح ختم ہو جائے گا اور وہ عورت مہر کی حقدار بھی نہ ہو گی اور اگر یہ اس عورت کی تکذیب کر دے تو نکاح باقی رہے گا۔

اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے لڑکے کے بارے میں کہا کہ اس نے مجھے شہوت سے چھوا ہے تو اس میں عورت کی بات کا اعتبار نہ ہو گا بلکہ شوہر کے لڑکے کا قول معتبر ہو گا۔

اور اگر کسی شخص نے اپنے باپ کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا یا کسی سسر نے بہو کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا اور پھر یہ کہا کہ یہ عمل شہوت کے ساتھ نہیں ہے تو شوہر کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ عورت اسی کی بیوی رہے گی، لیکن اگر شوہر نے اس بوسے کو شہوت والا بوسہ قرار دیا تو میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے گی اور شوہر پر مہر لازم ہو گا، مگر وہ شوہر یہ مہر کی رقم فتنہ پھیلانے والے سے وصول کریگا اور اگر بوسہ کے بجائے باپ نے اپنی بہو سے یا لڑکے نے اپنی سوتیلی ماں سے جماع کر لیا تو اس صورت میں شوہر مہر میں دی گئی رقم کسی طرح وصول نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں حد جاری ہوتی ہے حد کے ساتھ کوئی جرمانہ واجب نہیں ہو سکتا۔

اگر کسی شخص نے دوسرے کی مملوکہ سے نکاح کیا تو خاوند کے جماع کرنے سے قبل شوہر کے لڑکے کا بوسہ شہوت سے لیا ہے مگر لونڈی کے مالک نے کہا یہ غلط ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ یہ بوسہ شہوت کے ساتھ تھا تو اس صورت میں نکاح ختم ہو جائے گا، کیونکہ شوہر نے اس بات کا اقرار کیا کہ میری بیوی نے شہوت

سے بوسہ لیا ہے لیکن شوہر پر پورا مہر واجب نہیں ہوگا، بلکہ نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ باندی کے مالک نے اس کی بات کو رد کر دیا ہے، اس بارے میں لونڈی کا قول معتبر نہ ہوگا کہ میں نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تھا لہٰذا پورا مہر ادا کرو۔

اور اگر کسی عورت نے لڑائی جھگڑے کے دوران اپنے دادا کے عضو مخصوص کو پکڑ لیا اور کہا کہ میں نے شہوت کے ساتھ نہیں پکڑا تو اس کی بات معتبر ہوگی۔

حرمت مصاہرت یا حرمت رضاعت کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہو جاتا ہے اس لئے جماع تو حرام ہوتا ہے شوہر کو چاہئے کہ اس کو طلاق دیدے یا قاضی اس کے درمیان جدائی کرے، چنانچہ جدائی سے پہلے شوہر نے جماع کر لیا تو اس پر حد لازم نہیں ہوگی، خواہ جماع شبہ میں مبتلا ہو کر کیا یا بغیر شبہ کے، اگر کسی شخص نے ایک عورت سے زنا کیا یا ایسا کوئی عمل کیا جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے مثلاً چھونا وغیرہ اگر یہ توبہ بھی کرے تو یہ شخص اس عورت کی لڑکی کا محرم ہی رہے گا، اس لئے کہ اس لڑکی سے نکاح کرنا اس کے حق میں حرام ہے یہ اس بات کی دلیل ہوگئی کہ حرمت زنا سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اور ان چیزوں سے بھی ثابت ہوتی ہے جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے، مثلاً چھونا وغیرہ۔

اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور اس کا بیٹا اسی عورت کی بیٹی سے یا اس کی ماں سے نکاح کر لیتا ہے، اگر کسی شخص نے اپنے عضو مخصوص پر کپڑا وغیرہ لپیٹ کر اپنی بیوی سے جماع کیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کپڑا کیسا تھا، اگر درمیان میں ایسا کپڑا تھا جو ستر تک حرارت پہنچنے سے مانع نہیں تھا تو یہ عورت خاوند اول کے لئے حلال ہو جائے گی، اور اگر کپڑا ایسا تھا کہ اس سے حرارت نہیں پہنچتی تھی تو یہ عورت خاوند اول کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

حرمت کا تیسرا سبب رضاعت ہے:

رضاعت کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب اور سسرال کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

اگر کسی عورت نے کسی بچہ کو اس کی شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پلایا تو ان دونوں میں ماں بیٹے کا تعلق پیدا ہو جائے گا اور دودھ پلانے والی عورت کا خاوند دودھ پینے والے بچے کا رضاعی والد بن جائے گا،

007

اس بنیاد پر رضاعی ماں باپ کے وہ تمام رشتے اس بچے پر حرام ہو جائیں گے، جو حقیقی ماں باپ کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

ثبوت رضاعت: شیر خوارگی کی عمر میں مطلقا رضاعت سے یہ حرمت ثابت ہو جاتی ہے خواہ دودھ کم پیا ہو یا زیادہ کم کی آخری حد یہ ہے کہ مطلقا دودھ کا پیٹ میں پہنچنا یقین سے معلوم ہو جائے۔

مدت شیر خوارگی: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت شیر خوارگی تیس ماہ یعنی اڑھائی سال ہے اور صاحبین کے نزدیک دو برس ہے، اور اگر کسی بچہ نے شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پینا بند کر دیا پھر اس زمانہ میں شیر خوارگی میں دودھ پیا تو یہ رضاعت کے حکم میں داخل ہوگا، کیونکہ دودھ شیر خوارگی کے زمانہ میں پیا گیا، رضاعت کا زمانہ گذرنے پر اگر دودھ پیا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

مدت رضاعت برائے اجرت: اجرت پر دودھ پلانے والی عورت کو اجرت دینے کے سلسلہ میں مدت دو سال ہی مسلمہ ہے چنانچہ مطلقہ نے دو سال کے بعد والے زمانہ کی اجرت کا مطالبہ کیا تو اس کا مطالبہ قابل تسلیم نہ ہوگا، عرصہ دو سال کی اجرت پر تو باپ کو مجبور کیا جائے گا، مگر اس سے زائد کی اجرت نہ دی جائے گی۔

حرمت رضاعت کا اثر ماں اور باپ دونوں میں ہے: حرمت جہاں ماں کے رشتہ داروں میں ثابت ہوگی وہاں باپ کے رشتہ داروں میں بھی ثابت ہوگی کیونکہ دودھ اترنے کا سبب وہ خاوند ہے۔

دودھ پینے والے بچے کے لئے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول اوپر کے درجہ تک اور ان کے فروع نچلے درجہ تک خواہ ان کا تعلق نسب کی وجہ سے ہو یا رضاعت کی وجہ سے ہو ہر دو حرام ٹھہریں گے۔

رضاعی ماں کی وہ اولاد جو اس رضیع سے پہلے پیدا ہوئی اور جو بعد میں پیدا ہوئی سب حرمت میں برابر ہیں اور وہ اولاد خواہ اس کے رضاعی باپ سے ہو خواہ اس کی رضاعی ماں کے کسی دوسرے شوہر سے ہو یا اس کی رضاعی ماں نے کسی دوسرے شخص کے بچے کو دودھ پلایا ہو، یا اس کے رضاعی باپ کی کسی دوسری بیوی کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہو تو یہ دودھ پینے والے کے لئے رضاعی بہن بھائی شمار

ہوں گے، اوران کی اولاد اس کے بھتیجے اور بھانجے شمار ہوں گے۔

رضاعی باپ کا بھائی اس کا چچا کہلائے گا اور رضاعی باپ کی بہن اس کی پھوپھی کہلائے گی اور رضاعی ماں کا بھائی اس کا ماموں اور رضاعی ماں کی بہن اس کی خالہ ہوگی، رضاعی باپ کا باپ اس کا دادا اوراس کی بیوی اس کی دادی ہوگی رضاعی ماں کی ماں دودھ پینے والی کی نانی شمار ہوگی۔

پہلی صورت: نسبی رشتہ میں تو نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح جائز نہ تھا مگر رضاعت میں رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح درست ہے۔

وجہ فرق: کیونکہ نسبی بیٹے کی بہن اگراس کے اپنے نطفے سے ہوتو وہ اس کی حقیقی بیٹی بنے گی، اور اگراس کے نطفہ سے نہ ہو پھر یہ سوتیلی بیٹی بن جائیگی، اس لئے حرمت قائم رہی مگر رضاعت میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتی ہیں اس لئے رضاعی بیٹے کی بہن حرام نہیں ہے چنانچہ نسبی رشتہ میں بھی اگران دونوں باتوں میں سے ایک بھی بات ثابت نہ پائی جائے تو نکاح درست ہوگا مثلاً کسی لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ لونڈی دو آدمیوں میں مشترک ہے وہ دونوں شریک اس بچے کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس بچے کا نسب ان دونوں سے ثابت ہوگیا ادھر ان کی اپنی بیویوں سے ایک ایک بیٹی ہے اب ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے درست ہے کہ دوسرے شریک کی بیٹی سے اپنا نکاح کرلے، کیونکہ اس صورت میں دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی ہے، باوجودیکہ ان میں سے جس نے بھی دوسرے کی بیٹی سے نکاح کیا ہے تو اس نے گویا اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کیا ہے۔

دوسری صورت: اپنے نسبی بھائی کی ماں سے نکاح کسی شخص کو جائز نہیں مگر دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے۔

وجہ فرق: نسبی رشتہ میں وہ اخیافی بھائی بنیں گے جبکہ دونوں کی ماں ایک ہوگی یا پھر باپ شریک بھائی بنیں گے، تو بھائی کی ماں اس کے باپ کی منکوحہ ہوگی، مگر دودھ کے رشتہ میں ہر دو باتیں نایاب ہیں، اس لئے بھائی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے۔

ایک صورت: دودھ شریک بھائی کی بہن سے نکاح جائز ہے جس طرح کہ نسبی رشتہ میں درست ہے، مثلاً زید اور سوتیلے بھائی ہیں عمر کی ایک اخیافی بہن ہے یعنی صرف ماں شریک تو

اس سے زید کا نکاح درست ہے۔

ایک اور صورت: دودھ شریک بھائی کی ماں محرمات سے نہیں ہے، اسی طرح رضاعی چچا، رضاعی ماموں، رضاعی پھوپھی اور رضاعی خالہ کی ماں بھی محرمات سے نہیں ہے۔

ایک صورت: رضاعی پوتی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے، جب کہ اسی طرح رضاعی بیٹے کی دادی اور نانی سے بھی نکاح درست ہے، رضاعی بیٹے کی پھوپھی اس کی بہن کی ماں اس کی بھانجی اور اس کی پھوپھی کی بیٹی سے بھی نکاح جائز ہے۔

ایک صورت: عورت کو اپنی رضاعی بہن کے باپ سے رضاعی بیٹے کے بھائی سے رضاعی پوتے کے باپ سے اور اپنے رضاعی بیٹے کے دادا اور ماموں سے نکاح درست ہے، حالانکہ نسبی رشتہ میں یہ سب محرمات ہیں، ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔

ایک اور صورت: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو جس کو دودھ اترا ہوا طلاق دیدی، مطلقہ نے عدت کے بعد ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا دوسرے خاوند نے اس سے جماع کیا اور دوسرے خاوند سے بچہ پیدا ہوا تو اس عورت کے دودھ سے پہلے خاوند کا تعلق نہیں رہے گا، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

البتہ اگر دوسرے خاوند سے وہ عورت حاملہ نہ ہوئی تو پھر دودھ پہلے خاوند ہی سے سمجھا جائے گا، یا حاملہ تو ہوئی مگر بچہ پیدا نہ ہوا تب بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پہلے خاوند کا ہی شمار ہوگا، بچہ جننے کے بعد دوسرے خاوند کا شمار ہوگا۔

ایک صورت: ایک آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن اس سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی، اس عورت سے دودھ اتر آیا تو دودھ اس نے کسی دوسرے بچے کو پلایا تو وہ دودھ اسی عورت کا شمار ہوگا، خاوند کا اس سے تعلق نہ ہوگا۔ یعنی اس دودھ پینے والے بچہ اور اس شخص کی دوسری اولاد جو دوسری بیوی سے ہے ان کے درمیان حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ایک صورت: ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا جس سے بچہ پیدا ہوا اس عورت نے کسی دوسری لڑکی کو دودھ پلایا تو زانی کو اور اس کے باپ دادا اور اس کی اولاد کا اس دودھ پینے والی لڑکی سے

نکاح جائز نہیں ہے، البتہ زانی کا چچا یا اس کا ماموں نکاح کرسکتا ہے یہ اسی طرح ہے جیسا کہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی لڑکی سے زانی کا چچا اور ماموں نکاح کرسکتا ہے۔

ایک صورت: اگر کسی نے ایک عورت سے شبہ میں جماع کیا جس سے حمل ٹھہر گیا، پھر اس عورت نے کسی بچے کو دودھ پلایا تو یہ بچہ جماع کرنے والے کا رضاعی بیٹا شمار ہوگا۔

ایک قاعدہ: جن صورتوں میں بچے کا نسب جماع کرنے والے سے ثابت ہوتا ہے انہی صورتوں میں رشتہ رضاعت بھی ثابت ہوتا ہے اور جن صورتوں میں بچے کا نسب جماع کرنیوالے سے ثابت نہیں ہوتا ان صورتوں میں رضاعت کا رشتہ صرف رضاعی ماں سے ثابت ہوگا۔

ایک صورت: ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا، اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا، اس عورت نے اپنے بچے کو دودھ پلایا بعد میں دودھ خشک ہوگیا کچھ عرصہ بعد دودھ پھر اتر آیا اس عورت نے پھر دودھ دوسرے لڑکے کو پلایا تو اس دوسرے لڑکے کو اس ناکح کی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد سے نکاح جائز ہوگا۔

ایک صورت: کسی کنواری لڑکی کو دودھ اتر آیا وہ دودھ اس نے کسی بچی کو پلایا اب یہ لڑکی اس بچی کی رضاعی ماں ہے، رضاعت کے تمام احکام اس پر لاگو ہوں گے۔

اگر کسی شخص نے اس کنواری لڑکی سے نکاح کیا پھر جماع سے پہلے طلاق دے دی تو اب اس شخص کو دودھ پینے والی لڑکی سے نکاح ناجائز ہے، اور اگر جماع کے بعد طلاق دی تو پھر اس لڑکی سے نکاح جائز نہیں۔

ایک اور صورت: اگر کسی لڑکی کو نو برس سے کم عمر میں دودھ اتر آیا اس نے وہ دودھ ایک لڑکے کو پلایا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ حرمت رضاعت کے لئے دودھ نو برس یا اس سے زائد میں اترنا شرط ہے۔

ایک اور صورت: کسی کنواری لڑکی کی چھاتی میں زرد رنگ کا پانی آگیا تو اس کے پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ایک اور صورت: کسی عورت نے بچہ کے منہ میں اپنی چھاتی داخل کردی لیکن بچہ کا دودھ

چوسنا معلوم نہ ہوا تو فقط شک کی وجہ سے حرمت رضاعت کا حکم نہ لگائیں گے البتہ بطور احتیاط حرمت ثابت کی جائے گی۔

ایک صورت: عورت کی چھاتی سے زرد رنگ کی صورت میں بہنے والی پتلی مائع چیز بچے کے منہ میں پہنچ جائے تو اسے معتبر رنگ کا دودھ شمار کرکے حرمت ثابت کردی جائے گی۔

رضاعت کا حکم دار الحرب اور دار الاسلام میں:

دار الاسلام اور دار الحرب دونوں میں رضاعت کا حکم برابر ہے، اگر کسی عورت نے حالت کفر میں دار الحرب میں دودھ پلایا ہوگا تو مسلمان ہوکر دار الاسلام میں آنے پر رضاعت کے تمام احکام اس پر نافذ ہوں گے۔

ثبوت رضاعت کی مختلف شکلیں:

(۱)......جس طرح عورت کی چھاتی سے دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے اسی طرح بچے کے منہ میں دودھ ڈالنے یا ناک میں دودھ نچوڑ دینے سے حرمت ثابت ہوجائے گی، البتہ کان میں ٹپکانے سے یا عضو مخصوص کے سوراخ میں ڈالنے سے یا حقنہ کے طور پر استعمال کرنے یا دماغ یا پیٹ کے زخم میں ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، خواہ دودھ ان زخموں کے ذریعہ پیٹ میں پہنچ جائے، البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حقنہ سے رضاعت ثابت ہوجائے گی۔

(۲)......اگر غذا کی کسی چیز میں دودھ ڈال دیا گیا پھر اس کو آگ پر رکھ کر پکایا گیا جس کی وجہ سے دودھ کی حقیقت بدل گئی تو اس کو کھانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اگرچہ دودھ غالب ہو یا مغلوب، اگر دودھ سے ملی ہوئی چیز کو آگ پر نہیں پکایا گیا اس صورت میں بھی اسے کھانے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ دودھ غالب نہ ہو، اگر دودھ غالب ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ بہنے والی چیز جب جمی ہوئی چیز میں خلط ملط ہوگئی تو بہنے والی چیز اس جمی ہوئی چیز کے تابع بن گئی اور مشروبات میں سے نہ رہی اس وجہ سے علماء نے فرمایا کہ جس چیز میں دودھ مل جائے اگر بہنے کے قابل ہے تو اس کے بہنے سے حرمت ثابت ہوجائے گی۔

(۳)......اگر عورت کا دودھ کسی جانور کے دودھ میں مل گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو اسے پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

(۴)......اگر عورت نے اپنے دودھ میں روٹی بھگوئی، روٹی میں دودھ جذب ہو گیا یا دودھ میں ستو ملایا پھر وہ ستو یا روٹی کسی بچے کو کھلا دی اگر دودھ کا ذائقہ موجود ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی، ذائقہ کی شرط اس صورت میں ہے، جب کہ بچے کو ایک ایک لقمہ کر کے کھلایا جائے اگر گھونٹ گھونٹ کر کے پلانے کے قابل تھا تو پھر ذائقہ کی شرط کے بغیر حرمت ثابت ہو جائے گی۔

(۵)......عورت کا دودھ پانی یا دوا یا جانور کے دودھ میں مل گیا تو اس میں غالب کا اعتبار ہوگا، اگر عورت کا دودھ غالب ہوگا تو حرمت ثابت ہوگی اور اگر پانی کا غلبہ ہوگا تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

(۶)......اگر کسی عورت کا دودھ کسی پتلی چیز میں مل گیا یا جمی ہوئی چیز میں مل گیا تو بھی غالب کا اعتبار ہوگا۔

غالب کا مطلب: اس کا رنگ، بو، ذائقہ تینوں چیزیں یا ان میں سے ایک ظاہراً باہر معلوم ہو، اگر دونوں چیزیں برابر مل جائیں تب بھی دودھ کو غالب قرار دیکر حرمت ثابت کر دی جائے گی۔

(۷)......اگر دو عورتوں کا دودھ باہم مل گیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عورت سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائیگی، جس کا دودھ غالب ہوگا، مگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول جو زیادہ صحیح ہے وہ اسی طرح ہے۔

(۸)......دونوں عورتوں کا دودھ برابر ہونے کی صورت میں تینوں ائمہ کے نزدیک رضاعت دونوں عورتوں سے ثابت ہو جائے گی۔

(۹)......اگر کسی عورت نے اپنے دودھ کا دھی یا لسی یا پنیر وغیرہ بنا کر کسی بچے کو کھلا دیا تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس پر پلانے کا اطلاق نہیں ہوتا۔

(۱۰)......گاؤں کسی عورت نے ایک بچی کو دودھ پلایا مگر بعد میں کسی کو بھی نہ یاد رہا نہ معلوم رہا کہ وہ مرضعہ کون تھی پھر اس بستی کے کسی شخص نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح درست ہو جائے گا۔

عورتوں کا فرض: عورتوں کو بلا ضرورت کسی بچے کو اپنا دودھ نہ پلانا چاہئے اگر پلائیں تو اس کو

یادرکھیں بلکہ لکھ لیا کریں، تاکہ حرمت رضاعت کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

(۱۱)...... پہلے بعد کا فرق نہیں: دودھ خواہ پہلے پلایا جائے یا بعد میں حرمت رضاعت بہر صورت ثابت ہو جاتی ہے، پہلے بعد سے فرق نہیں پڑتا۔

(۱) رضاعی رشتہ کے اعتراف کی چند صورتیں:

(۱)...... اگر کسی شخص نے شیر خوار بچی سے نکاح کر لیا پھر بعد میں اس شخص کی نسبی یا رضاعی ماں بہن یا لڑکی نے آکر اس بچی کو اپنا دودھ پلایا تو یہ بچی اس شخص پر حرام ہو جائے گی اور اس پر نصف مہر بھی لازم ہوگا، مگر نصف مہر کی یہ رقم وہ مرضعہ سے وصول کریگا (کیونکہ وہ نکاح توڑنے کا باعث بنی) لیکن مرضعہ سے وصول اس صورت میں کریگا جب بطور شرارت پلا دیا اور اگر شرارت کے طور پر نہیں پلایا بلکہ ہمدردی اور شدید ضرورت و حاجت کی وجہ سے پلایا تو پھر یہ خاوند اس سے رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

(۲)...... ایک شخص نے دو شیر خوار بچیوں سے نکاح کیا، کسی اجنبی عورت نے آکر دونوں کو بیک وقت یا یکے بعد دیگرے دودھ پلا دیا تو دونوں شوہر پر حرام ہو گئیں، پھر وہ اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی ایک سے نکاح کرسکتا ہے۔

(۳)...... اگر شیر خوار تین بچیاں ہوں ان سے کوئی نکاح کرے اور اس عورت نے ان تینوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا ہو تو وہ تینوں حرام ہو جائیں گی، اس کے بعد وہ تینوں میں سے جس کو پسند کرے ایک سے نکاح کرسکتا ہے اور اگر تینوں کو یکے بعد دیگرے پلایا تو پہلی دو حرام ہوں گی، اور تیسری اس کی بیوی باقی رہے گی۔

(۴)...... اگر پہلے دو بچیوں کو ایک ساتھ پلایا اور اس کے بعد تیسری کو پلایا تو بھی یہی حکم ہوگا۔

(۵)...... اگر پہلے ایک لڑکی کو پلایا اور بعد میں دو کو بیک وقت پلایا تو تینوں حرام ہو جائیں گی اور ان میں سے ہر ایک کا آدھا مہر اس پر لازم ہو جائے گا، یہ مہر دودھ پلانے والی سے اس شرط پر وصول کیا جائے گا کہ اگر اس نے شرارت سے دودھ پلایا ورنہ نہیں، خود ادا کرے۔

(۶)...... اگر چار بچیوں سے نکاح کیا اور اس عورت نے ان چاروں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے یا

ایک ایک کر کے دودھ پلایا تو چاروں حرام ہو جائیں گی، اگر پہلے ایک کو اور پھر تین کو ایک ساتھ پلایا تو بھی حکم حرمت کا ہو گا، اور اس کا عکس کیا کہ تین کو ایک ساتھ اور چوتھی کو الگ پلایا تو چوتھی حرام نہ ہوگی، پہلی تین رضاعت سے حرام ہو جائیں گی۔

(۷)......اگر کسی شخص نے ایک بڑی عورت اور ایک شیر خوار بچی سے نکاح کیا، پھر بڑی عورت نے بچی کو دودھ پلا دیا تھا شوہر پر دونوں حرام ہو جائیں گی، اگر بڑی سے جماع نہیں کیا تھا تو اس کو کچھ مہر نہ ملے گا اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا، جس کو وہ بڑی سے وصول کرے گا، جبکہ اس نے یہ شرارت کی غرض سے کیا ہو، اگر شرارت کی بنیاد پر نہیں پلایا تو پھر اس سے کچھ وصول نہ کیا جائے گا، خواہ بڑی یہ جانتی ہو کہ یہ میرے شوہر کی بیوی ہے۔

ثبوت رضاعت: دو باتوں میں ایک بات سامنے آنے پر رضاعت کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

(۱)......اقرار یعنی عورت کہے کہ میں نے فلاں بچے یا فلاں بچی کو دودھ پلایا ہے۔

(۲)......گواہی، یعنی کوئی گواہ کہہ دے کہ فلاں عورت نے فلاں بچے کو دودھ پلایا، گواہی میں دو عادل مرد یا دو عورتیں اور ایک عادل مرد ہوں۔

حق تفریق: حرمت رضاعت اگر گواہی سے ثابت ہو یعنی جب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں سے ثابت ہو جائے تو قاضی ان میں تفریق کر دے گا، عورت کو جماع نہ ہونے کی صورت میں کچھ نہیں ملے گا اور اگر جماع ہو چکا تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے کم مقدار والا مہر خاوند پر واجب ہو گا، نفقہ و سکنٰی کا خرچہ لازم نہ ہو گا۔

(۱)......اگر شہادت عادلہ نے نکاح کے بعد شادی شدہ عورت کے سامنے گواہی دی کہ تمہارے درمیان رشتہ رضاعت ہے تو ان کو شہادت عادلہ کی صورت میں عورت کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا درست نہیں ہے، جیسا کہ قاضی کے سامنے شہادت عادلہ کا یہی حکم تھا، ان کے مابین تفریق کرادی جائے گی۔

(۲)......اگر رضاعت کی خبر دینے والا ایک آدمی ہے مگر اس عورت کے دل میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ یہ آدمی سچا ہے، تو شوہر سے اعراض بہتر ہے واجب نہیں۔

(۳)......ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا، دوسری عورت نے آکر ان دونوں کو کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اس کی چار صورتیں ہوں گی۔

پہلی صورت:

دونوں میاں بیوی اگر اس عورت کا اعتبار کرلیں تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور عوت کو کچھ مہر نہ ملے گا، بشرطیکہ جماع نہ ہوا ہو۔

دوسری صورت:

دونوں نے اعتبار نہیں کیا تو نکاح باقی رہے گا، اگر وہ عورت عادل ہے تو احتیاط جدائی میں ہے اور خاوند نصف مہر دے مگر عورت کچھ نہ لے، جب کہ یہ جدائی جماع سے پہلے ہوا گر جماع ہو چکا تو مرد کو پورا مہر دینا چاہئے اور ایام عدت کا نفقہ و سکنی بھی دے اور عورت کو مہر مثل پر اکتفاء کرنا چاہئے اور نفقہ و سکنی بھی چھوڑ دے، اگر خاوند نے عورت کو طلاق دیکر نہیں چھوڑا تو بیوی کو اس کے وہاں رہنا جائز ہے، اگر شہادت تو پوری ہے مگر غیر عادلہ ہے اور رضاعت کی گواہی دیں تب بھی یہی حکم ہے یعنی تفریق بہتر ہے۔

تیسری صورت:

خاوند نے اس عورت پر اعتبار کیا مگر بیوی نے اعتبار نہ کیا تب بھی نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر واجب ہوگا۔

چھوتھی صورت:

اگر بیوی نے اعتبار کرلیا مگر خاوند نے نہ کیا تو نکاح برقرار رہے گا، مگر عورت خاوند سے قسم لے کہ وہ حقیقت میں اس عورت کی بات کا اعتبار نہیں کرتا، اگر وہ نکاح کرے تو پھر دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔

(۴)......ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا پھر کہنے لگا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے یا اسی قسم کے کسی رضاعی رشتے کا دعوی کیا پھر کہنے لگا مجھے وہم ہے میں نے غلط کہا تو استحسانا ان کے مابین تفریق نہ کی جائے، بشرطیکہ وہ اپنی بعد والی بات پر قائم ہو اور اگر وہ پہلی بات پر قائم ہو اور یہ کہے کہ میں نے درست کہا ہے تو دونوں میں تفریق کرادی جائے گی، اب اگر وہ پہلی بات کا انکار کرلے یہ

پس مرگ واویلا ہے، اب اس کا کوئی فائدہ نہیں اگر عورت نے خاوند کی اسی بات کی تصدیق کر دی تو اسے کچھ مہر نہ ملے گا بشرطیکہ جماع نہ ہوا ہو، اور اگر عورت اپنے خاوند کی اس بات کو غلط قرار دیتی ہے تو مرد پر نصف مہر لازم ہوگا بشرطیکہ جماع نہ ہوا ہو، اگر جماع ہوا تو پھر اس صورت میں خاوند پر پورا مہر لازم ہوگا۔

(۵)......اگر مرد نے کسی عورت کے متعلق نکاح سے پہلے یہ کہا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے یا رضاعی ماں ہے پھر بعد میں کہنے لگا مجھے تو وہم ہوگیا تھا اور مجھ سے غلطی ہوئی تو اس شخص کا اس عورت سے نکاح درست ہے اور اگر وہ سابقہ بات پر قائم ہو کہ اس نے صحیح کہا تھا تو نکاح جائز نہ ہوگا، اور اگر اس کے باوجود کرلے تو دونوں میں جدائی کرادی جائے گی اور اگر وہ اپنے بیان سابق سے مکر جائے اور دو گواہ اس کے بیان پر موجود ہوں تو ان کے مابین نکاح کی صورت میں تفریق کرادی جائے گی۔

(۶)......اگر کسی عورت نے کسی مرد کے متعلق اقرار کیا کہ وہ میرا رضاعی بھائی یا رضاعی بھتیجا ہے مگر مرد نے انکار کر دیا اور پھر عورت نے بھی اپنے قول کی تردید کر دی اور کہنے لگی کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو اس عورت سے نکاح جائز ہو جائے گا اور اگر عورت کی تردید و اعتراف سے پہلے مرد نے اس سے نکاح کرلیا تو وہ درست ہوگا۔

نسبی رشتے کا اعتراف:

(۱)......اگر کسی مرد نے اپنی منکوحہ کے ساتھ اپنے نسبی رشتہ کا اعتراف کیا کہ یہ میری حقیقی ماں بہن یا بیٹی ہے اور یہ عورت مجہول النسب ہے اور مرد بھی اس انداز کا ہے کہ یہ عورت اس کی ماں یا بیٹی وغیرہ ہوسکتی ہے تو اس مرد سے اس بیان کی تصدیق کرائی جائے گی اور اگر وہ کہے کہ مجھے تو وہم ہوگیا تھا اور میں نے غلطی کی ہے، تو استحسانا ان کا نکاح برقرار رہے گا اور اگر دوبارہ دریافت کرنے پر اس نے اپنے سابقہ بیان کی تصدیق پر اصرار کیا تو ان میں تفریق کرادی جائے گی۔

اور اگر مرد اس صلاحیت کا مالک نہیں یعنی عمر میں تفاوت ظاہر کرتا ہے کہ اس عمر کی عورت اس

کی ماں یا حقیقی بیٹی نہیں ہوسکتی تو نسب ثابت نہ ہوگا اور ان دونوں میں تفریق نہ ہوگی۔

(۲)...... اگر مرد نے اپنی بیوی کے متعلق کہا کہ یہ میری حقیقی لڑکی ہے پھر بعد میں اپنے اس بیان کی تردید نہیں کی بلکہ اس پر مصر رہا حالانکہ لوگوں کو اس لڑکی کا نسب معلوم ہے کہ لڑکی اس کی نہیں ہے بلکہ فلاں کی ہے تو دونوں میں جدائی نہ کرائی جائے گی۔

(۳)...... اگر خاوند نے کہا کہ یہ میری حقیقی ماں ہے، حالانکہ لوگوں کو اس عورت کا نام ونسب معلوم ہے تو اس صورت میں بھی تفریق نہ کرائی جائے گی۔ (بلکہ اس بات کو بکواس قرار دیا جائے گا)

چوتھا سبب: ان دو عورتوں کا جمع کرنا جو جمع ہو کر باہمی محرمات بن جاتی ہیں۔

ان دو قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں، نمبر:۱/ اجنبی عورتوں کو جمع کرنا، نمبر:۲/ ذوات الارحام کو جمع کرنا۔

(۱)... اجنبی عورتوں کو جمع کرنا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ شرع نے آزاد مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے اور غلام کو بیک وقت دو عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے، پس اس قاعدہ سے کسی آزاد کو چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا اور غلام کو دو سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ آزاد کو کثیر تعداد میں باندی رکھنے کی اجازت ہے مگر غلام کو بلا نکاح باندی رکھنے کی بھی اجازت نہیں ہے خواہ اس کا آقا اجازت بھی دے۔

آزاد بیک وقت چار آزاد یا دو آزاد اور دو منکوحہ باندیاں رکھ سکتا ہے۔

(۱)...... اگر کسی شخص نے پانچ عورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو پہلی چار کا نکاح درست ہوا اور پانچویں کا باطل ہے۔

(۲)...... اگر پانچویں کو ایک ہی عقد میں قبول کیا تو پانچویں کا نکاح باطل ہے۔

(۳)...... اگر کسی غلام نے تین عورتوں سے نکاح کیا تو یہی تفصیل ملحوظ رہے گی، یکے بعد دیگرے نکاح کرے تو آخری سے نکاح نہ ہوا اور تینوں نے بیک وقت نکاح کیا تو تینوں کا نکاح باطل ہوگیا۔

(۴)...... اگر کسی حربی کافر نے پانچ عورتوں سے نکاح کیا پھر وہ اپنی بیویوں سمیت مسلمان ہوا، تو اگر یہ

نکاح یکے بعد دیگرے ہوئے تو پہلی چار جائز رہیں گی پانچویں سے جدائی کرادی جائے گی اور اگر پانچوں سے بیک وقت ہوا تو پانچوں کا نکاح باطل ہوا پانچوں سے جدائی کرادی جائے گی۔

(۵)......اگر کسی نے ایک عورت سے پہلے نکاح کیا پھر چار عورتوں سے ایک ساتھ نکاح کیا تو پھر صرف پہلی سے نکاح درست ہوگا بعد والی چاروں سے نکاح درست نہ ہوگا۔

(۶)......اگر کسی عورت نے ایک عقد میں دو مردوں سے نکاح کیا اور ان میں سے ایک شخص کے نکاح میں پہلے چار عورتیں موجود تھیں تو اس کا نکاح اس دوسرے شخص کے ساتھ درست ہوگا یعنی جس کے ہاں پہلے سے یہ چار نہ تھیں۔

(۷)......اگر دونوں کے پاس پہلے چار چار موجود ہیں تو کسی سے بھی نکاح درست نہ ہوگا اور اگر کسی ایک کے بھی نکاح میں چار عورتیں نہ تھیں تو یہ نکاح بھی کسی سے درست نہ ہوگا۔

(۲)...ذوات الارحام کا جمع کرنا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ دو ایسی عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جن میں آپس میں ذی رحم والا رشتہ ہو مثلاً دونوں بہنوں سے بیک وقت نکاح حرام ہے، اسی طرح باندیاں بنا کر دونوں سے جمع حرام ہے، خواہ حقیقی یا اخیافی، علاتی یا رضاعی بہنیں ہوں۔

ایک اہم اصول:

ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا درست نہیں کہ جن کے مابین ایسا رشتہ ہو کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض کریں اور دوسری کو عورت تو ان کا نکاح آپس میں نہ ہو سکتا ہو، خواہ یہ رشتہ نسبی ہو یا رضاعی۔

(۱)......تو جس طرح دو حقیقی یا رضاعی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اسی طرح لڑکی اور اس کی نسبی پھوپھی یا رضاعی پھوپھی کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

(۲)......کسی لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی خالہ یا اسی قسم کی کسی اور رشتہ دار کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

(۳)......البتہ کسی عورت اور اس کے پہلے خاوند کی لڑکی جو اس عورت کے بطن سے نہ ہو، ان دونوں کو

بیک وقت ایک نکاح میں رکھا جاسکتا ہے، کیونکہ ان میں سے عورت کو مرد اور لڑکی کو عورت شمار کریں تو نکاح میں کوئی رکاوٹ نہیں البتہ اس کا عکس جائز نہیں کہ اگر اس لڑکی کو مرد فرض کریں تو اس عورت یعنی باپ کی منکوحہ سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔

(۴)......اسی طرح کسی عورت اور اسکی باندی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے، بشرطیکہ اس باندی سے پہلے نکاح کیا ہو۔

(۵)......اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے ایک عقد میں نکاح کیا تو نکاح باطل ہوگا، دونوں کو شوہر سے جدا کرادیا جائے گا۔ اگر جدائی قبل الدخول ہے تو دونوں کو بطور مہر کچھ نہ ملے گا۔

اور اگر دخول کے بعد جدائی ہو تو مہر مثل اور مقررہ مہر میں سے کمتر دیا جائے گا اور یہ مہر ہر ایک کو دیا جائے گا۔

(٦)......اگر کسی نے دو بہنوں سے مختلف اوقات میں عقد کیا ہو یعنی یکے بعد دیگرے کیا تو پہلا نکاح درست دوسرا باطل ہوگا اور شوہر کو اس سے جدائی اختیار کرنا لازم ہے۔

اگر وہ خود جدائی اختیار نہیں کرتا اور قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو قاضی ان میں جدائی کرادے، اگر یہ جدائی جماع سے پہلے واقع ہوگی تو احکام علیحدگی مہر وعدت وغیرہ سے کوئی نافذ نہ ہوگی اور اگر دخول کے بعد جدائی واقع ہوگی تو مہر مثل اور مہر متعین سے جس کی مقدار کم ہو وہ مہر دیا جائے گا اور اس پر عدت لازم ہوگی اور اس شخص کو اپنی بیوی سے اس وقت تک علیحدہ رہنا ہوگا جب تک کہ اس کی بہن کی عدت پوری نہیں ہوتی۔

(۷)......اگر کسی شخص نے دونوں بہنوں سے علیحدہ عقد میں نکاح کیا مگر یہ بات یاد نہیں کہ کس بہن سے پہلے اور کس سے بعد میں نکاح کیا تھا تو اس صورت میں شوہر کو کہا جائے گا کہ وہ اس کی وضاحت کرے اور اگر وہ ایک کے متعلق پہلے ہونے کی نشاندہی کردے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا اور پہلی کا نکاح برقرار رہیگا اور دوسری کا باطل قرار پائے گا اور اگر شوہر بیان سے عاجز رہے تو پھر قاضی ان میں تفریق کرادے، علیحدگی کے بعد دونوں کو نصف مہر ملے گا جب کہ دونوں کا مہر برابر اور متعین ہوا ہو اگر علیحدگی جماع سے پہلے عمل میں آئی ہو۔

اور اگر دونوں کا مہر برابر نہ تھا تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مہر کا چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر بوقت عقد مہر متعین نہ ہوا تو آدھے مہر کے بجائے ایک ایک جوڑا کپڑا دونوں کو دیا جائے گا۔

(۸)......اگر یہ علیٰحدگی جماع کے بعد ہو تو ہر ایک کو اس کا پورا مہر ملے گا۔

علامہ ہندوانی کا قول:

علامہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ مذکور بالا میں یہ حکم اس وقت ہوگا جب کہ ان دونوں میں سے ہر ایک عورت کا دعویٰ یہ ہو کہ اس سے نکاح پہلے ہوا مگر گواہ کسی کے پاس نہ ہوں تو دونوں کو نصف مہر ملے گا اور اگر دونوں اس بات کا اقرار کریں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس کا نکاح پہلے ہوا تو ان کے متعلق فیصلے کو اس وقت تک معلق رکھا جائے جب تک دونوں اتفاق کر کے صلح نہ کریں اور قاضی کے پاس یہ نہ کہیں کہ ہم دونوں کا مہر ہمارے خاوند پر واجب ہے اور ہمارے اس دعویٰ پر کوئی دعویدار شریک نہیں کسی تیسری بیوی کا حق نہیں ہے، لہٰذا ہم دونوں اس پر اتفاق و صلح رکھتی ہیں کہ نصف مہر لے لیں اس کے بعد قاضی فیصلہ دے گا۔

(۹)......اگر ان دونوں عورتوں میں سے ہر ایک اپنا نکاح پہلے ہونے پر گواہ پیش کر دے تو مرد پر نصف مہر ہوگا جو دونوں میں تقسیم ہوگا، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

تنبیہ: دو بہنوں کے سلسلہ میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ ان تمام عورتوں پر جاری ہوں گے جن کا بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

(۱۰)......وہ شخص کہ جس نے دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کیا پھر وہ باطل ہو کر ان میں جدائی کر دی گئی اگر بعد میں ان میں دونوں میں سے کسی ایک سے نکاح کو پسند کرے تو کر سکتا ہے مگر اس کی شرط یہ ہے کہ جماع سے پہلے علیٰحدگی پیش آئی ہو اور اگر یہ علیٰحدگی جماع کے بعد پیش آئی ہو تو اس صورت میں دونوں کی عدت گزر جانے پر نکاح کر سکتا ہے اگر ایک عدت میں ہو اور دوسری کی عدت پوری ہوگئی تو خاوند کو اس عورت سے نکاح کرنا درست ہے جو عدت میں ہے، دوسری سے جائز نہیں اگر وہ دوسری سے نکاح کا خواہاں ہے تو جب تک عدت والی کی عدت پوری نہ ہو دوسری سے نکاح نہیں کر سکتا۔

(۱۱)......اگر اس نے ان میں سے ایک سے صحبت کی ہے تو خاوند کو اس سے نکاح کرنا جائز ہے دوسری

جو بلا صحبت ہے اس سے نکاح جائز نہیں، دوسری سے نکاح کرنا اس صورت میں درست ہے جب کہ معتدہ کی عدت پوری ہو جائے۔

(۱۲)...... اگر اس کی عدت بھی پوری ہو گئی تو خاوند جس سے چاہے نکاح کرسکتا ہے۔

(۱۳)...... دو بہنوں کو جو لونڈیاں ہوں تمتع کے لئے جمع کرنا اسی طرح ناجائز ہے جیسا کہ آزاد دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا، پس جو شخص دو بہنوں کا مالک بن گیا تو اسے ایک سے فائدہ اٹھانا درست ہے، جبکہ ان میں سے ایک سے فائدہ اٹھایا تو دوسری سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا، جب تک کہ پہلی کو اپنے اوپر حرام نہ کرلے۔ (کسی سے نکاح کردے وغیرہ)

(۱۴)...... اگر کسی نے ایک لونڈی خریدی اور اس سے صحبت کرلی پھر اس نے اس کی بہن خریدی، اسے پہلی لونڈی سے صبحت تو جائز ہے دوسری سے صحبت جائز نہیں جب تک کہ پہلی کو اپنے اوپر حرام نہ کردے۔

لونڈی کو حرام کرنے کی چند صورتیں:

کسی سے اس لونڈی کا نکاح کردیا، آزاد کرکے ملک سے فارغ کردیا، ملک سے نکال دیا، ہبہ کرکے فروخت کرکے اللہ کی راہ میں دے دیا، یا مکاتب بنادے۔

آزادی کا حکم: بعض حصہ آزاد کرنا کل آزاد کرنے کی طرح ہے، بعض کا ملک کرنا کل ملک کردینے کی طرح ہے۔

(۱۵)...... اگر کوئی اپنی لونڈی کے متعلق کہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے، تو یہ کافی نہیں جیسا کہ دوسری کا حیض، نفاس، احرام، صیام میں ہونا ثبوت حرمت کے لئے کافی نہیں بلکہ یہ توقتی عوارض ہیں، حرمت سے مستقل حرمت مراد ہے۔

(۱۶)...... اگر کسی کی ملکیت میں دو لونڈیاں بہنیں ہوں اور دونوں سے صحبت کرچکا ہو، اب اس کو صحبت کی حرمت معلوم ہوئی تو آئندہ ان میں سے کسی سے اس وقت تک صحبت جائز نہیں جب تک وہ دوسری کو اپنے اوپر حرام نہ کرلے، جیسا اوپر مذکور ہوا۔

(۱۷)...... اگر اس نے دونوں میں سے ایک کا نکاح کردیا یا ہبہ کیا مگر وہ عیب کی وجہ سے اس کی

طرف لوٹادی گئی یا اس نے اپنے ہبہ سے رجوع کرلیا یا جس لونڈی کا نکاح کیا تھا اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی اور اس کی عدت پوری ہو چکی تو تب بھی ان میں سے جو لونڈی اس کے پاس ہے اس سے صحبت کی اجازت نہیں کہ جب تک اس دوسری کو دوبارہ حرام نہ کرلے۔

(۱۸)......اگر کسی شخص نے ایک لونڈی سے نکاح کیا ابھی تک صحبت نہ کرنے پایا تھا کہ اس کی بہن خرید لیا تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں کیونکہ نفس نکاح سے پہلی کا بیوی ہونا ثابت ہو چکا ہے، اب اگر خرید کردہ لونڈی سے صبحت کرلی تو اس نے دو فراش کو جمع کرلیا جو کہ حرام ہے۔

(۱۹)......اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی کی بہن سے نکاح لرلیا اپنی لونڈی سے پہلے صحبت کر چکا تھا لونڈی کی بہن سے نکاح تو صحیح ہو گیا البتہ اپنی لونڈی سے صبحت حرام ہے اور اس منکوحہ سے بھی صحبت حرام ہے، اب یا تو لونڈی کو اسباب مذکورہ میں سے کسی سبب کے ذریعہ حرام کرلے تب منکوحہ سے صحبت درست ہوگی اور اگر لونڈی سے صحبت نہ کی وہ تو اس منکوحہ سے صحبت کر سکتا ہے، البتہ لونڈی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا بلکہ اسے اپنے اوپر حرام کرنا پڑے گا۔

(۲۰)......اگر کسی نے اپنی لونڈی کی بہن سے نکاح فاسد کیا تو وہ لونڈی جس سے صحبت کرتا تھا اس وقت تک حرام نہ ہوگی جب تک کہ منکوحہ سے صحبت نہ کریگا، اگر منکوحہ سے صحبت کرلی تو وہ لونڈی جس سے صحبت کرتا تھا حرام ہوگی۔

(۲۱)......اگر ایک مرد کو دو بہنوں نے کہا کہ ہم نے اتنے مہر کے بدلے تجھ سے نکاح کیا اور دونوں نے ایک ساتھ یہ کلام کہا، مرد نے ان میں سے ایک کے نکاح کو قبول کیا تو وہ نکاح درست ہو جائے گا۔

(۲۲)......اگر مرد نے اس طرح دو بہنوں کو کہا کہ میں نے تم دونوں میں سے ایک سے نکاح کیا جب کہ مہر ایک ہزار درہم ہوگا۔ ان میں سے ایک نے اپنی رضامندی ظاہر کردی مگر دوسری نے انکار کر دیا تو دونوں کے ساتھ نکاح باطل ہے۔

(۲۳)...امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

اگر کسی شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کا وکیل بنایا پھر ایک اور شخص کو کسی عورت سے نکاح کا وکیل بنایا ان وکلاء نے ایک ایک عورت سے اس کا نکاح کر دیا مگر وہ دونوں عورتیں بہنیں نکلیں، اب اگر

دو وکلاء کا کلام بیک وقت صادر ہوا تو نکاح باطل ہوگا اور اسی طرح حکم ہے جب کہ یہ نکاح ایک کی رضامندی سے ہوئے یا دونوں نکاح دونوں کی رضامندی سے ہوئے۔

(۲۴)...... اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے اس حالت میں نکاح کیا کہ دونوں میں سے ایک عدت میں تھی یا کسی کے نکاح میں تھی تو جو خالی تھی اس کا نکاح درست ہوگیا لیکن دوسری کا نکاح درست نہیں۔

(۲۵)...... اگر کسی نے بیوی کو طلاق رجعی یا بائن یا مغلظہ دی اور وہ عدت میں ہے یا نکاح فاسد کی عدت یا وطی بالشبہہ کی عدت میں ہے تو اس کی بہن سے دوران عدت نکاح نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح عورت کے کسی ایسے محرم سے نکاح جائز نہیں کہ جن دو کو جمع نہ کیا جاسکتا ہو، مثلاً پھوپھی بھتیجی اور اسی طرح زمانہ عدت میں اس عورت کے علاوہ چار عورتوں سے نکاح درست نہیں۔

(۲۶)...... اگر کسی شخص نے اپنی ام ولد کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت مکمل ہونے تک اس کی بہن سے نکاح حلال نہیں۔

(۲۷)...... اگر کسی خاوند نے کہا کہ میری مطلقہ بیوی نے مجھے بتلایا کہ اس کی عدت کا وقت پورا ہو چکا ہے پس اس کی بہن سے نکاح کرسکتا ہوں تو اس صورت میں دیکھنا ہوگا کہ زمانہ طلاق کس قدر ہے اگر وہ زمانہ اس قدر ہے کہ عدت کا زمانہ گزرنے کا امکان نہیں تو خاوند کی بات کو رد کر دیا جائیگا، اسی طرح اس کی مطلقہ عورت کا یہ قول بھی نا قابل اعتبار شمار ہوگا کہ میری عدت گزر چکی ہے۔

(۲۸)...... اگر معتدہ نے ایسی صورت بیان کی جس میں عدت کے مکمل ہونے کا احتمال ہو مثلاً یہ کہتی ہے کہ طلاق کے دوسرے دن میرا وہ حمل جس کے اعضاء پورے چکے تھے وہ ساقط ہوگیا تو اس صورت میں اس کا قول معتبر شمار ہوگا اور اگر طلاق کو اتنا عرصہ ہو چکا ہو کہ جس میں عدت کا مکمل ہو جانے کا احتمال ہو اس صورت میں عورت اپنے شوہر کے بیان کی تصدیق کر دے یا خاموش رہے یا اس مجلس سے غائب رہے تو خاوند کے قول کا اعتبار کرنا درست ہے، اس کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنا یا اس کی بہن سے نکاح درست ہے، بلکہ ہمارے علماء کے یہاں تو اگر عورت اس کی بات رد بھی کر دے تب بھی اور سے نکاح درست ہے۔

(۲۹)...... اگر کوئی عورت مرتدہ ہو کر دار الحرب میں چلی گئی تو خاوند کو اس کی بہن سے نکاح جائز ہے خواہ عدت

مکمل نہ ہوئی ہو جیسا کہ اس کے مرجانے کی صورت میں اس کی بہن سے نکاح درست ہے۔

(۳۰)......اگر وہ مرتدہ مسلمان ہو کر دار الحرب سے اس حالت میں لوٹی کہ اس کا خاوند اس کی بہن سے نکاح کر چکا تھا تو لوٹنے سے اس کی بہن کا نکاح فاسد نہ ہوگا اگر بہن کے نکاح سے پہلے لوٹ آئے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں بھی وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے مگر صاحبین کے نزدیک اس صورت میں وہ نکاح نہیں کر سکتا ہے۔

(۳۱)......ایسی دو عورتوں کو ایک وقت نکاح لانا جائز نہیں جن کے مابین دونوں طرف سے پھوپھی یا خالہ کا رشتہ ہو کہ ہر ایک دوسرے کی پھوپھی وغیرہ لگتی ہوں، مثلاً نمبر: ۱/ایک شخص نے دوسرے کی ماں سے نکاح کیا اور اس دوسرے نے اس کی ماں سے نکاح کیا ان دونوں کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان میں ہر ایک لڑکی دوسرے کی پھوپھی بنتی ہے۔ نمبر: ۲/ایک شخص نے دوسرے کی لڑکی سے نکاح کیا اور اس نے اس کی لڑکی سے نکاح کیا، اب دونوں کے بطن سے لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ہر لڑکی دوسری لڑکی کی خالہ ہوئی اب ان دونوں کو ایک نکاح میں رکھنا درست نہیں ہے۔

(۳۲)......اگر کسی شخص نے ایسی دو عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے ایک اس کے لئے حرام تھی خواہ اس کا سبب محرم ہونا یا شادی شدہ ہونا یا بت پرست ہونا تھا جب کہ دوسری عورت ایسی تھی کہ جس سے اس کا نکاح کرنا جائز تہا تو اس صورت میں اس عورت سے اس کا نکاح درست ہے، جو اس کے لئے حلال ہے اور دوسری عورت سے اس کا نکاح باطل ہوگا جو اس کیلئے حرام تھی، مقررہ مہر اسی عورت کو ملے گا جس سے درست نکاح ہوا ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے اور اگر اس شخص نے اس عورت سے نکاح کے بعد جماع کر لیا جس سے نکاح حرام تھا تو اس کو مہر مثل ملے گا خواہ اس کی مقدار کچھ ہی ہو اور مقررہ مہر اسی عورت کو ملے گا جس سے نکاح حلال تھا۔

پانچواں سبب لونڈیاں ہونا:

آزاد عورت کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح آزاد عورت اور باندی سے ایک ساتھ نکاح حرام ہے، مدبرہ (یعنی وہ لونڈی جس کو آقا کہہ دے کہ تم میری موت کے بعد آزاد ہو)

اورام ولد (یعنی وہ لونڈی جس سے آقا کی اولاد ہو جائے) اس کا یہی حکم ہے۔

(۱)......اگر کسی شخص نے ایک عقد میں آزاد عورت اور باندی سے نکاح کیا تو آزاد عورت کا نکاح درست ہے، باندی کا نہیں، بشرطیکہ وہ آزاد عورت ان میں سے ہو جن سے نکاح حرام نہیں۔ مثلاً اگر کسی نے باندی سے نکاح کیا اور اسی عقد میں اپنی پھوپھی یا خالہ سے نکاح کیا تو باندی سے نکاح باطل نہیں ہوا کیونکہ محرمات سے تو نکاح ہوتا ہی نہیں۔

(۲)......اگر کسی نے پہلے باندی سے نکاح کیا پھر آزاد عورت سے نکاح کیا تو ہر دو سے نکاح درست ہو جائے گا۔

(۳)......اپنی بیوی کو طلاق بائنہ یا مغلظہ دی اور وہ عورت ابھی عدت میں تھی کہ اس نے باندی سے نکاح کرلیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا نکاح درست نہیں، البتہ امام ابو یوسف ومحمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نکاح درست ہے، البتہ اگر اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور وہ اس کی عدت میں ہے تو بالاتفاق باندی سے نکاح دوران عدت جائز نہیں ہے۔

(۴)......اگر کسی شخص نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جو نکاح فاسد یا وطی بالشبہہ کی عدت گزار رہی تھی تو باندی کا نکاح درست ہے۔

(۵)......اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ باندی کو طلاق رجعی دی اس کی عدت کا زمانہ باقی تھا کہ اس نے آزاد عورت سے نکاح کرلیا، پھر اپنی اس منکوحہ باندی سے بھی رجوع کرلیا تو یہ درست ہے۔

(۶)......غلام نے آقا سے اجازت نہ لی اور ایک آزاد عورت سے نکاح کیا اور اس سے صحبت بھی کرلی پھر آقا کی اجازت کے بغیر کسی باندی سے بھی نکاح کرلیا اور اس کے بعد اس کے آقا کو اطلاع ملنے پر اس نے دونوں کی اجازت دیدی تو آزاد عورت سے نکاح ثابت رہے گا اور باندی سے نکاح باطل ہوگا۔

(۷)......اگر کسی شخص نے دوسرے کی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا مگر جماع کی نوبت نہ آئی تھی کہ کسی آزاد عورت سے بھی نکاح کرلیا۔ اس کے بعد باندی کے مالک نے نکاح کی اجازت بھی دے دی تب بھی باندی کا نکاح درست نہ ہوگا اور اگر کسی نے ایک باندی سے اس

کے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر اس باندی کی لڑکی سے جو آزاد تھی نکاح کرلیا اس کے بعد باندی کے مالک نے باندی کے نکاح کی اجازت دے دی تو لڑکی کا نکاح درست ہو جائے گا مگر باندی کا درست نہ ہوگا۔

(۸)......ایک شخص کی ایک بالغہ لڑکی اور بالغہ لونڈی ہے، اس نے ایک شخص کو کہا کہ میں نے دونوں کا نکاح اتنے مہر کے بدلے تمہارے ساتھ کردیا۔ اس شخص نے باندی کا نکاح قبول کرلیا تو یہ نکاح باطل ہے، اگر اس کے بعد اس شخص نے آزاد لڑکی کا نکاح قبول کرلیا تو وہ درست ہوجائے گا۔

(۹)......اگر کوئی شخص آزاد عورت سے نکاح کی طاقت رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ باندی سے نکاح کرلیتا ہے تو وہ باندی مسلمان ہو یا اہل کتاب ہو نکاح درست ہوجائے گا، مگر آزاد عورت سے نکاح کی وسعت ہونے کے باوجود باندی سے نکاح میں کراہت ضرور ہے۔

(۱۰)......اگر کسی نے ایک عقد میں چار باندیوں اور پانچ آزاد عورتوں سے نکاح کیا تو صرف باندیوں کے ساتھ نکاح درست ہوگا آزاد عورتوں سے نکاح درست نہ ہوگا۔

چھٹا سبب: ان عورتوں سے دوسرے کے حق کا متعلق ہونا:

جن عورتوں سے دوسرے مردوں کا حق متعلق ہو ان سے نکاح حرام ہے مثلاً کسی کی منکوحہ یا معتدہ وغیرہ خواہ وہ عدت طلاق کی ہو یا موت یا فساد نکاح کی ہو جس میں جماع ہوچکا یا وطی بالشبہہ والی عورت کی عدت ہو ان عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے۔

(۱) اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی منکوحہ سے دانستگی میں نکاح کرلیا اور اس سے جماع بھی کرلیا تو جدائی کے بعد عورت پر عدت لازم ہوگی۔

(۲)......اگر وہ شخص جان بوجھ کر نکاح کرتا ہے حالانکہ اس کا منکوحہ غیر ہونا اس کو معلوم ہے تو اس صورت میں جدائی کے بعد عورت پر عدت نہ ہوگی مگر خاوند کو اس سے صحبت کرنا جائز نہ ہوگا اور اگر اس کا خاوند اس کو طلاق دے دے تو جس کی وہ عدت گزار رہی ہے اس کے زمانہ عدت میں نکاح درست ہے مگر شرط یہ ہے کہ عدت کے علاوہ کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

(۳)......جوعورت زنا سے حاملہ ہو اس سے نکاح تو جائز ہے مگر تادم ولادت ناکح کو اس سے جماع درست نہیں ہے۔اسی طرح اسباب جماع یعنی بوس وکنار وغیرہ بھی درست نہیں اور مزنیہ سے اس زانی کا نکاح کر دیا گیا تو اسے وضع حمل سے پہلے بھی جماع کی رخصت ہے اور وہ عورت نفقہ کی بھی حقدار ہے۔

(۴)......اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا کچھ عرصہ بعد اس عورت کا حمل ساقط ہو گیا، اس حمل کے اعضاء وغیرہ بن چکے تھے، اب اس بات کو دیکھنے کی حاجت ہو گی کہ یہ اسقاط کتنے عرصہ میں ہوا اگر چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ میں ساقط ہوا تو اس عورت کا اس مرد سے نکاح جائز ہے اور اگر چار ماہ سے قبل حمل کا اسقاط ہوا تو اس کا نکاح جائز نہ ہو گا۔کیونکہ حمل کے اعضاء چار ماہ سے پہلے ظاہر نہیں ہوتے مطلب یہ ہے کہ اعضاء کا ظاہر ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ حمل اسی شخص کا ہے جس نے نکاح کیا اور چار ماہ سے کم عرصہ میں اسقاط ہوا مگر اعضاء ظاہر تھے تو اس کا معنی یہ ہے کہ عورت پہلے کسی شخص کے نکاح میں تھی اور یہ حمل اسی کا ہے، اس سے یہ ظاہری فرق نکلا کہ نکاح ہی سرے سے درست نہ ہوا۔

(۵)......وہ حاملہ عورت جس کے متعلق معلوم ہو کہ یہ فلاں کے جائز نطفہ سے ہے تو اس صورت میں بالاتفاق ایسی عورت سے نکاح جائز نہیں ہے، خود امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی عورت حربی کافر سے حاملہ ہو، اور وہ ہجرت کر کے دارالاسلام میں داخل ہو گئی یا باندی بنا کر لائی گئی تو اس سے نکاح جائز ہے، لیکن ولادت تک اس سے جماع جائز نہ ہو گا، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

جو انہوں نے امام ابوحنیفہ (سے نقل کیا ہے کہ جس طرح ایسی حاملہ عورت سے جماع جائز نہیں نکاح بھی جائز نہیں، امام کرخی (نے اس قول کو زیادہ صحیح کہا ہے۔

(۶)......اگر کسی شخص نے اپنی حاملہ ام ولد کا نکاح کسی سے کر دیا تو یہ نکاح باطل ہو گا، اگر وہ حاملہ نہ ہوئی تو نکاح درست ہے۔

(۷)......اگرکسی نے اپنی باندی سے جماع کیااور اس کے بعد اس کا نکاح کسی سے کر دیا، یہ نکاح تو درست ہوگیامگر آقا کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے نطفہ کی حفاظت کے لئے باندی سے استبراء رحم کروائے یعنی حیض کے بعد جماع کرنے دے مگر جب نکاح درست ہے تو خاوند کو جماع کی اجازت ہے، یہ شیخین کا قول ہے البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک استبراء کے بغیر خاوند کا جماع پسندیدہ نہیں ہے، بقول ابواللیث امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول نہایت محتاط ہے۔

اس اختلاف کی نوعیت:

یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ آقا نے باندی کا نکاح استبراء کے بغیر کر دیا ہو اگر استبراء ہو چکا تو پھر بالاتفاق اس باندی سے اس کے خاوند کو جماع کی اجازت ہے۔

(۸)......ایک عورت کو کسی نے زنا کرتے دیکھا پھر بعد میں اس سے نکاح کر لیا تو شیخین کے نزدیک استبراء کے بغیر بھی اس سے جماع درست ہے۔

(۹)......اپنے لڑکے کی باندی سے نکاح کو احناف نے جائز قرار دیا ہے۔

(۱۰)......اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں آ گئی تو بقول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس پر بھی عدت لازم نہ ہوگی، اس سے جو چاہے نکاح کرے مگر صاحبین کے ہاں اس پر عدت لازم ہوگی اور عدت کے مکمل ہونے تک اس سے نکاح جائز نہ ہوگا، مگر استبراء کیلئے ایک حیض کے آنے تک اس کے ساتھ جماع کا کوئی قائل نہیں۔

ساتواں سبب: اختلاف مذاہب ہے:

یعنی وہ عورتیں کہ جن سے مشرکہ ہونے کی بنیاد پر نکاح حرام ہے، مثلاً آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح درست نہیں اگرچہ وہ آزاد ہوں یا باندیاں، ستارہ پرست، سورج کے پجاری، پسندیدہ تصاویر کو پوجنے والے یا یونانیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو معطل اور بے کار ماننے والے، زندیق، باطنی، اباحت پسند گروہ وغیرہ کا یہی حکم ہے، (یہ تمام مشرکوں میں شمار ہیں) اسی طرح باطنیہ یہ شیعہ کا ایک گروہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ قرآن مجید کا ایک باطنی معنی ہے جو امام ہی جانتا ہے انہوں نے بہت خرافات بکے ہیں۔

اسی طرح اباحیہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ دنیا کا ہر اچھا برا کام مباح ہے، اسی طرح وہ عورتیں جو کسی ایسے مذہب کی قائل ہیں جس کا ماننا کفر ہے، وہ بھی آتش پرست مشرکہ باندیوں کے حکم میں ہیں اور اپنی آتش پرست مشرکہ باندی سے جماع ناجائز وحرام ہے۔

(۲)......مسلمان کو اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے جو کہ دارالحرب میں رہائش پذیر ہوں نکاح کرنا درست ہے اور ذمیہ کافرہ (ذمی وہ کافر جو مسلمانوں کی حکومت میں رہ کر خراج ادا کرتا ہے) سے بھی شادی کرسکتا ہے۔خواہ وہ آزاد ہو یا باندی مگر بہتر یہی ہے کہ ان سے بھی شادی نہ کی جائے اور بلاضرورت ان کا ذبیحہ بھی استعمال میں نہ لایا جائے۔

(۳)......اگر کسی مسلمان نے کسی اہل کتاب کی عورت سے شادی کرلی تو اب اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ان کے عبادت خانہ (گرجا گھر) سے منع کرے اور اس کو اپنے گھر شراب بنانے سے منع کرے، مگر اس کو حیض ونفاس اور جنابت کے غسل کے لئے مجبور نہیں کرسکتا۔

(۴)......دارالحرب میں کتابیہ سے بھی نکاح کیا گیا تو جائز ہے مگر اس میں کراہت ضرور ہے۔

(۵)......اگر کوئی مسلمان اپنی کتابیہ بیوی کو لے کر دارالحرب سے دارالاسلام میں داخل ہوا تو نکاح باقی رہا اور اگر مسلمان خود وہاں سے نکل آیا مگر عورت کو وہیں چھوڑ آیا تو تباین دارین کی وجہ سے ان میں فرقت ہوجائے گی۔

اہل کتاب: وہ لوگ جو کسی آسمانی دین کا اعتقاد رکھتے ہوں مثلاً مصاحف ابراہیم شیث، زبور، صحف موسوی، تورات وانجیل کو ماننے والے لوگ اہل کتاب ہیں، ان کو عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کے ذبیحہ کو کھانا درست ہے۔

(۱)......وہ لوگ جن کے ماں باپ میں سے ایک اہل کتاب میں سے ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو اس کا حکم اہل کتاب والا ہی ہوگا۔

(۲)......کسی مسلمان نے کتابیہ سے نکاح کیا پھر وہ مجوسیہ ہوگئی تو وہ مسلمان پر حرام ہوگئی اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا۔

(۳)......اگر کسی یہودیہ سے نکاح کیا پھر اس نے نصرانیت اختیار کی یا اس کا عکس کہ نصرانیہ سے نکاح کیا

اور اس نے یہودیت اختیار کرلی تو اس صورت میں نکاح فاسد نہ ہوگا۔

ایک قاعدہ واصول:

میاں بیوی میں سے کوئی جب ایسا مذہب اختیار کرلے کہ جس سے نکاح نہ ہوسکتا ہو تو نکاح باطل ہوجاتا ہے۔ نکاح کا فساد کس کی طرف سے ہوا ہے اس کو دیکھا جائے گا، اگر عورت نے مجوسیت اختیار کرلی جس کی وجہ سے نکاح کا فساد ہوا تو ان میں تفریق ہوجائے گی اور عورت کو مہر دینا لازم نہ آئے گا، اور نہ ہی اس کو جوڑا دیا جائے گا، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ یہ فساد صحبت سے قبل ہوا ہو اور اگر صحبت کے بعد فساد لازم ہوا ہے تو تمام مہر لازم آئے گا، اور اگر فساد نکاح خاوند کی طرف سے ہو کہ اس نے مجوسیت اختیار کرلی اب اس کی بھی دو صورتیں ہیں کہ اگر یہ صحبت سے پہلے ہوا تو خاوند پر نصف مہر لازم آئے گا جب کہ مہر کی رقم متعین تھی، اگر مہر کی رقم متعین نہ تھی تو کپڑوں کا جوڑا دینا لازم ہوگا۔

اور اگر صحبت کے بعد فساد نکاح کا معاملہ پیش آیا تو تمام مہر دینا پڑے گا۔

(۴)......مرتد کو مرتد سے نکاح کرنا جائز نہیں، اسی طرح مرتد کا مسلمہ اور کافرہ اصلیہ سے بھی نکاح درست نہیں۔

(۵)......مرتدہ کا نکاح کسی مرتد سے یا اصلی کافر یا مسلمان سے درست نہیں ہے۔

(۶)......کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی مشرک، کتابی سے جائز نہیں۔

(۷)......کافرہ عورت کا فرہ مشرک کے ساتھ نکاح جائز ہے خواہ یہ عورت مجوسیہ ہو مشرکہ ہو البتہ مرتد کے لئے جائز نہیں۔

(۸)......ذمیوں کا باہمی مناکحہ جائز ہے، خواہ مختلف ہوں مثلاً ایک مجوسی دوسرا یہودی۔

(۹)......کتابیہ سے نکاح اس صورت میں بھی جائز ہے جب کہ پہلے مسلمہ سے نکاح کیا ہو اور مسلمہ سے نکاح بھی جائز جب کہ پہلے کتابیہ نکاح میں ہو، ان کی باری میں بھی برابری ہوگی۔

آٹھواں سبب ملک کی وجہ سے حرمت:

یعنی وہ عورتیں مالکہ ہونے کی وجہ سے مملوکہ پر حرام ہیں، کسی مالکہ کو اپنے غلام سے نکاح درست نہیں ہے، اسی طرح مشترک غلام سے بھی نکاح جائز نہیں ہے۔

(۱)......اگر نکاح ہوجانے کے بعد میاں بیوی میں سے ایک دوسرے بعض یا کل کا مالک بن گیا تو نکاح باطل ہوگیا۔

(۲)......اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی سے نکاح کرلیا یا اس لونڈی سے نکاح کیا جس کے بعض حصہ کا وہ مالک ہے تو یہ نکاح درست نہ ہوگا۔

(۳)......آج کل لونڈی، غلام کا یہ سلسلہ سمٹ گیا، بالفرض اگر کہیں لونڈی پائی جائے تو اس سے نکاح کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ لونڈی بننے کی شرائط ندارد ہیں، اب نکاح کا فائدہ یہ ہوگا کہ نکاح کی بناء پر اس عورت سے صحبت حلال ہوجائے گی۔

(۴)......امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو (جو باندی ہے) خیار شرط کے ساتھ خریدا تو نکاح باطل نہ ہوگا۔

نواں سبب طلاق ہے:

ایسی عورتیں جن کو طلاق مغلظہ دی گئی ہو اور اس کی وجہ سے حرام ہوگئیں تو ان سے اسی حالت میں نکاح درست نہیں۔

(۱)......کسی آزاد عورت کو مرد اگر تین طلاقیں دے دے تو اب اس عورت سے اس کا نکاح حرام ہے، یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کے بعد صحبت کرے اور وہ اپنی مرضی سے طلاق دے پھر وہ عورت عدت طلاق گزارے تو تب نکاح درست ہے۔

(۲)......جس لونڈی کو دو طلاقیں ملی ہوں تو اس سے دوبارہ نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرا نکاح کرکے اس سے صحبت نہ کرے اور اس کو طلاق نہ دے اور اس کی عدت نہ گزر جائے، پہلا شوہر اس لونڈی کو اگرچہ خرید کر آزاد بھی کردے تب بھی نکاح درست نہیں جب تک کہ دوسرا نکاح کرکے اس کا دوسرا شوہر اس سے صحبت نہ کرے اور پھر طلاق پاکر وہ عدت نہ گزارے، اسی طرح شوہر کے لئے اس لونڈی کو بطور ملک یمین استعمال کرنا بھی درست نہیں ہے۔ یعنی دو طلاقیں دے کر اس کو خرید لے تو خریدنے کے بعد اس سے وطی نہیں کرسکتا۔

مسائل متفرقہ:

(۱)......نکاح متعہ باطل ہے جب یہ جائز ہی نہیں تو اس کی وجہ سے نہ تو جماع حلال ہے اور نہ اس پر

طلاق واقع ہوگی اسی طرح ایلاء اور ظہار کے احکام بھی نافذ نہ ہوں گے اور نہ ہی ان کے مابین وراثت کا سلسلہ ہوگا۔

متعہ:

کوئی مرد کسی ایسی عورت سے جس میں مندرجہ بالا موانع نہ ہوں، مال کی ایک مقدار پر ایک مدت کے لئے فائدہ اٹھانا طے کرلیں، مثلاً دس روز یا چند روز ہو، یہ سب متعہ کی صورتیں ہیں۔

نکاح موقت:

(۱)......متعہ کی طرح نکاح موقت بھی ناجائز ہے، خواہ مدت زیادہ ہو یا کم اور متعین ہو یا غیر متعین بہر صورت نکاح درست نہ ہوگا، البتہ اگر وہ ایسی مدت متعین کریں کہ جب تک دونوں کا زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں وہ نکاح موقت میں داخل نہ ہوگا مثلاً ایک ہزار سال تک کیلئے نکاح کرتا ہوں، یہ نکاح درست ٹھہرے گا اور شرط باطل ہوگی، جیسا کہ کوئی شخص نکاح کو وقوع قیامت یا خروج دجال یا نزول عیسیٰ وخروج دابہ وغیرہ تک کی مدت تک موقت کرے تو نکاح صحیح اور شرط باطل ہوگی۔

(۲)......اگر کسی شخص نے نکاح کا وقت متعین نہیں کیا مگر دل میں اس کی مدت متعین تھی مثلاً نکاح کرنے والے کا خیال تھا کہ میں اسے ایک یا دو سال تک رکھوں گا اور پھر اسے چھوڑ دوں گا تو اس صورت میں نکاح درست اور خیال کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۳)......اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں ایک ماہ بعد طلاق دیدوں گا تو نکاح درست ہو جائے گا اور شرط باطل ہوگی۔

(۴)......اگر کسی نے نکاح کرتے ہوئے عورت سے یہ شرط طے کی کہ میں دن میں تمہارے ساتھ رہوں گا مگر رات نہ رہوں گا تو یہ نکاح درست ہے۔

(۵)......اگر مرد عورت دونوں حالت احرام میں ہوں تو ان کا نکاح درست ہے۔

(٦)......کسی عورت کا ولی اس عورت کے حالت احرام میں اس کا نکاح کرسکتا ہے۔

(۷)......اگر عورت نے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ فلاں شخص نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور

نکاح کے ثبوت کے لئے اس نے دو گواہ بھی پیش کر دیے اور قاضی نے اس شخص کو اس عورت کا شوہر قرار دے دیا حالانکہ اس نے واقعتاً اس عورت سے نکاح نہیں کیا تھا تو قاضی کے فیصلہ کے بعد اس عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ زید کے ساتھ رہے اور اس شخص کو جائز ہوگا کہ اگر وہ عورت اس سے صحبت کا مطالبہ کرے تو اس سے صحبت کرے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول ہے قاضی کا فیصلہ اور رہر دو کا دو گواہوں کے سامنے تسلیم کرنا بمنزلہ عقد ہوگا بشرطیکہ عورت قابل عقد ہو اور گواہ بھی درست ہوں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مرد کو اس عورت سے جماع جائز نہیں ہے۔

(۸)...... اگر قاضی کے فیصلہ کے موقعہ پر عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو یا پہلے شوہر کے طلاق دینے کی وجہ سے عدت میں ہو یا خود اس آدمی نے اس کو طلاق مغلظہ دیکر پہلے الگ کیا ہو تو ان صورتوں میں موانع کی وجہ سے قاضی کا فیصلہ نافذ العمل نہ ہوگا اور یہ عورت اس شخص کی بیوی نہ بن سکے گی۔

(۹)...... علماء کی اکثریت اس مسئلہ مذکورہ میں اس بات کی قائل ہے کہ قاضی کا فیصلہ اس وقت نافذ العمل ہوگا جب فیصلہ کے وقت گواہ حاضر ہوں۔

(۱۰)...... اگر کسی شخص نے عدالت میں دعویٰ کیا کہ فلاں عورت اس کی منکوحہ ہے اور ثبوت دعویٰ کے لئے گواہ پیش کر دے تو اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو اوپر مذکور ہوا۔

(۱۱)...... اگر کوئی عورت قاضی کے وہاں دعویٰ کرے کہ میرے فلاں شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اس نے فیصلہ صادر کر دیا باوجود کہ وہ عورت جانتی ہے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا لہٰذا قاضی کا فیصلہ بمنزلہ حکم طلاق شمار ہوگا اور اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی، اس طلاق کے بعد وہ عورت ایام عدت گزار کر کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے، ان گواہوں میں سے کسی کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔

یہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کو اس سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی اس سے اس کا نکاح درست نہیں اور نہ کسی

دوسرے سے نکاح جائز ہوگا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

اس عورت کا خاوند ثانی جب تک جماع نہ کرے اس وقت تک یہ پہلے شوہر کیلئے حلال رہے گی، اگر دوسرے مرد نے جماع کرلیا تو اب جب تک اس کی عدت نہ گزرے عدت واجب ہونے کی وجہ سے پہلے شوہر کے لئے یہ حرام رہے گی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرے مرد سے اس کا نکاح جائز نہیں ہے۔

(۱۲)......اگر کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں عورت کا میرے ساتھ نکاح ہوا تھا مگر عورت اس سے انکاری ہے، پھر اس شخص نے اس عورت سے مصالحت چاہی اور یہ لالچ دیا کہ اگر تم اقرار کرلو تو تمہیں اتنی رقم دوں گا اس عورت نے اقرار کرلیا تو اب اس شخص پر لازم ہے کہ اس عورت کو متعینہ مال ادا کرے، اب اس عورت کا یہ اقرار بمنزلہ نکاح شمار ہوگا، اب اگر یہ اقرار گواہوں کی موجودگی میں ہے تو نکاح کو درست قرار دیا جائے گا اور دونوں کا بطور میاں بیوی رہنا درست ہوگا اور اگر اقرار کے وقت کوئی گواہ موجود نہ تھا تو انعقاد نکاح نہ ہوگا اور دونوں میاں بیوی ہونے کی حیثیت سے رہنا نا جائز ہوگا۔ (فتاوی عالمگیریہ بیان المحرمات، مظاہر حق)

{الفصل الاول}

پھوپھی اور بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنا

{۳۰۱۲} عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَیْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۶۶، باب لا تنکح المرأة علی عمتها، کتاب

النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۰۹، مسلم شریف: ۲/۴۵۲، باب تحریم الجمع بین المرأة وعمتها، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۰۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ کسی عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ نکاح میں نہ جمع کیا جائے اور نہ کسی عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع کیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا تو نص قرآنی سے حرام ہے بھتیجی اور پھوپھی، بھانجی اور خالہ کو جمع کرنے کی حرمت حدیث مشہور سے ثابت ہے، یہی حکم ہر ان دو عورتوں کا ہے جن میں قرابت محرمہ ہو یعنی ان میں سے کسی ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کیا جائے تو نکاح درست نہ ہوتا ہو ایسی عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، یاد رہے کہ یہ حرمت دونوں طرف سے ہونا ضروری ہے یعنی ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کیا جائے تب بھی نکاح حرام ہو اور اس کے برعکس کیا جائے تب بھی حرام ہو، اگر ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کیا جائے تب بھی نکاح حرام ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس کرنے سے ایسا نہیں ہوتا تو ان کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز ہے مثلاً بیوی اور اس کے پچھلے خاوند کی بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جمہور کے نزدیک جائز ہے کیونکہ اگر پچھلے خاوند کی بیٹی کو مرد فرض کیا جائے تو نکاح حرام بنتا ہے کیونکہ دوسری طرف زوجہ اب ہے لیکن اگر بیوی کو مرد فرض کیا جائے تو نکاح کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ (اشرف التوضیح: ۲/۴۴)

پھوپھی اور خالہ حقیقی ہوں یا مجازی مجازی دادا کی بہن یا پردادا کی بہن اور اس سے اوپر کی ہیں، یا نانی کی بہن یا دادی کی بہن اور اس سے اوپر کی سب بالاتفاق حرام ہیں، ان کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی گنجائش قطعاً نہیں ہے، اسی طرح کسی کی ملکیت میں دو باندیاں ہوں جن میں پھوپھی بھتیجی یا خالہ بھانجی کا رشتہ ہو تو ان کو وطی میں جمع کرنا حلال نہیں ہے، کسی ایک کے ساتھ ہی وطی جائز ہوگی۔ (مرقاۃ: ۶/۲۲۱)

اشکال: قرآن مجید میں محرمات کا تذکرہ کرنے کے بعد "واحل لکم ماوراء ذلکم" ہے یعنی جن عورتوں کا تذکرہ ہوا ان کے علاوہ عورتیں حلال ہیں، قرآن مجید کے عموم کو حدیث باب سے کیوں خاص کیا جا رہا ہے، جب کہ حنفیہ اخبار آحاد سے کتاب اللہ کی تخصیص کے قائل نہیں ہیں۔

جواب: اخبار احاد سے نہیں بلکہ احادیث مشہورہ سے تخصیص کی گئی ہے، (۲) آیت کریمہ میں تخصیص خبر واحد کی وجہ سے نہیں بلکہ اجماع امت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۲۹۳)

حدیث سے مستنبط ایک اصول

اس حدیث سے فقہاء نے ایک قاعدہ مستنبط فرمایا ہے کہ اگر دوعورتوں میں ایک کو مذکر فرض کیا جائے تو وہ دوسری عورت پر حرام ہو ہر ایسی دوعورتوں سے نکاح ناجائز ہے اور یہ دونوں جانب سے فرض کیا جائے تب ہے اور اگر ایک جانب سے فرض کرنے کی صورت میں حرام ہوتی ہے لیکن دوسری جانب سے اگر مذکر فرض کریں تو اس کا نکاح حرام نہیں ہے تو امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جائز نہیں ہے ہمارے یہاں اس صورت میں جائز ہے۔

حرمت رضاعت

{۳۰۱۳} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوَلَادَةِ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۲/۷۸۸، باب مایحل من الدخول، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۵۳۹۔

حل لغات: ارضعه: بچہ کو دودھ پلانا، الولادة: جننا، پیدائش ظہور، آغاز۔

ترجمه: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ دودھ پینے کی وجہ سے وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو پیدائش کی وجہ سے حرام ہیں۔ (بخاری)

تشریح: یحرم من الرضاعة: الرضاعة، میں راء کو فتحہ ہے جبکہ کسرہ بھی صحیح ہے، لغت میں اس کے معنی وہ ہے جو لکھے گئے ہیں اصل میں اس کے معنی چھاتی سے دودھ چوسنا ہے، اصطلاح شرع میں اس کے معنی دودھ پینے والے بچے کا عورت کی چھاتی سے وقت مخصوص میں دودھ کا چوسنا، ہدایہ

میں ہے کہ اگر دو بچے بکری کی چھاتی سے دودھ پئیں تو ان کے درمیان حرمت رضاعت نہیں ہے، اس لئے کہ بہائم اور انسان کے درمیان جزئیت نہیں ہے اور حرمت اسی اعتبار سے ثابت ہوتی ہے۔

یحرم من الرضاعة مایحرم من الولادة: جو رشتے نسب میں حرام ہیں وہ رشتے رضاعت سے بھی حرام ہیں، درحقیقت محرمات ابدیہ کی تین قسمیں ہیں، (۱) محرمات نسبیہ، (۲) محرمات رضاعیہ، (۳) محرمات بالمصاہرت، نسب کی وجہ سے جو عورتیں محرمات ابدیہ میں داخل ہیں وہ سات ہیں۔ (۱) ماں، (نانی دادی سب داخل ہیں) (۲) بیٹی، (نواسی پوتی داخل ہیں) (۳) بہن، (۴) پھوپھی (۵) خالہ (۶) بھتیجی (۷) بھانجی، حرمت بالمصاہرت کی وجہ سے چار عورتیں محرمات ابدیہ میں داخل ہیں۔ (۱) ساس (۲) ربیبہ (۳) باپ کی منکوحہ (۴) بیٹے کی بہو، تو کل ملا کر محرمات ابدیہ گیارہ قسم کی عورتیں ہوگئیں اور یہی گیارہ رضاعت کے سبب سے بھی حرام ہیں تو محرمات ابدیہ کل بائیس ہوگئیں۔

حدیث کے الفاظ عموم سے تو یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ جو بھی رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ تمام رشتے رضاعت کے سبب بھی حرام ہیں لیکن اس قاعدہ سے کچھ مسائل مستثنیٰ ہیں جن کو ذیل کے دو اشعار میں جمع کر دیا گیا ہے۔

یفارق النسب الرضاع فی صور
کام نافلة و جد ة الولد
وام عم واخت ابن وام
أخ وام خال عمة ابن اعتمد

سوال: حدیث کے الفاظ مطلق ہیں تو پھر استثنا کیوں کیا ہے؟

جواب: جن صورتوں کا استثنا ہے وہ درحقیقت حدیث کے الفاظ کے دائرہ میں نہیں ہیں، صرف ظاہری صورت کے اعتبار سے حدیث کے الفاظ کے دائرہ میں داخل محسوس ہوتی ہیں، اس لئے ان کو الگ کر دیا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حرمت رضاعت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب کہ رضاعت کا رشتہ اسی حیثیت سے پایا جا رہا ہو، جس حیثیت سے وہ نسب میں حرام ہیں، حیثیت بدل جانے کی صورت میں حرمت نہیں رہتی

ہے، فقہاء نے جو مستثنیات بیان کئے ہیں ان میں حرمت نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ ان میں حیثیت بدل گئی ہے، مثلاً فقہا نے اخ رضاعی کی بہن کو مستثنیٰ کیا ہے، دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ نسبی رشتوں میں "اخت الاخ" کے حرام ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ محض "اخت الاخ" ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ نسبی بہن ہے اور رضاعت میں یہ بات نہیں پائی جاتی ہے، کیونکہ "اخ" رضاعی کی بہن سے براہ راست نہ کوئی نسبی تعلق ہے نہ رضاعی تعلق ہے، لہٰذا یہ صورت حدیث کے تحت ابتدا ہی سے داخل نہیں ہے البتہ چونکہ صورتاً داخل معلوم ہوتی ہے لہٰذا اس پر مستثنیٰ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ (درس ترمذی، مرقاۃ: ۶/۲۹۴)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

یحرم من الولادة: علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ نکاح حرام ہو جاتا ہے اور دیکھنا، خلوت اور سفر حلال ہو جاتا ہے لیکن رضاعی رشتہ پر نسب کے تمام احکام نافذ نہیں ہوتے چنانچہ یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور نہ ان میں سے کسی پر دوسرے کا نفقہ واجب ہوتا ہے اور ملکیت کی وجہ سے آزادی ثابت نہیں ہوتی ہے اور رضاعی لڑکے کے قتل سے رضاعی ماں سے قصاص ساقط نہیں ہوتا چنانچہ ان احکام میں وہ مثل دو اجنبیوں کے ہیں۔ (مرقاۃ: ۶/۲۹۴)

رضاعی چچا محرم ہے

{۳۰۱۴} **وَعَنْهَا** قَالَتْ جَاءَ عَمِّيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيَّ فَاَبَيْتُ اَنْ اٰذَنَ لَهٗ حَتّٰى اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُهٗ فَقَالَ اِنَّهٗ عَمُّكِ فَأْذَنِيْ لَهٗ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ وَ ذَالِكَ بَعْدَ مَا ضُرِبَ عَلَيْنَا الْحِجَابُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۸۸، باب مایحل من الدخول، کتاب النکاح،

حدیث نمبر: ۵۲۳۹، مسلم شریف: ۱/۴۶۷، باب تحریم الرضاعة، کتاب الرضاعة، حدیث نمبر، ۱۴۴۵۔

حل لغات: استاذن علی فلان: کسی کے پاس آنے کی اجازت مانگنا، ملاقات کی اجازت مانگنا، ابی الشیٔ: نہ ماننا، ناپسند کرنا، قبول نہ کرنا، ضرب علیھم: کسی پر کوئی چیز لازم کرنا واجب کرنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے رضاعی چچا آئے، اور انہوں نے مجھ سے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی، میں نے انہیں اس وقت تک اجازت دینے سے انکار کر دیا، جب تک کہ میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھ نہ لوں، چنانچہ حضرت رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آنحضرت ﷺ سے اس کے بارے میں معلوم کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ تمہارے چچا ہیں تم ان کو اجازت دیدو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، مجھ کو عورت نے دودھ پلایا تھا کسی مرد نے نہیں دودھ پلایا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ وہ تمہارے چچا ہیں، لہٰذا وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں، یہ واقعہ ہمارے اوپر پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: مضمون حدیث یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میرے پاس افلح بن القعیس آئے میں ان سے پردہ کرنے لگی، انہوں نے کہا کہ مجھ سے پردہ کرتی ہو؟ میں تو تمہارا چچا ہوں، میں نے کہا آپ میرے چچا کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا تم کو میرے بھائی کی بیوی نے دودھ پلایا ہے، اس پر انہوں نے فرمایا: "انما ارضعتنی المرأة ولم یرضعنی الرجل" مجھے عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے دودھ نہیں پلایا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس قصہ کے بعد جب حضور ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: کہ ہاں وہ تمہارے چچا ہیں بغیر پردہ کے آسکتے ہیں جاننا چاہئے کہ افلح کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا ہونے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) افلح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نسبی باپ کے رضاعی بھائی ہوں، (۲) افلح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی باپ کے نسبی بھائی ہوں، (۳) افلح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی باپ کے رضاعی بھائی ہوں، لیکن یہاں دوسری صورت متحقق ہے جس کی روایت میں تصریح ہے، "ارضعتك امرأة اخی" تجھ کو میرے بھائی کی عورت نے دودھ پلایا ہے۔ (الدر المنضود: ۴/۷۹، مرقاة: ۶/۲۹۵)

لبن فحل کے سلسلہ میں اختلاف ائمہ

مرضعہ عورت کے زوج کیلئے رضیعہ حرام ہوگی یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے چنانچہ ربیعۃ الرائے اور اہل ظاہر کے نزدیک رضاعت من جانب الرجل کسی شخص کو حرام نہیں کرتی ہے، بناء بریں مرضعہ کے زوج اور اس کے آباء وابناء پر یہ رضیع بچی حرام نہیں ہوگی، لیکن جمہور صحابہ وتابعین اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حرمت رضاعت مرضعہ اور اس کے شوہر دونوں کی جانب ثابت ہوگی، لہٰذا دودھ پینے والی لڑکی مرضعہ کے شوہر اور اس کے آباوابناء پر حرام ہوگی کمافی النسب۔

اہل ظواہر نے "وامھاتکم اللاتی ارضعنکم" اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔ کے ظاہر سے استدلال کیا ہے کہ یہاں محرمات کی فہرست میں صرف امہات کا ذکر کیا لہٰذا صرف اسی کی جانب سے حرام ہوگی، نہ کی زوج کی جانب سے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دودھ صرف مرضعہ سے نکلتا ہے مرد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر اس کی جانب میں حرمت کیسے ہوگی جمہور کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث ہے کہ اس میں آپ نے فرمایا: "فلیلج علیك فانه عمك من الرضاعة" وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں وہ تمہارے رضاعی چچا ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ رضاعت سے مرد کی جانب میں بھی حرمت ثابت ہوتی ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ حرمت رضاعت کے بارے میں جتنی حدیثیں آئی ہیں ان میں عام الفاظ سے فرمایا: "یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة ان الله حرم من الرضاعة ما حرم من النسب" رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں بے شک اللہ نے رضاعت سے حرام فرمایا ہے جو نسب سے حرام فرمایا ہے۔ ان میں مرد وعورت کی جانب کوئی تخصیص نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دودھ پیدا ہوتا ہے عورت اور مرد دونوں کے پانی سے، لہٰذا جزئیت دونوں طرف سے ثابت ہوتی ہے اور یہی حرمت کی علت ہے لہٰذا حرمت دونوں طرف میں ہوگی۔

انہوں نے آیت سے جو دلیل پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ تخصیص الشی بالذکر سے ماعدا کی نفی پر استدلال کرنا درست نہیں خصوصی طور پر جبکہ دوسری طرف صحیح حدیث بھی موجود ہو، اور یہاں زوج کی جانب

سے حرمت پر حدیث موجود ہے کما ذکرنا، قیاس کا جواب یہ ہے کہ صحیح احادیث کے مقابلہ میں قیاس کا کوئی اعتبار نہیں ہے پھر قیاس صحیح بھی نہیں کیونکہ دودھ میں مرد کی بھی شرکت ہے،

تعارض مع دفع تعارض

اس حدیث کے اندر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو اپنے رضاعی چچا کا قصہ بیان کیا ہے وہ بعینہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی پیش آیا اب یہاں سوال یہ ہے کہ اگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ پہلے تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ کے پیش آنے کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیوں کیا اس واقعہ سے خود جواز معلوم ہو گیا تھا، اور اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ پہلے پیش آیا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کے اندر اس سوال و جواب کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: (۱) علماء نے یہ بیان فرمایا: کہ چچا کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ رضاعی باپ کا حقیقی بھائی ہو اور ایک یہ کہ حقیقی باپ کا رضاعی بھائی ہو، اور ایک یہ کہ رضاعی باپ کا رضاعی بھائی ہو تو ممکن ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا اور ہوں اور حضرت عائشہ کے رضاعی چچا کی صورت دوسری ہو اس لئے ہر ایک کے اندر سوال کی ضرورت پیش آئی ہو۔

جواب: (۲) چچا کی تین قسمیں ہیں اخیافی، علاتی، عینی، اب نہ معلوم کس کے یہاں کون سے چچا آئے ہوں۔

جواب: (۳) ممکن ہے کہ واقعہ یاد نہ رہا ہو۔

جواب: (۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بعد میں پیش آیا تھا اور وہ یہ سمجھیں کہ پہلے واقعہ کا جو جواز معلوم ہوا وہ منسوخ ہے آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "انما ارضعتنی المرأۃ ولم یرضعنی الرجل" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اشکال کا مقصد یہ تھا کہ میں نے عورت کا دودھ پیا ہے لہٰذا اس سے اور اس کے اقرباء سے حرمت رضاعت ثابت ہونا تو سمجھ میں آیا ہے، لیکن جب میرا اس کے شوہر سے کوئی واسطہ نہیں تو اس کے اقربا کیسے میرے محارم ہو گئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اشکال کا جواب نہیں دیا، پس مکرر یہ بات فرمائی کہ رضاعی باپ کا بھائی چچا ہیں، لہٰذا وہ محرم ہونے کی بناء پر آسکتے ہیں۔ جواب نہ دینے کا

مقصد یہ تھا کہ وقت گذرنے کے ساتھ بات خود سمجھ میں آجائے گی۔ اور جواب یہی ہے کہ عورت کے دودھ اترنے کا ذریعہ شوہر ہے لہٰذا وہ دودھ میں شریک ہے۔ (بذل المجہود: ۸/ ۳)

رضاعی بھائی کی بیٹی سے نکاح

{۳۰۱۵} **وَعَنْ** عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ فِي بِنْتِ عَمِّكَ حَمْزَةَ، فَاِنَّهَا اَجْمَلُ فَتَاةٍ فِي قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهٗ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ حَمْزَةَ اَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۴۶۷، باب تحریم ابنتی الاخ من الرضاعة، حدیث نمبر: ۱۴۴۶۔

حل لغات: فتاة: یہ مؤنث ہے الفتی کی جسکے معنی نوجوان، مراھقت اور رجلیت کے درمیان کا مرد۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی میں رغبت ہے؟ بے شک ان کا شمار قریش کی حسین ترین لڑکیوں میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ بلاشبہ حمزہ رضی اللہ عنہ میرے رضاعی بھائی ہیں، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ رضاعت سے بھی وہ رشتہ حرام کر دیتے ہیں جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام فرماتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح: هل لك، ای رغبة، "فی بنت عمك حمزة" علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ لک مبتدا محذوف رغبۃ کی خبر ہے اور "فی" اسی سے متعلق ہے اور تقدیری عبارت یہ ہے، "هل لك رغبة فيها؟، فانها اجمل فتاة ای احسن بنات فی قریش" یعنی پورے قریش کی خوبصورت لڑکی ہے چہ جائیکہ بنو ہاشم۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دلچسپی ہے، فانها اجمل،

وہ سارے قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت خاتون ہیں، "ان حمزۃ اخی من الرضاعۃ" بلاشبہ حمزہ رضی اللہ عنہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو ابولہب کی باندی حضرت ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا، لہٰذا دونوں رضاعی بھائی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عورتوں کا دودھ پیا ہے، (۱) اپنی ماں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا (۲) حضرت حلیمہ (۳) حضرت ثوبیہ، (۴) ام ایمن۔ (مرقاۃ: ۶/۲۲۴، التعلیق: ۴/۳۰)

ان اللہ حرم: جو رشتے نسب کی بنا پر حرام ہیں وہ رشتے رضاعت کی بنا پر بھی حرام ہیں اس قاعدہ سے بعض مسائل کا استثناء ہے۔ تفصیل ما قبل میں گذر چکی ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی کے نام میں مختلف قول ہیں، (۱) امامہ، (۲) عمارہ، (۳) سلمہ، (۴) عائشہ (۵) فاطمہ (۶) امۃ اللہ (۷) لیلی (۸) حافظ بصری فرماتے ہیں کہ انکا نام ام الفضل تھا بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ نام نہیں بلکہ ان کی کنیت ہے۔

ثبوت رضاعت کے لئے دودھ پینے کی مقدار

{۳۰۱۶} **وَعَنْ** اُمِّ الْفَضْلِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ اِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَۃُ اَوِ الرَّضْعَتَانِ وَفِیْ رِوَایَۃِ عَائِشَۃَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّۃُ وَالْمَصَّتَانِ وَفِیْ اُخْرٰی لِاُمِّ الْفَضْلِ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْاِمْلَاجَۃُ اَوِ الْاِمْلَاجَتَانِ۔ (ھٰذِہٖ رِوَایَاتٌ لِمُسْلِمٍ)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۶۸/۲، باب فی المصۃ والمصتان، کتاب الرضاعۃ، حدیث نمبر: ۱۴۵۰/۱۴۵۱۔

ترجمہ: حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ایک بار یا دو بار دودھ پینا حرمت رضاعت کو ثابت نہیں کرتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار یا دو بار چوسنا نکاح حرام نہیں کرتا ہے، اور ام فضل کی ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک بار یا دو بار منھ میں چھاتی داخل کر لینا نکاح حرام نہیں کرتا ہے۔ (یہ سب روایات امام مسلم نے نقل کی ہیں)

تشریح: وعن ام الفضل: یہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد پہلی اسلام والی ہیں۔ "لا تحرم" راء کی تشدید کے ساتھ اس کو کسرہ ہے "الرضعة والرضعتان" اور مشکوۃ کے ایک نسخہ میں "ولا الرضعتان" ہے ایک مرتبہ عورت کی چھاتی کو چوسنا یا دو مرتبہ چوسنا نکاح کو حرام نہیں کرتا یعنی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور ابوعبید ابوثور اور داؤد نے کہا تین مرتبہ چوسنے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے حدیث کے مفہوم سے یہی ثابت ہوتا ہے، (قاری) "وفی روایة عائشه الخ) مفہوم حسب سابق ہے، "وفی اخری لام الفضل قال لا تحرم" بچہ کا ماں کے پستان کو ہونٹوں سے دبا کر دودھ پینا تینوں روایات کا مفہوم ایک ہی ہے اور چونکہ تینوں کلمات کا مفہوم ایک ہی ہے اس لئے یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف ہم معنی کلمات سے مفہوم ادا فرمایا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ راویوں نے روایت بالمعنی کیا ہو واللہ اعلم، "المصة والمصتان" ماں کی چھاتی کو چوسنا یہ بچہ کا فعل ہے اور "املاجة" منہ میں چھاتی داخل کرنا یہ فعل دودھ پلانے والی کا ہے۔

ثبوت رضاعت کے لئے دودھ پینے کے مقدار اور اختلاف ائمہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: بچہ کم از کم پانچ مرتبہ شکم سیر ہو کر مختلف اوقات میں بھوک کی حالت میں دودھ پیئے تب حرمت رضاعت ثابت ہوگی۔

دلیل: ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، "انزل فی القرآن عشر رضعات معلومات فنسخ من ذالك خمس وصار الی خمس رضعات معلومات فتوفی رسول الله صلی الله علیه وسلم والامر علی ذلك" پہلے قرآن مجید میں یہ حکم نازل ہوا تھا، کہ جب بچہ دس مرتبہ شکم سیر ہو کر دودھ پیئے تب حرمت ثابت ہوگی، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا، اور یہ حکم نازل ہوا پانچ مرتبہ سے رضاعت ثابت ہوگی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ حکم یوں ہی باقی رہا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ مرتبہ سے کم تعداد میں اگر بچہ نے دودھ پیا ہے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم تین مرتبہ

مختلف اوقات میں شکم سیر ہو کر بچہ دودھ پیئے تو رضاعت ثابت ہوگی۔

دلیل: ان کی دلیل حدیث باب ہے جس میں صاف صراحت ہے کہ ایک بار دو بار چوسنے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس کا مفہوم مخالف یہی ہے کہ ثبوت رضاعت کے لئے کم از کم تین مرتبہ دودھ پینا ضروری ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: ان دونوں کے نزدیک مطلقاً دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے کم یا زیادہ مقدار کا اعتبار نہیں ہے، بس یہ ثابت ہو جائے کہ بچہ کے پیٹ میں دودھ پہنچ گیا ہے۔

دلیل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وامهاتكم اللتي ارضعنكم" اور تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے، اس آیت میں مطلق دودھ پلانے کو تحریم قرار دیا ہے، عدد یا قلیل و کثیر کی تفریق نہیں ہے۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ اصل علت تو جزئیت ہے اور یہ ایک قطرہ سے بھی ثابت ہوتی ہے، لہٰذا مطلق رضاعت محرم ہونا چاہئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث پیش کی ہے سند کے اعتبار سے صحیح ہے، لیکن اگر معنی کے اعتبار سے صحیح مانا جائے تو پھر سب سے پہلی بات یہ سامنے آئے گی کہ جب مذکورہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک موجود تھی تو پھر کہاں چلی گئی اس صورت میں حفاظت قرآن کے مسئلہ پر حرف آجائے گا، لہٰذا اس حدیث کی صرف یہی توجیہ ممکن ہے کہ حرمت رضاعت کا حکم تدریجاً نازل ہوا، اولاً دس معلوم رضاعتوں میں پانچ منسوخ ہوگئی، اور پانچ باقی رہ گئیں پھر پانچ منسوخ ہو کر تین رہ گئیں پھر تین کا حکم بھی منسوخ ہو گیا اور مطلقاً دودھ پینا حرمت رضاعت کا سبب بنا البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نسخ کا علم نہیں ہوسکا، چنانچہ انہوں نے یہ بات فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہ حکم باقی تھا۔

امام احمد) کی دلیل کا جواب: اولاً یہ آثار اخبار آحاد ہیں، لہٰذا یہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہیں اور ان کے ذریعہ سے کتاب اللہ کے حکم کو مقید کرنا درست نہیں ہے، ثانیاً حنفیہ کے نزدیک

مفہوم مخالف حجت نہیں ہے اس کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں کہ ہوتا یہ ہے کہ جب بچہ منھ میں پستان لیتا ہے تو فوراً دودھ نہیں اترتا ہے، اور جب دودھ نہیں اترتا ہے تو بچہ پستان منھ سے نکال دیتا ہے، بلکہ اگر دانت نکل آئے ہیں تو بچہ دانت سے کاٹ لیتا ہے، پس ماں دوبارہ اس کے منھ میں پستان دیتی ہے، پھر بھی دودھ نہیں اترتا تو بچہ پستان منھ سے نکال دیتا ہے، یہ سلسلہ چلا کرتا ہے، اس کو حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ محض چوس لینے یا منھ میں پستان داخل کر دینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ رضاعت اس وقت ثابت ہوگی جب کہ یقین سے معلوم ہو جائے کہ بچہ نے دودھ پیا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ احادیث جو یہاں مذکور ہیں محتمل ہیں اور قرآن مجید کی آیت محکم ہے اس میں مطلق رضاعت کو سبب تحریم قرار دیا گیا ہے اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (تحفۃ الالمعی، فتح الملہم، بذل المجہود: ۱۱/۳)

پانچ مرتبہ دودھ پینے سے رضاعت کا ثبوت

{۳۰۱۷} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ كَانَ فِيماَ اُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشَرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُوْمَاتٍ فَتُوَفِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ فِيماَ يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ۔ (مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۶۹، باب التحریم بخمس رضعات، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۵۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل ہوا تھا دس مرتبہ کامل طور پر دودھ پینا نکاح حرام کرتا ہے، پھر یہ حکم پانچ مرتبہ کامل طور پر پینے کے حکم سے منسوخ ہوگیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوگئے اور یہ آیت قرآن مجید میں پڑھی جاتی رہی۔ (مسلم)

تشریح: یہی وہ حدیث ہے جس کو گذشتہ حدیث میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی دلیل میں پیش کی گئی تھی، اس حدیث سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ جب تک بچہ پیٹ بھر کر پانچ مرتبہ

دودھ پی نہ لے رضاعت ثابت نہ ہوگی یہ حکم قرآن مجید میں تھا اور نبی کریم ﷺ کی وفات تک یہ آیت تلاوت ہوتی تھی۔

عشر رضعات معلومات: یعنی ایسے طور پر بچہ دس مرتبہ دودھ پی لے کہ جس کا علم یقین سے ہو اس کو دس مرتبہ شکم سیر ہو کر پینے سے بھی تعبیر کرتے ہیں "بخمس معلومات" دس مرتبہ کا حکم منسوخ ہوگیا پھر یہ حکم ہوا کہ جن پانچ مرتبہ کا دودھ پینا یقین سے معلوم ہو وہ حرمت رضاعت کو ثابت کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ پانچ مرتبہ مختلف اوقات میں شکم سیر ہو کر دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے، اس سے کم مرتبہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت کا ثبوت نہ ہوگا یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، اس کا جواب اور دیگر تفصیلات کے لئے گذشتہ حدیث دیکھیں۔

فتوفی رسول اللّٰہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ کلمات آنحضرت ﷺ کی وفات تک قرآن کا جز تھے، حالانکہ قرآن مجید میں یہ کلمات موجود نہیں ہیں، مصحف عثمانی میں ان کلمات کا نہ ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ الفاظ منسوخ ہو گئے تھے ممکن ہے کہ یہ الفاظ حضور ﷺ کی وفات سے چند دن قبل منسوخ ہوئے ہوں اور اس کے نسخ کا علم کچھ صحابہ کو نہ رہا ہو اگر یہ آیت منسوخ نہ ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ اس آیت کو قرآن میں داخل ضرور کراتے۔

اشکال: ممکن ہے کہ آیت کے الفاظ منسوخ ہو گئے ہوں، لیکن حکم باقی ہو، یعنی یہ آیت منسوخ التلاوۃ ہو اور منسوخ الحکم نہ ہو۔

جواب: ممکن ہے کہ آیت کے الفاظ کے ساتھ حکم بھی منسوخ ہو، الفاظ کے منسوخ ہونے کے باوجود حکم کا منسوخ نہ ہونا کسی دلیل کا تقاضہ کرتا ہے، اور دلیل یہاں موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف دلائل ہیں۔ (فتح القدیر ۳۰۶/۳، مرقاۃ: ۲۹۸، ۲۹۷/۶، التعلیق: ۳۱/۳۰)

رضاعت کب معتبر ہے

{۳۰۱۸} **وَعَنْهَا** اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَاَنَّهٗ كَرِهَ ذَالِكَ فَقَالَتْ اِنَّهٗ اَخِيْ فَقَالَ انْظُرْنَ مَنْ اِخْوَانُكُنَّ

007

فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۶۴، باب من قال رضاع بعد حولین، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۰۲، مسلم شریف: ۲/۴۷۰، باب انما الرضاعة من المجاعة، کتاب الرضاعة، حدیث نمبر: ۱۴۵۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے کہ ان کے پاس ایک آدمی موجود تھے، ایسا محسوس ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند کیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ بے شک یہ میرے (رضاعی) بھائی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اپنے بھائیوں کے بارے میں غور کرلو، اس لئے کہ رضاعت کا تعلق بھوک کے وقت سے ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: انما الرضاعة من المجاعة، وفی القاموس الجوع ضد الشبع وبالفتح مصدر جاع جوعا ومجاعة. (ن) یعنی جوع بالضم اسم مصدر ہے اور جوع بالفتح اور مجاعۃ یہ دونوں مصدر ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رضاعت وہ معتبر ہے جو بھوک کی وجہ سے ہو، یعنی جس زمانہ میں بھوک کا حل دودھ کے علاوہ کوئی اور چیز نہ ہو شرعاً وہ معتبر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ رضاعت وہی ہے جو بچپن میں مخصوص مدت کے اندر ہو، چنانچہ ظاہر ہے کہ بچہ کی پیدائش سے لیکر دوسال تک یہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں بچہ کی غذا فطرۃً وعادۃً دودھ کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔

جاننا چاہئے کہ حدیث الباب سے مستفاد ہو رہا ہے کہ رضاعت میں اصل چیز ازالہ جوع ہے اور اس ازالہ کا تعلق وصول اللبن الی المعدہ سے ہے لہٰذا ثبوت رضاعت کیلئے براہ راست پستان سے منھ لگا کر پینا ضروری نہ ہوا بلکہ جس طرح بھی عورت کا دودھ بچہ کے پیٹ میں پہنچ جائے اکلاً وشرباً حتی کہ بطریق وجور اور سعوط سب صورتیں اس میں داخل ہیں البتہ اس میں لیث بن سعد اور اہل ظاہر کا اختلاف ہے "حیث قالوا ان الرضاعة انما تکون بالتقام الثدی ومص اللبن منه". (الدرالمنضود: ۱۸/۴)

حالت کبر میں دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور اس بارے سلف میں کچھ اختلاف تھا،

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حالت کبر میں بھی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور یہی داؤد ظاہری کا مذہب ہے، وہ دلیل پیش کرتے ہیں ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے سالم کو دودھ پلا کر اپنے اوپر حرام کرلیا اور رضاعی لڑکا کے مانند سلوک کرتی رہی۔ لیکن جمہور امت اور ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ حالت صغر کی رضاعت محرم ہے، اور حالت کبر کی رضاعت محرم نہیں ہے وہ دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے "لایحرم من الرضاعۃ الا ما کان فی الحولین" جو رضاعت دو سال کے اندر اندر ہو صرف اس سے رضاعت ثاتب ہوتی ہے۔ دوسری دلیل مذکورہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ "انما الرضاعۃ من المجاعۃ" بس رضاعت کا حکم مجامعت سے ہے یعنی جب دودھ غذا کا کام دیتا ہے اور اس سے بچہ کی بھوک ختم ہوتی ہے اور وہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ نیز قرآن کریم کی آیات جن میں رضاعت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے ان میں ایک خاص مدت کے ساتھ حرمت کو متعلق کیا گیا ہے جیسے "حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ" اور مائیں اس اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں یہ مدت ان کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں۔ وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا" (سورہ بقرہ)

فریق اول نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے جو استدلال کیا اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ابتداء زمانہ میں تھا پھر منسوخ ہوگیا، "کما قال ابن حجر" یا تو یہ ایک خاص جزئی واقعہ ہے جو صرف ان دونوں کیلئے خاص تھا جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے قول سے معلوم ہوتا ہے "قالت ما نریٰ الا رخصۃ ارخصھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ دون الناس" ہم نہیں خیال کرتے مگر وہ ایک رخصت تھی جو خاص طور پر ان کو عام لوگوں کے علاوہ عطا فرمائی تھی۔ (رواہ ابوداؤد)

مدت رضاعت اور اختلاف ائمہ

پھر یہاں دوسرے ایک مسئلہ میں بحث شروع ہوتی ہے کہ مدت رضاعت کتنی ہے، تو امام شافعی، احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دو سال ہے، اور یہی ہمارے صاحبین کا مذہب ہے، اور امام

مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسال سے کچھ زائد اور ڈھائی سال سے کم اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین سال ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک ڈھائی سال ہے۔

دلائل

شوافع وغیرہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آیت قرآنی سے "والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین" اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال دودھ پلائیں۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے "لایحرم الرضاعۃ الا فی الحولین" رضاعت سے حرمت دوسال کے اندر اندر ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم کی آیت "وحملہ وفصالہ ثلاثون شھرا" سے تو یہاں حمل وفصال کی مدت تیس مہینہ بیان کی گئی ہے لیکن حمل کے بارے میں منقص حدیث موجود ہے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "قالت لایبقی الولد فی بطن امہ اکثر من سنتین" بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دوسال سے زائد نہیں رہتا۔ لہذا فصال کے بارے میں "ثلاثون شھرا" ڈھائی سال باقی رہا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حمل سے حمل فی البطن مراد نہیں بلکہ حمل فی الید مراد ہے لہذا یہاں صرف مدت رضاعت کا ذکر ہے، انہوں نے دلیل میں جو آیت پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں پر مسئلہ استیجار بیان کرنا ہے کہ اگر کوئی اپنی زوجہ کو طلاق دیدے اور وہ بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو دوسال کی اجرت پائیگی، مدت رضاعت بیان کرنا مقصد نہیں، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب بھی یہی ہے کہ دوسال کی رضاعت سے مستحق اجرت ہوگی۔ کیونکہ صحیح روایت میں لاتحرم کے بجائے لارضاع کا لفظ ہے۔
(درس مشکوۃ:۲۰/۳، مرقاۃ:۲۹۸/۶، التعلیق:۳۱/۴)

تنبیہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے پیش کردہ دلیل پر اشکالات کئے جاتے ہیں حق بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کا مذہب نہایت کمزور ہے اور جمہور کا مذہب بہت قوی ہے اور یہی مذہب صاحبین کا بھی ہے حنفیہ کے یہاں اسی پر فتویٰ بھی ہے لہذا دوسال کے بعد بچے کو دودھ نہ پلانا چاہئے، البتہ ڈھائی سال کے عرصہ تک اگر کسی عورت نے کسی بچہ کو دودھ پلایا ہے تو احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس سے نکاح میں احتیاط برتی جائے۔

ثبوت رضاعت کے لئے گواہ

{۳۰۱۹} **وَعَنْ** عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ تَزَوَّجَ اِبْنَةً لِاَبِيْ اِهَابِ بْنِ عَزِيْزٍ فَاَتَتِ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ قَدْ اَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِيْ تَزَوَّجَ بِهَا فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا اَعْلَمُ اَنَّكِ قَدْ اَرْضَعْتِنِيْ وَلَا اَخْبَرْتِنِيْ فَاَرْسَلَ اِلٰى آلِ اَبِيْ اِهَابٍ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوْا مَا عَلِمْنَا اَرْضَعَتْ صَاحِبَتَنَا فَرَكِبَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجاً غَيْرَهٗ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۳٦۰، باب اذا شهد شاهد، کتاب الشهادت، حدیث نمبر: ۲٦۴۰۔

حل لغات: کیف: کیسے، کیوں کر،کس طرح، یہ مبنی علی الفتح ہے،فارقه فراقا:کسی سے علیٰحد گی اختیار کرنا، جدا ہونا۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابواہاب بن عزیز کی بیٹی سے شادی کی،تو ایک عورت نے آ کر کہا کہ میں نے عقبہ کو اور اس لڑکی کو جس سے اس نے نکاح کیا ہے دودھ پلایا ہے،حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا کہ مجھے اس بات کا علم نہیں ہے،کہ تو نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے مجھے یہ بات بتائی تھی، چنانچہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی ابواہاب کی خاندان کی طرف روانہ کیا،اس نے ان لوگوں سے اس بارے میں معلومات چاہی،تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمیں علم نہیں ہے،کہ ہماری لڑکیوں کو اس عورت نے دودھ پلایا ہے،اس کے بعد حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سوار ہو کر مدینہ منورہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کیسے تم اس لڑکی کو نکاح میں رکھو گے جب کہ کہا گیا ہے(کہ تم اس کے بھائی ہو) تو حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی سے علاحدگی اختیار کرلی، اور اس لڑکی نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا۔(بخاری)

تشریح: حاصل حدیث کا یہ ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی، شادی کے بعد ایک عورت آ کر کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا، لیکن اس کے دودھ پلانے کی کوئی اور شہادت نہ مل سکی نہ ہی خود اس عورت نے پہلے کبھی اس کا تذکرہ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیف وقد قیل" یعنی تم اس کو کیسے رکھو گے جبکہ یہ بات کہی جا چکی ہے۔ (اشرف التوضیح: ۲/۴۴۳)

شہادت مرضعہ سے ثبوت حرمت

اگر ایک عورت شہادت دے کہ میں نے فلاں شخص کو دودھ پلایا تھا کیا محض اس کی شہادت سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی؟ اس میں اختلاف ہوا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ واسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ محض مرضعہ کے کہنے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، اور جماہیر سلف کا مذہب یہ ہے کہ محض مرضعہ کی شہادت سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی البتہ اس میں ان حضرات کا بھی اختلاف ہوا ہے کہ پھر حرمت رضاعت کے ثبوت کیلئے کتنی شہادت ضروری ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو عورتوں کی شہادت کافی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار عورتوں کی ہونی چاہئے حنفیہ کے نزدیک رضاعت میں بھی شہادت کا عام ضابطہ چلے گا کہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ضروری ہیں۔ البتہ اگر قبل النکاح ایک عورت گواہی دیدے تو دیانۃً معتبر ہوگی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ واسحاق رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں جمہور کی طرف سے اسکے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱)...... ہوسکتا ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ یقین ہوگیا ہو کہ واقعی اس عورت نے دودھ پلایا تھا اس لئے چھوڑنے کا حکم فرمایا۔

(۲)...... چھوڑنے کا حکم قضا اور فیصلہ شرعیہ کے طور پر نہیں تھا بلکہ احتیاطا اور تورع کی بناء پر تھا یعنی اگرچہ شرعاً اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی لیکن شک پیدا ہو ہی گیا نیز عوام میں بھی بات چل

نکلے گی، اور لوگ کہیں گے کہ رضاعی بہن رکھے ہوئے ہے، نہ خود کو اطمینان ہوگا نہ لوگ مطمئن ہوں گے تو بہتر یہی ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے۔ اس فیصلہ کے قضاء شرعی نہ ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ قضا کے لئے ضروری ہے قاضی شاہد کو عدالت میں بلا کر اس کی شہادت سنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا معلوم ہوا یہ محض مشورہ تھا۔ (اشرف التوضیح: ۲/۴۴۲)

دوسرا قرینہ لفظ "کیف و قد قیل" واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ دیکھو اگر چہ اس عورت کی صداقت پر کوئی بھروسہ نہیں ہے لیکن جب ایک بات زبان پر آچکی ہے تو اطمینان کے ساتھ ازدواجی زندگی کیسے بسر کرو گے۔ اگر قضاً تفریق کرنا مقصد ہوتا تو آپ صاف الفاظ سے تفریق فرمادیتے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک عورت کے کہنے پر زوجین کے درمیان تفریق کرنے سے اجتناب کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ اگر مرضعہ گواہ پیش کرے تو تفریق کردو، ورنہ زوجین کو اپنی حالت پر چھوڑ دو کیونکہ اگر یہ دروازہ کھول دیا گیا تو جو عورت جب چاہے گی زوجین میں تفریق کرادے گی۔ (فتح الباری)

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر عورت کے دعویٰ میں ذرا سا بھی صداقت کا امکان ہے تو تفریق دیانۃ کرنا بہتر ہے، اور اس کی طرف مشیر حدیث باب ہے، قضاءً عورت کی گواہی غیر معتبر ہے، یہ مقصود ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا۔ (مرقاۃ: ۶/۲۹۹، التعلیق: ۴/۳۲)

دار الحرب سے گرفتار ہو کر آنے والی عورت کا حکم

{۳۰۲۰} **وَعَنْ** اَبِيْ سَعِيْدٍ اَلْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ بَعَثَ جَيْشاً اِلىٰ اَوْطَاسٍ فَلَقَوْا عَدُوًّا فَقَاتَلُوهُمْ فَظَهَرُوْا عَلَيْهِمْ وَاَصَابُوْا لَهُمْ سَبَايَا فَكَاَنَّ نَاسًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّجُوْا مِنْ غِشْيَانِهِنَّ مِنْ اَجْلِ اَزْوَاجِهِنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَاَنْزَلَ اللهُ تَعَالىٰ فِيْ ذَالِكَ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَامَلَكَتْ

اَیۡمَانُکُمۡ اَیۡ فَھُنَّ لَھُمۡ حَلاَلٌ اِذَا انۡقَضَتۡ عِدَّتُھُنَّ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۷۰، باب جواز وطء المسبیۃ، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۴۵۶۔

حل لغات: لقیہ: (س) پانا، ملنا، کسی سے ملاقات ہونا، قاتل: لڑنا، جنگ کرنا، ظھر علی عدوہ: دشمن پر غالب آنا، اصاب الشیئ: پانا ملنا پالینا، السبی سبایا: قیدی، تحرج: تنگی اور پریشانی سے بچنا، تنگی اور پریشانی سے نچنے والا کام کرنا، غش المکان غشانا: کسی جگہ آنا، احصن الرجل: شادی شدہ ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن اوطاس کی طرف ایک لشکر بھیجا، چنانچہ وہ لشکر دشمن کے مقابل ہوا اور ان پر غالب آگیا، اور ان کو اپنے لئے بہت سے قیدی ملے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات نے ان لونڈیوں سے جماع کرنے سے اس لئے پرہیز کیا کہ یہ مشرک شوہروں کی بیویاں ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں آیت نازل فرمائی "والمحصنات من النساء الخ" حرام کی گئی ہیں تم پر وہ عورتیں جو شوہر والی ہیں، مگر وہ عورتیں حرام نہیں ہیں جو تمہاری ملکیت میں آگئی ہیں، وہ عورتیں عدت گذارنے کے بعد تمہارے لئے حلال ہیں۔ (مسلم)

تشریح: سبایا، سبیۃ کی جمع ہے فعلیۃ بمعنی مفعولۃ قید کردہ عورتیں (باندیاں)

غزوہ اوطاس: حنین ایک وادی کا نام ہے مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان علی بضعۃ عشر میلا من مکۃ جہاں مشہور غزوہ ہوا، غزوہ حنین فتح مکہ کے بعد شوال ۸ رھ میں ہوا اور اوطاس ایک وادی ہے دیار ہوازن میں اور کہا گیا ہے، "ھو موضع عند الطائف وھو غیر وادی حنین علی الراجح" یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا موضع اوطاس میں جس کا منشا یہ ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے فارغ ہوئے جو کہ قبیلہ ہوازن کے ساتھ ہوا تھا تو ایک دستہ (مختصر جماعت) ہوازن کی اوطاس میں آکر جمع ہوگئی اور وہاں آکر قبیلہ ثقیف کے ساتھ شامل ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مقابلہ کے لئے ایک جماعت بھیجی (جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں مذکور ہے) یہ جماعت ان کفار پر

بحمد اللہ تعالیٰ غالب آ گئی اور مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی اس نے قید کر لی جن میں بعض ایسی بھی تھیں جو شادی شدہ تھیں اور ان کے ازواج بھی زندہ تھے تقسیم کے بعد جن مجاہدین کے حصہ میں اس قسم کی عورتیں آئیں تو ان کو ان سے وطی کرنے میں اشکال ہوا کہ ان کے تو مشرک شوہر زندہ ہیں اور موجود ہیں پھر ان سے وطی کیسے کی جائے؟ جیسا کہ راوی کہہ رہا ہے کہ "تحرجوا من غشیانهن" تو اس پر یہ آیت کریمہ "والمحصنات من النساء الا ماملکت ایمانکم" نیز وہ عورتیں (تم پر حرام ہیں) جو دوسرے شوہروں کے نکاح میں ہوں البتہ جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں آجائیں (وہ مستثنیٰ ہیں) (سورہ النساء) نازل ہوئی، یعنی جو عورتیں کسی کے نکاح میں ہو وہ اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے کے لئے حرام ہیں، مگر وہ منکوحہ عورت جو دار الحرب سے قید کر کے لائی گئی ہو تو وہ جس شخص کے حصہ میں آئیگی اس کے لئے حلال ہوگی انقضاء عدت (ایک حیض) کے بعد اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کے بعد۔ (الدر المنضود ۶۹/ ۴، مرقاۃ: ۳۰۰/ ۶)

سبایا سے متعلق چند مسائل فقہیہ

یہاں پر چند مسئلے ہیں بعض ان میں اختلافی ہیں (۱) جس مسبیہ کا اس آیت کریمہ میں استثنا کیا گیا ہے اس سے مراد وہ کافرہ عورت ہے جس کو تنہا (بغیر اس کے شوہر کے) قید کر کے دار الاسلام میں لایا گیا ہو، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک تباین دارین سے فرقت واقع ہوتی ہے، نفس قید سے واقع نہیں ہوتی، اس مسئلہ میں شافعیہ وغیرہ کا اختلاف مشہور ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر کافرہ عورت کو مسلمان قید کر کے لے آئے تو اپنے شوہر سے بائنہ ہو جاتی ہے مسلمان غازی کے لئے حلال ہو جائے گی، عام ازیں شوہر اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو، یعنی ان کے نزدیک سبب فرقت سبی ہے، یہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سبب فرقت تباین دارین ہے فقط سبی نہیں، لہٰذا زوجہ کے ساتھ اگر اس کا شوہر بھی آجائے تو فرقت نہیں ہوگی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث سے کہ صحابہ کرام مشرکین کی عورتیں قید کر کے لائے تھے اور ان سے وطی کرنے میں شک کیا تو اللہ

تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: "والمحصنات الخ" اور آپ نے تفسیر کردی "فھن لھم حلال اذا انقضت عدتھن الخ" رواہ مسلم، تو اس میں شوہر کے ساتھ ہونے نہ ہونے کی قید نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ مطلقاً سبی سبب فرقت ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حربیہ عورت مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آجائے یا ذمیہ بن کر آجائے اور اس کا شوہر ساتھ نہ ہو تو سب کے نزدیک فرقت ہو جاتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے مہاجرات کے بارے میں فرمایا: "لا جناح علیکم ان تنکحوھن الایۃ" اور سبی کا کوئی ذکر نہیں، تو معلوم ہوا کہ تباین دارین سبب فرقت ہے۔

امام شافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہما نے آیت و حدیث سے جو دلیل پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے وہاں فقط سبی کے سبب فرقت ہونے پر کوئی دلالت نہیں ہے بلکہ دوسرے طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ تباین دارین سبب فرقت ہوا۔ چنانچہ محمد بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ یوم اوطاس میں ان کے سب مرد پہاڑوں میں بھاگ گئے تھے، اور عورتوں کو پکڑ لیا گیا تو ان کے بارے میں آیت نازل ہوئی تو یہ آیت تباین دارین والی عورتوں کے متعلق ہے، مطلقاً مسبیہ عورتوں کے بارے میں نہیں ہے، نیز اہل مغازی فرماتے ہیں کہ ان کے مرد یا قتل کر دیے گئے یا فرار ہو گئے، ان کو قید کرنے کی نوبت نہیں آئی، لہٰذا یہ آیت و حدیث ان عورتوں کے بارے میں ہے جن کے ساتھ ان کے ازواج نہ ہوں "فثبت بذالك ان سبب الفرقة ليس السبي فقط بل تباين الدارين" (درس مشکوۃ ۲۱/ ۳، التعلیق: ۳۳/ ۴)

(۲) مسبیہ مشرکہ جو کتابیہ نہ ہو وہ مسلمان کیلئے حلال نہیں جب تک اسلام نہ لائے، البتہ اگر وہ کتابیہ ہو تو حلال ہے یہ مسئلہ حنفیہ و شافعیہ کے یہاں اتفاقی ہے اور اس حدیث میں جن سبایا کا ذکر ہے وہ سب مشرکات تھیں یعنی پہلے سے لہٰذا یہاں یہ تاویل کی جائے گی کہ وہ اسلام لے آئیں ہوں گی۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل اور توجیہ یہاں ضروری ہے۔ (بذل)

تیسرا مسئلہ یہاں پر یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں جس مملوک کا استثنا کیا گیا ہے اس سے مراد عند الجمہور والائمہ الاربعہ مملوکہ بالسبی ہے، یعنی وہ منکوحہ الغیر جس کا کوئی مسلمان مالک ہو جائے اس کی قید کرنے کی وجہ سے اور جو منکوحہ الغیر مملوکہ بالشراء ہو اس کا حکم یہ نہیں ہے یعنی وہ مشتری کے لئے حلال نہ ہوگی کیونکہ شراء امۃ سے اس کا نکاح فسخ نہیں ہوتا، بخلاف قید کے کہ اس سے نکاح عند الجمہور فسخ ہو جاتا

ہے، لیکن اس مسئلہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف منقول ہے ان کے نزدیک بالشراء کا حکم بھی یہی ہے۔(الدر المنضود:۴/۷۰،التعلیق)

{الفصل الثانی}

ان عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا منع ہے

{۳۰۲۱} **عَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی اَنْ تُنْکَحَ الْمَرْأَةُ عَلٰی عَمَّتِهَا اَوِ الْعَمَّةُ عَلٰی بِنْتِ اَخِیْهَا وَالْمَرْأَةُ عَلٰی خَالَتِهَا اَوِ الْخَالَةُ عَلٰی بِنْتِ اُخْتِهَا لاَ تُنْکَحَ الصُّغْرٰی عَلَی الْکُبْرٰی وَلاَ الْکُبْرٰی عَلَی الصُّغْرٰی۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِیُّ وَالنَّسَائِیْ) وَرِوَایَتُهُ اِلٰی قَوْلِهٖ بِنْتِ اُخْتِهَا۔

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۱۴، باب ماجاء ان لا تنکح المرأة علی عمتها ولا خالتها، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۲٦، ابوداؤد شریف: ۱/۲۸۲، باب مایکره ان یجمع بینهن من النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰٦۵، نسائی ۲/٦۷، باب تحریم الجمع بین المرأة وخالتها کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۲۹٦، دارمی: ۲/۱۸۳، باب الحال التی یجوز للرجل ان یخطب فیها، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۷۸۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی کی موجودگی میں بھتیجی سے یا بھتیجی کی موجودگی میں اس کی پھوپھی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اسی طرح خالہ کی موجودگی میں اس کی بھانجی سے یا بھانجی کی موجودگی میں اس کی خالہ سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی فرمائی کہ نکاح نہ کیا جائے چھوٹی سے بڑی پر اور نہ بڑی سے چھوٹی پر۔(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی) اور نسائی نے اس روایت "علی بنت اختها" تک نقل کیا ہے۔

تشریح: وہ عورتیں جن سے فی نفسہ نکاح تو جائز ہے لیکن ان میں سے دو کو نکاح میں جمع کرنا ناجائز ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بیان محرمات میں ہے،"وان تجمعوا بین الاختین" اس آیت کریمہ میں تو تصریح صرف جمع بین الاختین ہی کی ہے لیکن احادیث الباب اور صحابہ کرام وتابعین اورائمہ اربعہ وغیرہ کے اتفاق سے اس میں غیر اختین کو بھی شامل کیا گیا ہے جس کا ضابطہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایسی دوعورتیں جن میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو اس کا نکاح دوسری سے جائز نہ ہو،"ففی تفسیر الجلالین تحت قولہ،وان تجمعوا بین الاختین ویلحق بھما بالسنۃ الجمع بینھا وبین عمتھا او خالتھا"

لہٰذا اگر کسی شخص کے نکاح میں کسی عورت کی بھتیجی ہے تو اب یہ شخص اس کی پھوپھی سے نکاح نہیں کرسکتا،وکذا العکس یعنی اگر اس کے نکاح میں پہلے سے پھوپھی ہے تو اب وہ اس کی بھتیجی سے نکاح نہیں کرسکتا اور یہی حال خالہ اور بھانجی کا ہے،امام ترمذی اس حدیث پر فرماتے ہیں"والامر علی ھذا عند عامۃ اھل العلم لا نعلم بینھم اختلافا انہ لا یحل للرجل ان یجمع بین المرأۃ وعمتھا اوخالتھا" لیکن اس مسئلہ میں خوارج کا اختلاف ہے کہ انہوں نے"جمع بین المرأۃ وعمتھا وبین المرأۃ وخالتھا" کو جائز قرار دیا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جمع کی دوصورتیں ہیں (۱) فی النکاح (۲) وفی الوطی،پس جمہور علماء کے نزدیک جس طرح جمع بین المحارم بالنکاح ناجائز ہے اسی طرح جمع فی الوطی بملک الیمین بھی ناجائز ہے،اوراس صورت ثانیہ میں شیعہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک جمع فی الوطی بملک الیمین جائز ہے۔

قولہ: ولا تنکح الکبری علی الصغری ولا الصغری علی الکبری: یہ ماقبل ہی کی تاکید ہے کبریٰ سے مراد عمہ اور خالہ اور صغریٰ سے مراد بھتیجی اور بھانجی۔تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔ (الدرالمنضود:۲۲/۴،التعلیق:۳۴/۴،طیبی:۲۹۸/٦)

اشکال مع جواب

اوالعمۃ علی بنت اختیھا: اس پر اعتراض ہے کہ اس جملہ کا اوراس سے ماقبل والے

جملہ کا خلاصہ ایک ہی ہے لہٰذا تکرار کی کیا ضرورت ہے، اس کا علماء نے جواب دیا کہ پھوپھی اشرف ہوتی ہے لہٰذا اس پر ادون سے نکاح جائز ہے اگر اس کا عکس ہوتو شاید جائز نہ ہو جیسے اگر پہلے سے کسی کے تحت حرہ ہوتو اس پر باندی سے نکاح جائز نہیں ہے اور اس کا عکس جائز ہے کیونکہ باندی ادون ہے اور حرہ اشرف ہے ایسا ہی یہاں ہوگا تو اس وہم کو دور فرمانے کے لئے آگے چل کر ادون پر اشرف کے نکاح ہونے کو حرام بتلایا، ایسے ہی اس وہم کو بھی رفع فرمایا کہ اگر پھوپھی کسی کی چھوٹی ہوتو بھی اس پر نکاح جائز نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ "ولا الصغریٰ علی الکبری الخ" (مرقاۃ:۳۰۱/۶)

حاصل کلام یہ ہے کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی پھوپھی بھتیجی یا خالہ بھانجی کو جمع کرتا ہے تو جس سے دوسرے نمبر پر نکاح ہوگا وہ نکاح باطل ہوگا۔ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت

{۳۰۲۲} **وَعَنِ** الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ مَرَّبِيْ خَالِيْ اَبُوْبُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ وَمَعَهٗ لِوَاءٌ فَقُلْتُ اَيْنَ تَذْهَبُ فَقَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةَ اَبِيْهِ اٰتِيْهِ بِرَأْسِهٖ۔ (رواه التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ) وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ وَلِلنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالدَّارَمِيِّ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهٗ وَاٰخُذَ مَالَهٗ وَفِي الرِّوَايَةِ قَالَ عَمِّيْ بَدَلَ خَالِيْ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۵۲/۱، باب فیمن تزوج امراۃ ابیہ، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: ۱۳۶۲، ابوداؤد شریف: ۲/۲۱۲، باب فی الرجل یزنی بحرمۃ، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۴۵۶، نسائی شریف: ۲/۷۰، باب نکاح مانکح الاباء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۳۳۲، ابن ماجہ شریف: ۱۸۷، باب من تزوج امراۃ ابیہ، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۲۶۰۷، دارمی: ۲/۲۰۵، باب الرجل یتزوج امراۃ ابیہ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۳۹۔

حل لغات: لوائ: جھنڈا، پرچم، ضرب عنقه: گردن اڑانا۔

ترجمه: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے پاس سے میرے ماموں ابوبردہ بن نیاز کا گذر ہوا، ان کے ہاتھ میں ایک جھنڈا تھا، میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کا سر کاٹ کر لانے کے لئے بھیجا ہے، جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد) ابوداؤد اور نسائی وابن ماجہ و دارمی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کا سر کاٹ لوں، اور اس کا مال لے لوں، اور اس روایت میں انہوں نے میرے ماموں کی جگہ میرے چچا کہا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص نے زمانہ جاہلیت کے طرز پر اپنے باپ کی بیوی سے نہ صرف نکاح کرلیا بلکہ اس کو جائز سمجھا اور اس نے شریعت کے حکم "ولا تنکحوا ما نکح آبائکم" اور نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے۔ کی نہ صرف خلاف ورزی کی بلکہ قرآن مجید کی اس آیت کا انکار کا مرتکب ہوا، اور ظاہر بات ہے کہ شریعت کے کسی حکم قطعی کا انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے، اور اگر کوئی مسلمان ایسا کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے لہٰذا اس کا قتل کر کے اس کا مال و اسباب کو ضبط کرلینا شریعت کا حکم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی عمل کی انجام دہی کے لئے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے چچا یا ماموں حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور ساتھ میں علامتی جھنڈا بھی دے دیا تھا تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ ہیں۔

ذوات محارم سے نکاح کا حکم

عن البراء بن عازب: الی رجل تزوج الخ: اس رجل کا نام منظور بن یسار فزاری ہے ایک مسئلہ یہ ہے کہ ذوات محارم سے نکاح کا کیا حکم ہے؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ زفر رحمۃ اللہ علیہ وسفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح کرنے سے حد جاری نہ ہوگی خواہ اس کو پہلے سے معلوم ہو کہ یہ مجھ پر حرام ہے اور اقرار بھی حرمت کا کرے یا نہ کرے البتہ اس کو تعزیر شدید کی جائے گی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسکا یہ نکاح کرنا زنا کے حکم میں ہے

اوراس پر حد رجم لگائی جائے گی اگر محصن ہے ورنہ جلد لگائی جائے گی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت اسحق بن راہویہ اور تمام اہل حدیث کہتے ہیں کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا، ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا تو اس کو قتل کیا جائے گا یعنی صرف اسی صورت کے اندر قتل ہے اس کے علاوہ میں نہیں ہے اور یہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں، امام احمد وغیرہ نے اس حدیث سے قاعدہ مستنبط فرمایا کہ ہر ذی رحم محرم کے نکاح کا یہی حکم ہے جو اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح سبب محلل ہے یعنی اس کا تقاضہ ہے کہ محل حلال ہو جائے اور اس محل کا تقاضہ ہے کہ وہ حرام رہے تو دونوں کے اندر تعارض کیوجہ سے شبہ پیدا ہو گیا جو سقوط حد کے اندر کارگر ہو گا البتہ زجر شدید کیا جائے گا اور اس حدیث سے جن لوگوں نے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے ایسا تعزیراً کیا تھا۔ اور جواب یہ ہے کہ اس شخص نے اس محل کو حلال سمجھا تو مستحل ہونے کی وجہ سے اس کو قتل کیا گیا کیونکہ وہ کافر ہو چکا تھا۔ (مرقاۃ: ٦/٣٠٢)

مدت رضاعت کے بعد حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی

{٣٠٢٣} **وَعَنْ** أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ اِلَّا مَا فَتَقَ الْاَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ۔ (رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ١/٢١٨، باب ماجاء فی ذکر ان الرضاعۃ لاتحرم الخ، کتاب الرضاعۃ، حدیث نمبر: ١١٥٢۔

حل لغات: الرضاع: ماں کا دودھ پینا، پستان یا تھن سے دودھ پینا، فتق: چیرنا پھاڑنا بیچ سے دو کرنا، فتق الکلام: پھیلانا، الفطام: دودھ چھڑانے کا زمانہ، دودھ چھڑائی دودھ چھڑانے کا عمل، الامعاء: جمع ہے، معی، کی آنت، الثدی: پستان، چھاتی، تھن۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ وہ دودھ پینا حرمت رضاعت کو ثابت کرتا ہے جو چھاتی سے پینے کی وجہ سے انتڑیوں کو کھول دیتا ہے اور یہ دودھ پینا حرمت رضاعت سے پہلے ہو۔ (ترمذی)

تشریح: لایحرم الرضاعة الا مافتق الامعاء: بچہ جب دودھ پیتا ہے اور دودھ اس کے پیٹ میں اترتا ہے تو اس کی آنتیں پھول جاتی ہیں، اور یہ چیز جب ہوتی ہے جب بچہ دودھ غذا کے طور پر پیتا ہے، اور غذا کے طور پر دودھ پینا مدت رضاعت کے اندر ہے، اور وہ جمہور کے نزدیک دو سال ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ڈھائی سال ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حرمت رضاعت اس دودھ سے ثابت ہوتی ہے جو معدہ میں جا کر مکمل غذا کا کام دے ایسا دودھ مدت رضاعت ختم ہونے سے پہلے ہوتا ہے یعنی اگر مدت رضاعت سے پہلے دودھ پلایا جائے تو اس سے حرمت ثابت ہوگی اور اگر مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد پلایا جائے تو اس حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ "وکان قبل الفطام" میں عطف تفسیری ہے "قبل الفطام" کا مطلب یہ ہے کہ دودھ پلانے کی شرعی مدت ختم ہونے سے پہلے ہو، لہٰذا اگر مدت رضاعت ختم ہونے سے پہلے دودھ چھڑا دیا گیا اس کے بعد مدت رضاعت کے اندر اندر کسی نے اس کو دودھ پلا دیا تو اس سے ظاہر الروایۃ کے مطابق حرمت ثابت ہو جائے گی، "فی الثدی" میں مضاف محذوف ہے ای فی ایام الثدی ایام ثدی سے مراد بھی دودھ پینے کے جواز کے دن ہیں، ثبوت حرمت کے لئے ضروری نہیں ثدی کو منہ لگا کر ہی دودھ پلایا جائے۔(اشرف التوضیح: ۳/۴۴۳)

ابن ہمام نے فرمایا: کہ کیا مدت رضاعت کے بعد بھی دودھ پلانا جائز ہے؟ جواب یہ ہے کہ جائز نہیں اس لئے کہ دودھ آدمی کا جز ہے اور اس سے فائدہ حاصل کرنا بلا ضرورت جائز نہیں اور یہ ضرورت اب ختم ہو چکی ہے اور اسی بناء پر دوا کے لئے بھی اس سے انتفاع جائز نہیں۔

اطباء نے یہ ثابت کیا ہے کہ کسی کی وہ بیٹی جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے اس کا دودھ باپ کی آنکھ کے لئے مفید ہوتا ہے، مشائخ کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ جائز ہے یا نہیں تو بعض نے کہا جائز نہیں ہے اور بعض نے کہا کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے آشوب چشم جاتا رہے گا تو اس کے لئے جائز ہے۔ علامہ قاری نے فرمایا: کہ اس کا علم حقیقی کہ نفع دے گا یا نہیں یہ تو بہت دشوار ہے اس لئے اعتبار غلبہ ظن کا ہوگا۔(مرقاۃ: ۶/۳۰۳)

دودھ پلانے والی کے احسان کا بدلہ

{۳۰۲۴} **وَعَنْ** حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجِ الْاَسْلَمِیِّ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَایُذْهِبُ عَنِّی مَذِمَّةَ الرَّضَاعِ فَقَالَ غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ اَمَةٌ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤدوالنسائی والدارمی)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۱۹، باب ما جاءما یذهب مذ مةالر ضاع، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۱۵۳، ابوداؤد، ۱/۲۸۲، باب فی الرضع عندالفصال، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۶۴، نسائی: ۲/۷۰، باب حق الرضاع و حرمته، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۳۲۹، دار می: ۲/۲۰۹، باب ما یذهب مذ مةالر ضاع، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۵۴۔

ترجمه: حضرت حجاج بن حجاج اسلمی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم کون سی چیز ہے جس کے ذریعہ سے دودھ کا حق ادا ہوسکتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک غلام، خواہ غلام ہو یا باندی ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: جو عورت دودھ پلاتی ہے اس کا بہت بڑا احسان ہوتا ہے، لہٰذا اس عورت کا خیال رکھنا چاہئے، اور چوں کہ اس نے دودھ پلا کر بڑی خدمت انجام دی ہے، لہٰذا اس کی خدمت کیلئے کوئی غلام یا باندی کا انتظام کردیا جائے تو اس سے اس کے احسان کی ادائیگی ہوجائے گی۔

مذمة: کے معنیٰ حق کے آتے ہیں بظاہر اس وجہ سے کہ اس کی اضاعت سے آدمی مستحق مذمت ہوجاتا ہے اور یہاں پر اس سے وہ حق مراد ہے جو مرضعہ کو حاصل ہوتا ہے رضاعت کی وجہ سے، یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک اجرت رضاعت، جو تراضی طرفین سے متعین کی جاتی ہیں، اور دوسری چیز وہ ہے جو مرضعہ کو عندالفصال یعنی تکمیل رضاعت کے بعد بطور بخشش اور انعام کے دی جاتی ہیں، اسی کو مذمت سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ ان لوگوں کی عادت تھی کہ وہ عندالفصال مرضعہ کو انعام کے طور پر کچھ دیا کرتے تھے، اس حدیث میں ان صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی دریافت کیا ہے کہ وہ بخشش کیا ہونی چاہئے

آپ نے فرمایا کہ ایک غلام یا ایک باندی۔

جاننا چاہئے کہ اعطاء رضخ کا حکم ایجابی نہیں ہے واجب تو اصل اجرت کا ادا کرنا ہے، یہ حکم استحبابی ہے۔(الدر المنضود:٢١/٤، مرقاة:٣٠٥/٦، التعلیق:٣٤/٤)

مرضعہ کی تعظیم وتکریم

{٣٠٢٥} **وَعَنْ** اَبِیْ الطُّفَیْلِ الْغَنَوِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کُنْتُ جَالِساً مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ اَقْبَلَتِ امْرَأَۃٌ فَبَسَطَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رِدَاءَہُ حَتّٰی قَعَدَتْ عَلَیْہِ فَلَمَّا ذَھَبَتْ قِیْلَ ھٰذِہٖ اَرْضَعَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف:٢/٧٠٠، باب فی بر الوالدین، کتاب الادب، حدیث نمبر:٥١٤٤۔

حل لغات: اقبل: آنا، اقبل الرکب: قافلہ آگیا۔

ترجمہ: حضرت ابوطفیل غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک خاتون تشریف لے آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر بچھادی، چنانچہ وہ خاتون اس پر بیٹھ گئیں، جب وہ چلی گئیں تو لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ خاتون تھیں جنہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے۔(ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ رضاعی ماں بھی حقیقی ماں کے مانند ہوتی ہے، اس نے رضیع کو دودھ پلانے میں بڑی کلفت برداشت کی ہے، لہٰذا رضیع کو اس کی عزت وتکریم کرنا چاہئے حتی الامکان اس کا خیال رکھنا چاہئے البتہ ماں کا جو رتبہ ہے وہ تو کوئی پا ہی نہیں سکتا۔

فبسط النبی صلی اللہ علیہ وسلم: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آنے والی خاتون کی آمد پر بہت خوش ہوئے اور ان کی تعظیم وتکریم کے لئے اپنی چادر بچھادی، تاکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک پر بیٹھے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اتنی خاطر مدارت کی کہ لوگوں کو حیرانی ہوئی کہ یہ کون

محترمہ شخصیت ہے، لوگوں کو بتایا گیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی رضاعی ماں ہیں، مواہب میں ہے کہ یہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تھیں، جوکہ حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حنین کے دن تشریف لائیں، آپ ﷺ ان کی تعظیم کی خاطر کھڑے ہو گئے، اوران کے لئے اپنی چادر بچھادی، اور وہ اس پر بیٹھی تھیں۔

(مرقاۃ:۶/۳۰۵)

چار سے زائد بیویاں رکھنے کی حرمت

{۳۰۲۶} **وَعَنِ** ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ غَیْلَانَ بْنِ سَلَمَۃَ الثَّقَفِیَّ اَسْلَمَ وَلَہٗ عَشْرُ نِسْوَۃٍ فِی الْجَاہِلِیَّۃِ فَأَسْلَمْنَ مَعَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَھُنَّ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

حوالہ: احمد:۲/۴۴، ترمذی:۱/۲۴۱، باب ماجاء فی الرجل یسلم، کتاب النکاح، حدیث نمبر:۱۱۲۸، ابن ماجہ:۱۴۰، باب الرجل یسلم وعندہ، کتاب النکاح، حدیث نمبر:۱۹۵۳۔

حل لغات: فارقہ مفارقۃ: کسی سے علاحیدگی اختیار کرنا، السائر: باقی بچا ہوا، سائر الشیئ: کے معنی تمام کے نہیں بلکہ باقی ماندہ کے ہیں۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت غیلان مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں زمانۂ جاہلیت کی دس بیویاں تھیں، اور وہ سب ان کے ساتھ ہی مسلمان ہوگئیں، تو جناب رسول اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ان میں سے چار کو رکھو اور باقی کو علاحدہ کردو۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: اگر کوئی شخص مسلمان ہو جائے اس کے ساتھ اس کی بیویاں بھی مسلمان ہو جائیں اور بیویوں کی تعداد چار سے زیادہ ہو تو اس بات پر تو اتفاق ہے کہ ان میں سے چار رکھ سکتا ہے باقی کو چھوڑنا ضروری ہے، لیکن کون سی رکھے اور کونسی چھوڑے، ائمہ ثلاثہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو اختیار ہے جو چاہے رکھ لے اور جونسی چاہے چھوڑ دے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک تخییر نہیں بلکہ پہلی چار جن سے نکاح ہوا تھا ان کو رکھ لے باقیوں کو چھوڑ دے یہی اختلاف اس وقت ہے جبکہ دو بیویاں آپس میں بہنیں ہوں، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ جو چار نکاح پہلے ہوئے تھے وہ تو اسلام کی نظر میں صحیح ہیں چار کے بعد جو نکاح ہوئے وہ اسلامی نقطہ نظر سے درست ہی نہ تھے وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوئے لیکن ان کے اسلام لانے سے پہلے ہم نے ان سے تعرض اس لئے نہیں کیا تھا کیونکہ اہل ذمہ کے مذہبی اور شخصی معاملات میں مداخلت نہیں کی جاتی لیکن جب وہ مسلمان ہو گئے ہیں تو اب قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ ہوگا، شیخین کا یہ استدلال قواعد شرعیہ عامہ پر مبنی ہے۔

ائمہ ثلثہ زیر بحث غیلان بن سلمہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جب یہ مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں جو ان کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئی تھیں، آنحضرت ﷺ نے انہیں فرمایا کہ ان میں سے چار رکھ لو باقی چھوڑ دو، ایسے ہی اس حدیث کے بعد فیروز دیلمی کی حدیث آ رہی ہے کہ یہ جب اسلام لائے تو ان کی دو بیویاں آپس میں بہنیں تھیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اختر ایهما شئت" ان میں سے جو چاہو اختیار کر لو اور دوسری کو چھوڑ دو۔

شیخین کی طرف سے اس استدلال کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱)...... اختیار سے یہ مراد نہیں کہ مجموعہ میں سے جونسی چاہے رکھ لے بلکہ حدیث میں "اختر" وغیرہ کے الفاظ آ رہے ہیں ان سے مراد اختیار قدیمات ہے یعنی یہ جائزہ لو کہ ان میں سے قدیمات کونسی ہیں قدیمات چھانٹ کر رکھ لے باقی کو چھوڑ دے لیکن یہ جواب مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ غیلان بن سلمہ خود فرما رہے ہیں کہ میں نے سب سے پرانی کو چھوڑ دیا تھا ایسے ہی فیروز دیلمی کی حدیث میں ہے "اختر ایهما شئت" ان میں جس کو چاہو اختیار کرو۔ "ایهما شئت" کے لفظ اس تاویل پر زیادہ منطبق نہیں ہوتے۔

(۲)...... بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ جبکہ چار سے زائد عورتوں یا دو بہنوں کے ساتھ نکاح ایک ہی عقد میں کیا ہو اس صورت میں اختیار ہوگا لیکن یہ جواب بھی صحیح نہیں کیونکہ اگر ایک ہی عقد میں نکاح کیا ہو تو ہمارے نزدیک سب عورتوں سے نکاح باطل ہو جاتا ہے۔

سب سے بہتر جواب وہ ہے جو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب واقعی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا تھا کہ ان میں سے جو چاہو رکھ لو لیکن یہ حق نکاح اس وقت کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہ نکاح اس وقت ہوئے تھے جب کہ چار سے زائد عورتوں سے نکاح سے نہی نازل نہیں ہوئی تھی ایسے ہی "جمع بین الاختین" سے بھی نہی نہیں تھی، چونکہ یہ نکاح نزول نہی سے پہلے ہو چکے تھے اس لئے یہ نکاح صحیح تھے یہ سب اس کی بیویاں بن گئی تھیں، اس لئے حق اختیار دینا معقول بات ہے لیکن جو چار سے زائد نکاح نہی کے بعد ہوئے ہیں وہ تو منعقد ہی نہیں ہوئے ان میں حق اختیار کیسے دیا جا سکتا ہے، لہٰذا موجودہ حالات میں ان حدیثوں سے مسئلہ نہیں نکالا جا سکتا یہ حدیثیں صرف ان نکاحوں سے متعلق ہیں جو نہی سے پہلے ہو چکے تھے۔ امام ابن ہمام نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ (اشرف التوضیح: ۴۴۴/۲، مرقاۃ: ۳۰۶/۶)

بیک وقت کتنی عورتوں سے نکاح جائز ہے

اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ چار سے زیادہ سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ جمہور امت کے نزدیک چار سے زیادہ نکاح جائز نہیں ہے اس کے برخلاف روافض کے نزدیک نو سے نکاح جائز ہے۔ نخعی سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے، خوارج کے نزدیک اٹھارہ سے نکاح جائز ہے، بعض نے کہا "لاالی نہایۃ" جائز ہے یہ سب اقوال غیر معتبر ہیں، روافض کا استدلال اور ایسے ہی خوارج کا استدلال "فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع" تو دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو جو تمہیں پسند آئیں دو دو سے تین تین سے اور چار چار سے ہے ان تمام اعداد کو شمار کرنے سے کل نو عدد ہوتا ہے اور خوارج کہتے ہیں کہ مثنی کے معنی دو، دو کے ہیں لہٰذا مثنی سے مرد چار اور ثلث سے مراد چھ اور رباع سے مراد آٹھ ہے لہٰذا کل اٹھارہ ہو گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر تمہاری لغت دانی پر موقوف نہیں ہے، بلکہ ان کے معنی کے اندر تکرار اس وقت آتا ہے جب کہ ان کے الفاظ کے اندر بھی تکرار ہو نیز اس آیت سے انتہا عدد کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کے درمیان میں سے ہر ایک سے نکاح جائز ہے، جمہور کے مستدلالت بہت کثیر روایات ہیں جو اسی باب کے اندر مروی ہیں نیز عمل کو اگر دیکھیں تو معلوم ہوا کہ کسی صحابی نے بھی چار سے زیادہ سے نکاح نہیں کیا۔ (مرقاۃ: ۳۰۶/۶)

حدیث سے مستنبط مسائل

حدیث سے درج ذیل مسائل معلوم ہوئے

(۱)......کفار کا کیا ہوا نکاح صحیح ہے اس لئے اگر وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان ہو جائیں تو ان کو تجدید نکاح کا حکم نہیں کیا جائے گا، بشرطیکہ ان کے نکاح میں ایسے رشتوں والی عورتیں نہ ہوں جن کو نکاح میں جمع کرنا منع ہے۔

(۲)......اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک مرد کے لئے چار عورتوں سے زائد کی اجازت نہیں۔

(۳)......اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر چار سے زائد عورتوں والے مرد نے کہا میں فلاں فلاں کو اختیار کرتا ہوں یعنی اپنی زوجیت میں رکھتا ہوں تو باقی ماندہ کو طلاق کے بغیر جدائی حاصل ہو جائے گی، اس کے لئے طلاق کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

نومسلم کے نکاح میں چار سے زائد بیویاں

{۳۰۲۷} **وَعَنْ** نَوْفِلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَسْلَمْتُ وَ تَحْتِيْ خَمْسُ نِسْوَةٍ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فَارِقْ وَاحِدَةً وَاَمْسِكْ اَرْبَعاً فَعَمَدْتُ اِلٰى اَقْدَمِهِنَّ صُحْبَةً عِنْدِيْ عَاقِرٍ مُنْذُ سِتِّيْنَ سَنَةً فَفَارَقْتُهَا۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

حوالہ: بغوی فی شرح السنۃ: ۹۰/۹/۱ ۹، باب المشرک یسلم وتحتہ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۸۹۔

ترجمہ: حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس حال میں مسلمان ہوا کہ میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں، تو میں نے اس سلسلہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایک کو علاحدہ کردو، اور چار روک لو، تو میں نے پہلی بیوی کو علاحدہ کردیا جو کہ بانجھ تھی اور ساٹھ سال سے میرے نکاح میں تھی۔ (بغوی فی شرح السنہ)

تشریح: نوفل بن معاویۃ: ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی، جس میں ساٹھ سال حالت کفر میں گذرے اور ساٹھ سال اسلام میں گذرے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کی عمر سو سال ہوئی، سب سے پہلا غزوہ جس میں یہ شریک ہوئے فتح مکہ ہے، فتح مکہ سے قبل ہی مسلمان ہوئے تھے، "اقدمهن صحبة" جب ان کو اختیار ملا تو ان کے حق میں جو بے فائدہ بیوی تھیں ان کو طلاق دیدی، یہ بانجھ بھی تھیں، اور لمبے عرصہ سے ان کی بیوی تھیں۔

فائدہ:! معلوم ہوا کہ اگر نو مسلم کی چار سے زائد بیویاں ہیں شوہر کو حق تخییر حاصل ہوگا جن چار کو چاہے رکھے اور جس کو چاہے جدا کرے۔ (مرقاۃ: ۶/۳۰۶)

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت

{۳۰۲۸} **وَعَنِ** الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوْزَ الدَّيْلَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اَسْلَمْتُ وَتَحْتِيْ اُخْتَانِ قَالَ اخْتَرْ اَيَّتَهُمَا شِئْتَ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۲۰۵، باب فی من اسلم وعنده، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۴۳، ترمذی شریف: ۲/۲۱۴، باب ما جاء فی الرجل یسلم، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۳۰، ابن ماجہ: ۱۴۰، باب الرجل یسلم وعنده اختان، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۹۵۱۔

ترجمہ: حضرت ضحاک بن فیروز دیلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ بلا شبہ میں مسلمان ہوگیا ہوں، اور میرے نکاح میں دو سگی بہنیں جمع ہیں، حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ان دونوں میں سے جس ایک کو چاہو منتخب کرلو۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ایک شخص اپنے نکاح میں دو حقیقی بہنوں کو جمع نہیں کرسکتا، اگر کسی نے زمانہ جاہلیت میں یعنی حالت کفر میں جمع کر رکھا تھا اور پھر وہ مسلمان ہوگیا اور اس کے ساتھ اس کی دونوں بیویاں یعنی

دونوں بہنیں بھی مسلمان ہوگئیں تو وہ ایک کو نکاح میں رکھے گا اور ایک کو چھوڑ دے گا۔

اختر ایتہما شئت: حدیث کے یہ کلمات صاف بتارہے ہیں کہ شوہر کو اختیار حاصل ہوگا کہ دونوں بہنوں میں سے جس کو چاہے اپنے نکاح میں باقی رکھنے کے لئے منتخب کرلے، یہی جمہور کا مذہب بھی ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس سے پہلے نکاح کیا تھا اس کو باقی رکھے گا اور بعد والی جدا ہوجائے گی شوہر کو اختیار نہیں ہے، ابن ہمام نے جمہور کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے۔ (مرقاۃ:۶/۳۰۷)

تفریق دین فسخ نکاح کا سبب ہے

{۳۰۲۹} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ اَسْلَمَتْ امْرَأَةٌ فَتَزَوَّجَتْ فَجَاءَ زَوْجُهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ قَدْ اَسْلَمْتُ وَعَلِمَتْ بِاِسْلَامِيْ فَانْتَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَا الْآخِرِ وَرَدَّهَا اِلٰى زَوْجِهَا الْاَوَّلِ، وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّهَا اَسْلَمَتْ مَعِيْ فَرَدَّهَا عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ) وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ جَمَاعَةً مِنَ النِّسَاءِ رَدَّهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمِ بِالنِّكَاحِ الْاَوَّلِ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ عِنْدَ اِجْتِمَاعِ الْاِسْلَامِيْنَ بَعْدَ اِخْتِلَافِ الدِّيْنِ وَالدَّارِ مِنْهُنَّ بِنْتُ الْوَلِيْدِ بْنِ مُغِيْرَةَ كَانَتْ تَحْتَ صَفْوَانَ ابْنِ اُمَيَّةَ فَاَسْلَمَتْ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ فَبَعَثَ اِلَيْهِ ابْنَ عَمِّهٖ وَهَبَ بْنَ عُمَيْرٍ بِرِدَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَاناً لِصَفْوَانَ فَلَمَّا قَدِمَ جَعَلَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْيِيْرًا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ حَتّٰى اَسْلَمَ فَاسْتَقَرَّتْ عِنْدَهٗ وَاَسْلَمَتْ اُمُّ حَكِيْمٍ بِنْتِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ امْرَأَةُ عِكْرِمَةَ بْنِ اَبِيْ جَهْلٍ يَوْمَ الْفَتْحِ بِمَكَّةَ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ حَتّٰى قَدِمَ الْيَمَنَ فَارْتَحَلَتْ اُمُّ حَكِيْمٍ حَتّٰى قَدِمَتْ عَلَيْهِ الْيَمَنَ فَدَعَتْهُ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاَسْلَمَ فَثَبَتَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ مُرْسَلاً)

007

حوالہ: ابو داؤد: ۲/ ۳۰۴، باب اذا اسلم احد الزوجین، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۳۹۔

حل لغات: انتزع الشیئ: اکھاڑنا، واپس لینا، چھیننا، سلب کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت مسلمان ہوگئی، پھر اس نے شادی کرلی تو اس کا شوہر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں مسلمان ہو چکا ہوں، اور میری بیوی میرے اسلام قبول کرنے سے واقف ہے، چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو دوسرے خاوند سے علاحدہ کرکے پہلے شوہر کی طرف لوٹا دیا، اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے شوہر نے کہا کہ وہ عورت یعنی میری بیوی میرے ساتھ ہی مسلمان ہوئی تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو شوہر اول پر لوٹا دیا۔ (ابو داؤد) اور شرح السنہ میں یہ روایت نقل ہوئی ہے کہ عورتوں کی ایک جماعت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نکاح کی بنا پر ان کے خاوندوں کی طرف لوٹا دیا تھا، جب کہ دونوں اسلام میں اکٹھا ہو گئے، دین اور ملک کے اختلاف کے بعد، ان عورتوں میں ایک ولید بن مغیرہ کی بیٹی ہیں جو کہ صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھیں، وہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئیں، جب کہ ان کے شوہر نے اسلام سے راہ فرار اختیار کرلی تھی، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک دے کر ان کے پاس ان کے چچا کے لڑکے وہب بن عمیر کو بھیجا کہ صفوان کیلئے امان ہے، جب وہ آگئے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار ماہ تک گھومنے پھرنے کی مہلت دے دی، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گئے، چنانچہ ان کی بیوی ان ہی کے پاس رہنے لگیں، اسی طرح عکرمہ بن ابو جہل کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام فتح مکہ کے دن مکہ میں مسلمان ہوگئیں، جب کہ ان کے شوہر نے اسلام سے راہ فرار اختیار کی، یہاں تک کہ وہ یمن چلے گئے حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا بھی اس کی طرف روانہ ہوئیں یہاں تک وہ ان کے پاس یمن پہنچ گئیں، اور اس کو اسلام کی دعوت دی، چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا، اور وہ دونوں اپنے نکاح پر باقی رہے۔ اس روایت کو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب سے مرسلاً نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث اور اس کے ساتھ ذکر کردہ چند واقعات کو سمجھنے کے لئے چند

متعلقہ مسائل کو سمجھ لینا مناسب ہے۔

(۱)...... اگر زوجین کافر ہوں اور دارالاسلام میں ہوں ان میں سے اگر مرد مسلمان ہو جائے اور عورت غیر کتابیہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک قاضی عورت پر اسلام پیش کریگا اگر وہ اسلام قبول کرلے تو نکاح باقی رہے گا۔ اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے تو قاضی ان میں تفریق کر دے گا یہ تفریق حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فسخ نکاح ہوگی طلاق نہیں ہوگی اگر بیوی کتابیہ ہو تو بغیر عرض اسلام کے ہی نکاح برقرار رہے گا اگر بیوی مسلمان ہو جائے تو مرد پر اسی طرح اسلام پیش کیا جائے گا اگر مسلمان ہو جائے تو نکاح برقرار رہے گا اور اگر اسلام لانے سے انکار کر دے تو قاضی ان میں تفریق کر دے گا یہ تفریق طرفین کے نزدیک طلاق کے حکم میں ہوگی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ فرقت طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگی۔

(۲)...... اگر زوجین دارالحرب میں ہوں اور ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک دوسرے پر عرض اسلام ضروری نہیں بلکہ عورت کی عدت گذرنے تک انتظار کیا جائے گا اگر عدت گذرنے سے پہلے دوسرا مسلمان ہو جائے تو نکاح برقرار رہے گا اگر عدت کی مدت کے اندر مسلمان نہ ہو تو نکاح فسخ ہو جائے گا، گویا حنفیہ کے نزدیک پہلی صورت میں تفریق کا سبب اباعن الاسلام یعنی اسلام قبول کرنے سے انکار کرنا ہے۔ دوسری صورت میں عدت کی مدت کے اندر اسلام نہ لانا اباعن الاسلام کے قائم مقام ہے اور سبب فرقت ہے۔

شافعیہ کے نزدیک دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے کہ اگر دخول کر چکا ہے تو عدت کی مدت گذرنے کا انتظار کیا جائے گا اگر اس مدت میں اسلام نہ لائے تو فرقت ہو جائے گی اگر اسلام لے آئے تو نکاح باقی رہے گا، اگر خاوند نے پہلے دخول نہ کیا ہو تو ایک کے مسلمان ہوتے ہی فرقت ہو جائے گی۔

(۳)...... اختلاف دارین بھی حنفیہ کے نزدیک فرقت کا سبب ہے مثلاً زوجین دارالکفر میں تھے ایک مسلمان یا ذمی ہو کر دارالاسلام میں آجاتا ہے تو حنفیہ کے نزدیک فرقت واقع ہو جائے گی شافعیہ کے نزدیک اختلاف دارین فرقت کا سبب نہیں۔

(۴)...... شافعیہ کے نزدیک سبی یعنی زوجین یا احد الزوجین کا مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو جانا سبب فرقت ہے حنفیہ کے نزدیک یہ سبب فرقت نہیں۔

آخری دو مسئلوں کی روشنی میں کئی صورتیں بنیں گی۔

(الف)......زوجین کافرین دارالحرب میں تھے اکٹھے مسلمان ہو کر یا ذمی بن کر دارالاسلام میں آگئے تو بالاتفاق فرقت نہیں ہوگی نکاح برقرار رہے گا۔

(ب)......زوجین میں سے ایک قید ہو کر دارالاسلام میں آگیا دوسرا دارالحرب میں رہا تو بالاتفاق فرقت واقع ہو جائے گی، شافعیہ کے نزدیک سبی کی وجہ سے، حنفیہ کے نزدیک تباین دارین کی وجہ سے۔

(ج)......زوجین کافرین اکٹھے قید ہو کر دارالاسلام میں آگئے شافعیہ کے نزدیک فرقت ہو جائے گی سبی کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک نہیں ہوگی۔

(د)......زوجین میں سے ایک خود مسلمان ہو کر یا ذمی بن کر دارالاسلام میں آگیا دوسرا دارالکفر میں رہا تو حنفیہ کے نزدیک فرقت ہو جائے گی، اختلاف دارین کی وجہ سے اور شافعیہ کے نزدیک نہیں ہوگی لعدم وجود سبی۔

زیر بحث حدیث کے ماتحت اصل مقصد تیسرے مسئلہ کی وضاحت ہے کہ تباین دارین سے فرقت واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ دوسرے مسائل بالتبع بیان کئے گئے ہیں۔

مشکوۃ میں پیش کردہ دلائل اور ان کے جوابات

صاحب مشکوۃ نے پہلے یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زیر بحث حدیث پیش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت مسلمان ہوگئی اور اس نے دوسرا نکاح کرلیا اس کا خاوند حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں مسلمان ہو چکا تھا، اور اس کو میرے اسلام کا علم بھی تھا پھر بھی اس نے دوسرا نکاح کرلیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا دوسرا نکاح باطل قرار دے کر اس کو پہلے خاوند کی طرف لوٹا دیا، یہ حدیث پیش کرنے کے بعد صاحب مشکوۃ نے شرح السنۃ سے نقل کیا ہے "ان جماعۃ النساء ردھن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنکاح الاول علی ازواجھن عند اجتماع الاسلامین بعد اختلاف الدین والدار" یعنی

عورتوں کی ایک جماعت ایسی ہے جن میں پہلے تو اختلاف دین واختلاف دار پایا گیا یعنی ان میں سے ایک مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ گیا پھر کچھ عرصہ بعد دوسرا بھی مسلمان ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے پہلے ہی نکاح کی وجہ سے بیوی کو خاوند کی طرف لوٹا دیا، اس کے بعد امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے چند مثالیں دیں ہیں گویا امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب مشکوۃ زیر بحث حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اور شرح السنہ میں ذکر کردہ مثالوں میں سے استدلال کرنا چاہتے ہیں اس بات پر کہ تباین دارین سے فرقت واقع نہیں ہوتی، ان دلائل کو ترتیب وار ذکر کر کے ان کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

دلیل نمبر (١) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث جس کا حاصل پہلے بیان ہو چکا ہے۔

جواب: لیکن اس روایت سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس روایت میں ایسی کوئی تصریح نہیں کہ ان میں بتاین دارین ہوا تھا، حدیث میں صراحت نہیں عورت پہلے دارالکفر سے آ کر مسلمان ہوئی تھی ہوسکتا ہے کہ اہل ذمہ میں سے کوئی عورت ہو، دوسرا نکاح اس لئے رد فرمادیا کہ احد الزوجین کے محض اسلام لانے سے نکاح ختم نہیں ہوتا اگر بالفرض تسلیم کرلیں کہ وہ میاں بیوی پہلے دار الحرب میں رہتے تھے تب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے میاں بیوی دارالکفر میں ہی مسلمان ہو چکے تھے بعد میں بیوی نے ہجرت کی ہے۔

دلیل نمبر: (٢) صاحب شرح السنہ نے صفوان بن امیہ اوان کی بیوی کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، فتح مکہ کے موقع پر صفوان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھی، لیکن صفوان خود مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ مکہ سے بھاگ گئے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کے چچازاد بھائی وہب بن عمیر کو اپنی رداء دیکر بھیجا تھا یہ رداء بطور امان کی نشانی کے تھی، چنانچہ یہ مکہ مکرمہ میں آئے اور اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے کے بارہ میں سوچنے کیلئے آنحضرت ﷺ سے مہلت طلب کی آپ نے مہلت دے دی چنانچہ تقریباً ایک مہینہ کے بعد مسلمان ہو گئے، اور ان کی بیوی انہی کے نکاح میں رہی، یہاں صفوان مکہ مکرمہ سے چلے گئے تھے لہذا تباین دارین ہو گیا اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح باقی رکھا۔

جواب: اس روایت میں تباین دارین کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، صفوان کی بیوی تو مکہ

مکرمہ میں ہی تھیں جو دارالاسلام بن چکا تھا مستدل کے ذمہ یہ ثابت کرنا ہے کہ صفوان اتنے دور چلے گئے تھے کہ حدود دارالاسلام سے نکل گئے تھے زیر بحث روایت میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں بلکہ دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے یہ کہ مکہ مکرمہ کے مضافات میں ہی تھے اس سے باہر نہیں نکلے تھے، دارالاسلام سے نکلنا ثابت نہ ہوا بلکہ زوجین دارالاسلام میں تھے اس صورت میں اسلام پیش کیا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی انہوں نے انکار نہیں کیا بلکہ مہلت مانگی ہے آنحضرت ﷺ نے مہلت دے دی چنانچہ یہ مسلمان ہوگئے، اگر اباء عن الاسلام کرتے تو نکاح فسخ ہوجاتا۔ (اعلاء السنن: ۱۰۱/۱۱)

دلیل نمبر: (۳) عکرمۃ بن ابی جہل کی بیوی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام فتح مکہ مکرمہ کے موقعہ پر مسلمان ہوگئی تھیں لیکن عکرمہ مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ یمن کی طرف بھاگ گئے۔

ام حکیم رضی اللہ عنہا بھی ان کے پیچھے گئیں اور وہاں جا کر انکو دعوت اسلام دی چنانچہ عکرمہ بھی مسلمان ہوگئے، آنحضرت ﷺ نے ان کے اسلام پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا اور ان دونوں کے نکاح کو برقرار رکھا۔

جواب: یہاں بھی تباین دارین کا تحقق متیقن نہیں کیونکہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے مکہ مکرمہ سے نکلنے کے بعد ان کی بیوی ان کے پیچھے چلی گئی تھیں، ہوسکتا ہے کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کے دار الکفر کی حدود میں داخل ہونے تک ام حکیم بھی مکہ مکرمہ کی حدود سے نکل چکی ہوں، نیز جب ام حکیم مسلمان ہوئیں ہیں اس وقت عکرمہ مکہ میں تھے اب تفریق کیلئے ضروری ہوگیا تھا کہ ان پر اسلام پیش کیا جائے اور وہ اسلام سے انکار کردیں، بغیر عرض اسلام کے فرقت نہیں ہوسکتی تھی چنانچہ ان پر جب اسلام پیش کیا گیا تو یہ مسلمان ہوگئے "ھرب من مکہ" عرض اسلام سے پہلے ہوا تھا۔ (اعلاء السنن: ۱۰۳/۱۱)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ابو العاص رضی اللہ عنہ کے دوسرے نکاح کی بحث

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو واقعات پیش کئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی تباین دارین کی کوئی صراحت موجود نہیں اس لئے ان سے شافعیہ کے مسلک پر استدلال بہت مشکل ہے اس مسئلہ میں اختلاف کا

اصل مدار ایک اور واقعہ پر ہے وہ ہے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں ابوالعاص ابتداءً مسلمان نہیں ہوئے تھے، ابھی تک مسلمان اور کافر کے درمیان نکاح کی حرمت بھی نازل نہیں ہوئی تھی، غزوہ بدر میں ابوالعاص رضی اللہ عنہ مشرکین قیدیوں کے ساتھ قید ہو کر مدینہ طیبہ میں آئے تھے، جب قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا فیصلہ کیا گیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کے فدیہ کے طور پر ایک ہار بھیجا یہ وہ ہار تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کو دیا تھا، یہ ہار دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یاد کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہوگئی اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین سے دریافت فرمایا کہ اگر طیب خاطر سے اجازت دو تو یہ ہار واپس کر دیا جائے اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا جائے، سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو بخوشی اجازت دے دی چنانچہ ان کو آزاد کر دیا گیا لیکن ساتھ ساتھ یہ معاہدہ بھی کر لیا گیا کہ مکہ میں جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بھیج دیں، جو ابھی تک مکہ مکرمہ میں ہی تھیں، چنانچہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ کی طرف روانہ کر دیا، چھ سال کے بعد ابوالعاص رضی اللہ عنہ خود بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو انہی کے نکاح میں رکھا۔

اتنی بات پر تو سب روایات متفق ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بعد میں حضرت ابوالعاص کے نکاح میں ہی رہیں لیکن اس بات میں روایات مختلف ہیں کہ ان کا دوبارہ جدید نکاح ہوا تھا یا سابقہ نکاح کی وجہ سے زینب کو ان کی طرف لوٹا دیا گیا تھا، ترمذی وغیرہ میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے، "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ردا بنتہ زینب علی ابی العاص بن الربیع بمهر جدید ونکاح جدید" بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص ابن الربیع رضی اللہ عنہ پر مہر جدید اور نکاح جدید کے ساتھ لوٹایا۔ (ترمذی: ۱/۲۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح جدید، ہوا تھا ترمذی ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "ردالنبی صلی اللہ علیہ ابنتہ زینب علی ابی العاص بن الربیع بعد ست سنین بالنکاح الاول ولم یحدث نکاحا" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی صاحبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

کو حضرت ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ پر چھ برس کے بدنکاح اول کے ساتھ ہی لوٹایا اور نیا نکاح نہیں فرمایا۔ (ترمذی ایضاً) اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نکاح جدید نہیں ہوا تھا بلکہ پہلے نکاح کے ساتھ ہی ان کو لوٹا دیا گیا تھا، سند کے اعتبار سے دونوں روایتیں قابل قبول ہیں اگرچہ تھوڑا تھوڑا کلام دونوں روایتوں میں ہے، حنفیہ نے اپنے مذہب کا مدار پہلی روایت کو بنایا ہے، اور شافعیہ نے دوسری روایت کو اپنے مسلک کا مدار بنایا ہے، پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تباین دارین سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بتاین دارین سے نکاح فسخ نہیں ہوتا ہے۔

دونوں روایتوں میں تعارض ہوا اس لئے تطبیق یا ترجیح کی ضرورت ہوتی ہے، ترجیح کے اعتبار سے دیکھیں تو حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کو ترجیح ہونی چاہئے کیونکہ وہ نئے نکاح کی مثبت ہے جبکہ حدیث ابن عباس نافی ہے، جب مثبت اور نافی میں تعارض ہو تو ترجیح مثبت کو ہوتی ہے، تطبیق کے لئے ایک روایت کو اپنے ظاہر پر رکھ کر دوسری میں تاویل کرنی پڑے گی، حنفیہ روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور حدیث ابن عباس میں ان کی طرف سے مندرجہ ذیل توجیہیں کی گئی ہیں۔

(۱) ... **بالنکاح الاول:** میں باء سببیہ یعنی بسبب النکاح الاول، یعنی حضرت زینب کو اگرچہ نکاح جدید کی وجہ سے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا گیا ہے لیکن اس نکاح جدید کا سبب پہلا نکاح ہی تھا چونکہ یہ پہلے ان کے نکاح میں رہی تھیں اور انہوں ان کو بھیجنے کا وعدہ کرکے اس کا ایفاء کیا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان کے ساتھ نکاح کردیا۔

(۲) ... **بالنکاح الاول:** کا معنی ہے بشروط النکاح الاول یعنی نکاح اگرچہ نیا ہوا تھا لیکن اس میں کوئی شرط وغیرہ نہیں لگائی تھی بلکہ پہلے نکاح والی شرطوں کے ساتھ ہی نکاح ہوا تھا۔

شافعیہ کے استدلال پر ایک اشکال

شافعیہ نے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جناب سرور کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال بعد سابقہ نکاح کے ساتھ واپس ابوالعاص رضی اللہ عنہ

کے گھر بھیج دیا تھا جس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ تباین دارین کی وجہ سے اگرچہ ان کے ہاں فرقت نہیں ہوتی لیکن بیوی کے مسلمان ہو جانے کے بعد عدت گذر جانے پر تو ان کے نزدیک بھی فرقت ہو جاتی ہے، تو کیا چھ سال کی طویل مدت میں ان کی عدت نہیں گذری تھی عام طور پر اتنی مدت میں عدت ختم ہو جاتی ہے اس صورت میں شافعیہ کے مذہب پر بھی نکاح جدید ہونا چاہئے، یہ حدیث شافعیہ کے بھی خلاف ہوئی، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ اکثر طہر کی مدت متعین نہیں، بعض اوقات ایک طہر کئی سال کا بھی ہوسکتا ہے اس لئے ممکن ہے کہ ان کی عدت پوری نہ ہوئی ہو، لیکن چھ سال میں عدت نہ گزرنا اگرچہ ممکن ہے لیکن خلاف عادت ضرور ہے۔ (اشرف التوضیح: ٢/٤٤٣) تفصیل کے لئے دیکھیں (مرقاۃ: ٦/٣٠٨، اعلاء السنن: ١١/١٠١)

{الفصل الثالث}

محرم عورتوں کا تذکرہ

{٣٠٣٠} **عَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ حُرِّمَ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ وَمِنَ الصِّهْرِ سَبْعٌ ثُمَّ قَرَأَ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ الآيَةِ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ٢/٧٦٥، باب مایحل من النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ٥١٠٥۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نسب کی بنا پر سات عورتیں حرام ہیں، اور سسرالی رشتے سے سات عورتیں حرام ہیں، پھر انہوں نے قرآن مجید کی آیت "حرمت الخ" تلاوت فرمائی، حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اخیر تک۔ اس کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

تشریح: نسب کی وجہ سے جو سات حرام ہیں وہ یہ ہیں، (١) امہات (٢) بنات (٣) اخوات

(۴) عمات (۵) خالات (۶) بنات الاخ (۷) بنات الاخت۔

صہر کیوجہ سے جو حرام ہیں وہ یہ ہیں، (۱) ام الزوجہ یعنی ساس، (۲) بیٹے، پوتے وغیرہ کی بیوی یعنی بہو، (۳) باپ دادا وغیرہ کی بیوی یعنی سوتیلی ماں، دادی پردادی (۴) مدخول بہا بیوی کی بیٹی دوسرے خاوند سے یہ چار حرام علی التابید ہیں، (۵) اخت الزوجہ (سالی) (۶) عمۃ الزوجہ (بیوی کی پھوپھی) (۷) خالۃ الزوجہ (بیوی کی خالہ یہ تین ہمیشہ کے لئے حرام نہیں بلکہ جب تک بیوی نکاح میں ہو یا عدت میں ہو اس وقت تک حرام ہیں۔ (مرقاۃ:۶/۳۱۱)

بیوی کی بیٹی اور ماں کی حرمت

{۳۰۳۱} **وَعَنْ** عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُ ابْنَتِهَا وَاِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلْيَنْكِحِ ابْنَتَهَا وَاَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ اِمْرَأَةً فَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَنْكِحَ اُمَّهَا دَخَلَ بِهَا اَوْ لَمْ يَدْخُلْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ مِنْ قِبَلِ اِسْنَادِهٖ فَاِنَّمَا رَوَاهُ ابْنُ لَهِيْعَةَ وَالْمُثَنّٰى بْنِ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَهُمَا يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۱۲، باب ماجاء فی من تزوج المراۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۱۷۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا، اس کے بعد اس سے صحبت کر لی، تو اس کے لئے اپنی اس بیوی کی لڑکی سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے، اور اگر نکاح کے بعد بیوی سے وطی نہیں کی تو اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے، اور جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا، تو اس کے لئے منکوحہ کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، منکوحہ سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، (ترمذی) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس روایت کو ابن لہیعہ اور

007

مثنی بن صباح نے حضرت عمرو بن شعیب سے نقل کیا ہے اور دونوں حدیث بیان کرنے میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

تشریح: ماں اور بیوی کی بیٹی شوہر کے لئے محرمات ابدیہ میں سے ہیں ان سے نکاح کرنا درست نہیں ہے، لیکن بیوی کی ماں اور بیٹی کی حرمت میں اس اعتبار سے فرق ہے کہ بیوی کی ماں تو نفس نکاح کی بنا پر حرام ہو جاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں مطلقاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وامھات نسائکم" یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں لیکن بیوی کی دوسرے شوہر سے جو بیٹی ہے وہ بیوی سے نفس نکاح سے حرام نہیں ہوتی ہے، بلکہ نکاح کے بعد دخول کی بنا پر حرام ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "وربائبکم اللاتی فی حجور کم من نسائکم اللاتی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم" اور تم پر تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو کہ پہلے شوہروں سے ہیں، اور تمہاری پرورش میں ہیں اس صورت میں حرام ہیں جب کہ تم ان بیویوں سے جماع کر چکے ہو اور اگر تم نے ان سے جماع نہیں کیا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کرو، لیکن بیوی کی بیٹی سے نکاح اس وقت ہوگا، جب کہ بیوی انتقال کر جائے یا اس کو طلاق دیدی ہو، دونوں کو جمع کرنا حرام ہے، دو مسئلے مذکور ہیں، (۱) ربیبہ یعنی منکوحہ کی وہ لڑکی جو پہلے شوہر سے ہو، اس سے نکاح اس وقت حرام ہے، جب بیوی سے صحبت کر لی ہو، اس کی حرمت کے ساتھ قرآن نے اس قید کو ذکر کیا جیسا کہ سطور بالا میں ذکر ہے، (۲) ساس سے نکاح کی حرمت قرآن مجید میں بغیر قید کے بیان ہوئی ہے، لہٰذا اس سے مطلقاً نکاح حرام ہے، یہ دونوں مسئلے قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہیں لہٰذا یہ اتفاقی مسائل ہیں۔

{باب المباشرۃ}

عورتوں سے صحبت کا بیان

اس باب کے تحت پندرہ روایتیں درج کی گئی ہیں جو عورت سے مباشرت (جماع) عزل اور زمانہ حیض میں وطی اور بدفعلی سے ممانعت، بیوی سے ہمبستری کے بعد افشاء راز پر وعید وغیرہ جیسے احکام پر مشتمل ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مدنی الطبع پیدا کیا اور مشیت خداوندی نے طے کیا کہ نوع انسانی کی بقا توالد وتناسل کے ذریعہ ہو تو ضروری ہے کہ مثبت پہلو سے انسان کو افزائش نسل کی تاکید کے ساتھ ترغیب دی جائے، چنانچہ سورہ نساء کی پہلی آیت میں ارشاد پاک ہے "وبث منهما رجالا كثيرا ونساء" یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد وزن سے بہت سے مرد وعورتیں پھیلائیں یہ ارشاد پاک جملہ خبریہ ہے اور ہر خبر انشاء کو متضمن ہوتی ہے، پس اس میں افزائش نسل کا حکم ہے اور حدیث میں فرمایا "**تزوجوا الودود الولود**" ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو بہت پیار کرنے والی اور بہت بچے جننے والی ہوں، اس میں افزائش نسل کی طرف اشارہ ہے۔

اور منفی پہلو یعنی قطع نسل اور ان باتوں سے جو قطع نسل کا باعث ہوتی ہیں سختی سے روک دیا جائے اور توالد وتناسل کا واحد ذریعہ شہوت فرج ہے شہوت بطن اس کے لئے ممد ومعاون ہے، یہ شہوت ہمہ وقت انسان پر مسلط ہے اور اس کو طلب نسل پر مجبور کرتی ہے۔ خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں، اور نسل کی بربادی کے اسباب مثال کے طور پر چھ ہیں۔

(۱)......لڑکوں سے اغلام کرنا۔

(۲)......عورتوں سے اغلام کرنا، یہ دونوں باتیں اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی ہیں اور وہ اس طرح کی جو شہوت فرج ایک خاص مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر مسلط کی ہے، اس کو بروئے کار

لانے کے بجائے ضائع کر دیا جاتا ہے، یہ فطری چیز میں تبدیلی ہے، پھر پہلا یعنی لڑکوں سے اغلام کرنا زیادہ سنگین ہے، کیونکہ اس میں جانبین سے اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی ہے اور وہ اس طرح کہ مفعولیت کی شان اللہ تعالیٰ نے مردوں میں پیدا نہیں کی، پس فاعل مفعول دونوں ہی خلاف فطرت عمل کا ارتکاب کرتے ہیں۔

(۳)......مردوں کا مخنث بننا، یہ بھی بدترین خصلت ہے۔

(۴)......اعضاء تناسل کاٹ دینا۔

(۵)......ایسی دوائیں استعمال کرنا کہ قوت باہ ختم ہو جائے۔

(٦)......عورتوں سے بے تعلق ہو جانا، اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں جیسے تجرد کی زندگی اپنانا، یہ سب اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی ہیں اور نسل کو رائیگاں کرنا ہے، چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ان سب باتوں کی ممانعت کی، اور فرمایا: عورتوں سے ان کی پچھلی راہ میں صحبت مت کرو۔ اور فرمایا: وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کی پچھلی راہ میں صحبت کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فوطے نکالدینے کی ممانعت کی اور بیوی سے بے تعلق ہو جانے کی ممانعت فرمائی، اس سلسلہ میں کثیر روایات مروی ہیں۔ (مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ: ۵/۱۰۹)

{الفصل الاول}

مباشرت کے سلسلہ میں یہودی نظریہ کی تردید

{۳۰۳۲} **عَنْ** جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَتِ الْیَھُوْدُ تَقُوْلُ اِذَا اَتَی الرَّجُلُ امْرَأَتَہٗ مِنْ دُبُرِھَا فِیْ قُبُلِھَا کَانَ الْوَلَدُ اَحْوَلَ فَنَزَلَتْ نِسَائُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَأْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۶۴۹، باب نسائکم حرث لکم، کتاب التفسیر،

حدیث نمبر: ۴۵۲۸ء، مسلم شریف: ۲/۴۶۳ء، باب جواز جماع امراته فی قبلها الخ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۳۵۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہودی کہتے تھے کہ جب آدمی اپنی بیوی کے آگے کی شرمگاہ میں پیچھے کی جانب سے جماع کرتا ہے تو لڑکا بھینگا پیدا ہوتا ہے، اس پر قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی، "نسائکم حرث الآیۃ" تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، لہٰذا تمہیں اختیار ہے اپنی کھیتی میں جس طرح چاہے آؤ۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: بیوی کی آگے کی شرمگاہ شوہر کے لئے حلال ہے وہ جس طرح چاہے اس سے نفع اٹھاسکتا ہے لہٰذا اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اگر پیچھے کی جانب سے اگلے حصے میں جماع کریں گے تو اس کی وجہ سے اولاد ناقص الخلقت ہوگی قطعی خود ساختہ اور غلط نظریہ ہے، یہود کا اس قسم کا نظریہ تھا، جس سے مسلمان متأثر ہوسکتے تھے، لہٰذا اس نظریہ کی تردید کردی گئی۔

فاتو حرثکم انی شئتم: چونکہ لفظ "انّٰی" کی معنی "من این" بھی آتے ہیں یعنی عموم مکان مراد ہوتا ہے اور کیف کے معنی پر بھی اطلاق ہوتا ہے یعنی عموم حال مراد ہوتا ہے تو روافض نے دونوں معنی لے کر دبر میں وطی کرنے کو جائز قرار دیا ہے، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک مجمل روایت سے بھی استدلال کیا ہے، جو بخاری شریف میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، "انی شئتم ای فی دبرها"۔ لیکن جمہور ائمہ بلکہ جمہور امت وطی فی الدبر کو حرام قرار دیتے ہیں اور یہ صرف امت محمدیہ کے نزدیک نہیں بلکہ تمام ادیان میں حرام ہے، کما قال ابن الملک، کیونکہ قرآن کریم نے موقع حرث میں وطی کا حکم دیا ہے اور یہ قبل ہے دبر نہیں نیز حالت حیض میں وطی کی حرمت کی علت قرار دی "اذیٰ"۔ اس سے دلالت النص کے ذریعہ دبر میں وطی کی حرمت ثابت ہوگئی کیونکہ علت اذی اس میں بھی پائی جاتی ہے، نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایسے شخص کو ملعون کہا گیا "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ملعون من اتی امرأته فی دبر"۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ملعون ہے وہ شخص جو اپنی بیوی سے پچھلے مقام میں صحبت کرے۔ رواہ ابوداؤد۔

روافض نے لفظ انی کے عموم سے دلیل پیش کی اس کا جواب یہ ہے کہ آیات کے سیاق وسباق سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عموم موضع مراد نہیں ہے بلکہ عموم حال مراد ہے کہ موضع خاص ہو اور کیفیت عام ہو چاہے سامنے سے یا پیچھے کی جانب سے بیٹھ کر لیٹ کر، کھڑے ہو کر سب جائز ہے، لیکن موضع خاص ہونا چاہئے کیونکہ آیت میں موضع حرث میں آنے کو کہا گیا اور ظاہر بات ہے کہ دبر موضع حرث نہیں ہے تو وہ کیسے شامل ہوگا، نیز آیت کی شان نزول سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ جانب دبر سے قبل میں وطی کرنے سے اولاد احول ہوتی ہے، ان کی تردید کے لئے آیت نازل ہوئی کہ کیفیت میں کوئی قید نہیں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے جو استدلال کیا اس کا جواب یہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس سے انکار کرتے ہیں ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: "ھل یفعل ذالك احد من المسلمین" کیا مسلمانوں میں سے کوئی شخص ایسا کرسکتا ہے۔ یا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فی دبرھا کا مطلب من جانب دبرھا فی قبلھا ہے۔(مرقاۃ: ۶/۳۱۳، التعلیق: ۴/۱۳، درس مشکوۃ: ۳/۲۳)

عزل کی اجازت

{۳۰۳۳} **وَعَنْه** قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَزَادَ مُسْلِمٌ فَبَلَغَ ذَالِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَنَا۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۸۴، باب العزل، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۰۸، مسلم شریف: ۱/۴۶۵، باب حکم العزل، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۴۰۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا رہتا تھا۔(بخاری ومسلم) مسلم نے اپنی روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ ہمارے فعل کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔

تشریح: کنا نعزل: ہم عزل کرتے تھے، عزل کا مطلب یہ ہے کہ مرد انزال فرج کے باہر کرے، یعنی مرد مقاربت کے وقت آخری لمحات میں اپنا عضو مخصوص عورت کی شرمگاہ سے باہر نکال لے، تاکہ منی باہر گرے، "والقرآن ینزل" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عزل حرام نہیں ہے اس لئے کہ عزل

اگرحرام ہوتا تو قرآن مجید میں عزل کی حرمت نازل ہوتی قرآن مجید میں حرمت نازل نہیں ہوئی، اورآنحضرت ﷺ نے بھی علم کے باوجود اس عمل سے منع نہیں کیا، یہ دلیل ہے اس کے جائز ہونے کی۔

عزل کا مقصد

اگر عزل کا مقصد روزی کا مسئلہ ہے، یا خوش عیشی کی غرض سے چھوٹے خاندان سکھی خاندان کا نظریہ اپنا کر عزل کیا جارہا ہے، یا کوئی اور مقصد ہے، جو اسلامی اصول کے خلاف ہے تو عزل حرام ہے، رزق دینے والی ذات اللہ کی ہے، لہٰذا یہ سوچ کرکہ بچے زیادہ ہوگئے تو کھائیں گے کہاں سے غیر اسلامی نظریہ ہے، اور اللہ کی صفت رزّاقیت پر سوءعقیدہ ہوتا ہے جس میں ایمان کا خطرہ ہے۔اسی طرح افزائش نسل نکاح کے بنیادی مقاصد میں سے ہیں، لہٰذا بلاکسی اہم سبب کے بچوں کی کثرت سے اعراض کرنا مقاصد نیک کے خلاف ہے، ایسے میں ان وجوہات سے عزل جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص بچوں کی مصلحت یا بیوی کی صحت کی غرض سے عارضی منع حمل کی تدبیر اختیار کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔

منع حمل کی تین تدبیریں

پہلا طریقہ: مرد یا عورت میں کوئی ایسا عمل جراحی (آپریشن) کرنا جس سے ہمیشہ کیلئے قوت تولید ختم ہوجائے، عورت کی آپریشن کرکے بچہ دانی نکال دیتے ہیں اور مرد کی نسبندی کردیتے ہیں، فوطوں کے نیچے ایک رگ ہوتی ہے جس سے جرثومے آتے ہیں اس کو کاٹ کرسی دیتے ہیں، جس سے شہوت، بحالہ رہتی ہے اور جرثومے آنے بند ہوجاتے ہیں اس لئے حمل قرار نہیں پاتا۔

دوسرا طریقہ: مرد یا عورت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ لمبے عرصہ تک تولید رک جائے، مگر آئندہ تولید شروع ہوسکتی ہے، ایسا طریقہ مرد میں کوئی نہیں اور عورت میں کئی طریقے ہیں، مثلاً ایک آلہ ہے، انگریزی کے (ٹی) کی شکل کا اس کو بچہ دانی کے منہ پر لگادیتے ہیں جس کی وجہ سے بچہ دانی کا منہ بند ہوجاتا ہے اور حمل نہیں ٹھہرتا، پھر جب بچہ کی خواہش ہوتی ہے تو اس آلہ کو نکال دیتے ہیں پس تولید شروع ہوجاتی ہے۔

تیسرا طریقہ: مرد وزن کوئی ایسا عارضی طریقہ اختیار کریں، جس کا اثر ایک صحبت تک یا ایک رات تک رہے، ایسا طریقہ مرد میں نرودھ (ربڑ کی کیپ) کا استعمال ہے، اور عورت میں اندام نہانی میں کوئی گولی رکھی جاتی ہے جس سے جرثومے بھسم ہو جاتے ہیں اور حمل قرار نہیں پاتا۔

منع حمل کی تین نیتیں

پہلی نیت: روزی کا مسئلہ: آدمی سوچتا ہے کہ اگر بچے ہوتے رہے تو ان کا پیٹ کیسے بھروں گا، گویا وہ رزاق ہے۔

دوسری نیت: خوش عیشی: آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ اگر ایں قدر آں قدر بچے ہو گئے تو رات بھر پریشان کریں گے، اور سارا مزہ کرکرا کر دیں گے، اس لئے یہ آفت رک جائے تو بہتر ہے۔

تیسری نیت: عورت یا پیدا ہونے والے بچے یا پیدا شدہ بچوں کی مصلحت، مثلاً عورت نحیف ہے، یا آپریشن سے بچہ لیا گیا ہے اور اب ولادت سے اس کی جان کو خطرہ ہے یا یہ اندیشہ ہے کہ اگر حمل ٹھہر جائے گا تو دودھ پینے والے بچے کی صحت متأثر ہوگی یا اس کی صحیح تربیت نہیں ہو سکے گی یا عورت کسی مرض میں مبتلا ہے کہ بظاہر اسباب تعدیہ کا اندیشہ ہے اور دیندار حکیم ڈاکٹر کی رائے میں حمل ٹھہرنا مناسب نہیں وغیرہ۔

احکام

(۱)......مرد میں عمل جراحی کر کے قوت تولید ختم کر لینے کی شرعاً قطعاً گنجائش نہیں، یہ خصی ہونا ہے، جس کی سخت ممانعت آئی ہے، ارشاد پاک ہے "ولآمرنهم فليغيرن خلق الله" (سورہ نساء) یعنی شیطان نے کہا: میں ضرور لوگوں کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ کی بناوٹ کو بگاڑ دیں گے، اور احادیث میں خصی ہونے کی ممانعت آئی ہے، اور عورت میں بعض مخصوص حالات میں یعنی اضطراری کی صورت میں مفتیان کرام بچہ دانی نکالنے کی اجازت دیتے ہیں پس خاص حالات میں مفتیان کرام کی طرف رجوع کیا جائے۔

008

اور منع حمل کا دوسرا طریقہ یعنی ٹی لگوانا بحکم عزل ہے، اگر چہ یہ لمبے وقت کیلئے عزل ہے اور منع حمل کا تیسرا طریقہ تو اصل عزل ہے پس جو حکم عزل کا ہے وہی حکم ان دونوں صورتوں کا ہے، عزل کا حکم آگے آرہا ہے۔

(۱)......اور روزی کے ڈر سے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا ایمان کی کمزوری ہے، کیا مؤمن یہ سمجھتا ہے کہ وہ رزق رساں ہے؟ اللہ تعالیٰ آنے والے بچے کو ایک منہ کھانے کے لئے تو دو ہاتھ کمانے کے لئے بھی دیتے ہیں۔

(۲)......اور خوش عیشی کے لئے منع حمل کا کوئی بھی طریقہ اپنانا مقصد نکاح کے خلاف ہے، اسلام میں نکاح کا اہم مقصد عفت و پاکدامنی ہے اور دوسرا بنیادی مقصد افزائش نسل ہے، سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۷ میں ہے "فالئن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم" ترجمہ: پس اب رمضان کی راتوں میں بیوی سے ملو ملاؤ اور وہ اولاد چاہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر کی ہے۔ اور حدیث میں ہے "زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ پیار کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو، کیونکہ میں تمہاری زیادتی سے دوسری امتوں پر قیامت کے دن فخر کروں گا، معلوم ہوا کہ اسلام میں نکاح کا مقصد افزائش نسل بھی ہے اور خوش عیشی کی نیت اس مقصد کے منافی ہے، البتہ عورت کی مصلحت سے یا اولاد کی مصلحت سے عزل کی گنجائش ہے اور اس کی دلیل غیل (زمانہ حمل میں بچے کو پلایا جانے والا ماں کا دودھ) کی ممانعت کا ارادہ فرمانا ہے، یہ ارادہ بچے کی مصلحت کے پیش نظر تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ منع حمل کے رائج تین طریقے ہیں اور ان کے پیچھے کارگر تین نیتیں ہیں، پس جب تین کو تین میں ضرب دیں گے تو نو قسمیں ہوں گی، اور ان کے احکام مذکورہ تفصیل سے بآسانی نکالے جاسکیں گے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عزل کے سلسلہ میں چار روایتیں ہیں، دو حکم سے متعلق ہیں اور دو میں عزل کا مآل بیان کیا گیا ہے۔

پہلی حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جس زمانہ میں قرآن نازل ہو رہا تھا ہم عزل

کرتے تھے مگر نہ وحی جلی نے ہمیں روکا نہ وحی خفی نے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا جواز برقرار رکھا، گھروں میں پرائیوٹ زندگی میں جو عمل ہوتا ہے ضروری نہیں کہ وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے علم میں آئے، آپ عالم الغیب نہیں تھے، لیکن اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہیں، اگر صحابہ کا یہ عمل ناجائز ہوتا تو قرآن میں کوئی آیت نازل ہوتی یا کم از کم رسول اللہ ﷺ کو خبر دی جاتی اور آنحضرت ﷺ لوگوں کو منع کرتے، مگر کوئی ممانعت نازل نہیں ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے اس کے جواز کو برقرار رکھا ہے۔

دوسری حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت نبی کریم ﷺ کے سامنے عزل کا تذکرہ آیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "لم یفعل ذالك احد کم" یعنی تم میں سے کوئی یہ کام کیوں کرتا ہے؟ اس جملہ میں ناپسندیدگی کا اظہار ہے مگر آنحضرت ﷺ نے "لا یفعل" کوئی ایسا کام نہ کرے، نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا جو بھی نفس پیدا ہونے والا ہے وہ ہونے والا ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو عزل کے باوجود حمل قرار پائے گا، مثلاً اگر بچہ پیدا ہونا مقدر ہے تو جب آدمی انزال کے قریب عضو کو باہر نکالے گا تو چند قطرے اندر ٹپک جائیں گے اور حمل ٹھہر جائے گا، یا دل میں داعیہ پیدا ہوگا کہ آج تو اندر ہی فارغ ہو جاتے ہیں، اور اس طرح حمل قرار پا جائے گا۔

ان دونوں حدیثوں کے مجموعہ سے یہ حکم نکلتا ہے کہ عزل مطلقاً جائز نہیں بلکہ "لا باس بہ" گنجائش کے درجہ میں ہے اور جواز اس لئے ہے کہ عزل سے نظام تولید اور تولید پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے عزل کے باوجود حمل قرار پائے گا۔

سوال: جب عزل سے نظام تولید اور تولید پر اثر نہیں پڑتا تو عزل مطلقاً جائز ہونا چاہئے، "لا بأس بہ" کے درجہ میں کیوں ہے؟

جواب: اس کو سمجھنے کے لئے دوسری دو حدیثیں سمجھنی چاہئے۔

تیسری حدیث: صحابہ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم عزل کرتے ہیں اور یہود کہتے ہیں یہ "الموء دۃ الصغری" ہے یعنی بچہ کو کسی درجہ میں زندہ درگور کرنا ہے، حضرت رسول اللہ+ نے فرمایا: یہود جھوٹے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے عزل بچے کو نہیں روکے گا۔

چوتھی حدیث: مسلم شریف میں روایت ہے، کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے عزل کے

متعلق پوچھا گیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ذلك الواد الخفي" یہ چپکے سے بچے کو زندہ درگور کرنا ہے۔

تشریح: الواد: مصدر ہے اور مصدر معنی حدثی کا نام ہے، جس کا کوئی خارجی وجود نہیں ہوتا بس نفس الامر وجود ہوتا ہے اور "المؤدۃ" اسم مفعول ہے اور اس مفعول میں فاعل کا فعل مفعول پر واقع ہو چکا ہوتا ہے پس یہ وجود خارجی کا درجہ ہے، پس یہود کا عزل کو الموؤدۃ قرار دینا تو غلط ہے اس لئے کہ بچہ کا ابھی خارج میں وجود نہیں ہوا، پس عزل نہ "الموؤدۃ الصغری" ہے اور نہ "الموؤدۃ الکبری" البتہ معنی حدثی کے درجہ میں یہ ضرور بچے کو زندہ درگور کرنا ہے، یعنی عزل بچے کو زندہ درگور کرنے کی سعی ہے اس لئے عزل ناپسندیدہ ہے صرف "لا بأس بہ" (گنجائش) کے درجہ میں جائز ہے۔ (تحفۃ الالمعی: ۵۶۹/۳)

تنبیہ: عزل سے متعلق مزید تفصیل آخر باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

عزل کی قسمیں مع احکام

	طریقے	نیتیں	احکام
۱	قوت تولید ختم کرلینا	مسئلہ رزق کی وجہ سے	حرام اور ایمان کی کمزوری
۲	قوت تولید ختم کرلینا	خوش عیشی کے مقصد سے	حرام اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی
۳	قوت تولید ختم کرلینا	عورت یا بچہ کی مصلحت سے	حرام مگر بحالت اضطرار عورت میں گنجائش
۴	لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	مسئلہ رزق کی وجہ سے	حرام اور ایمان کی کمزوری
۵	لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	خوش عیشی کے مقصد سے	مکروہ تحریم اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی
۶	لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	عورت یا بچے کی مصلحت سے	برا مگر مجبوری میں گنجائش
۷	وقتی طور پر حمل روکنا	مسئلہ رزق کی وجہ سے	مکروہ اور ایمان کی کمزوری
۸	وقتی طور پر حمل روکنا	خوش عیشی کے مقصد سے	برا اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی
۹	وقتی طور پر حمل روکنا	عورت یا بچے کی مصلحت سے	گنجائش

عـــزل سے تقدیر نہیں بدلتی

{۳۰۳۴} **وَعَنْهُ** قَالَ اِنَّ رَجُلاً اَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً هِيَ خَادِمَتُنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَيْهَا وَاَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهُ سَيَأْتِيْهَا مَاقُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاهُ قَالَ اِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهُ سَيَأْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۶۵/۲، باب حکم العزل، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۳۹۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے اور ہماری خادمہ ہے، جس سے میں صحبت کرتا ہوں اور میں اس کا حاملہ ہونا پسند نہیں کرتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چاہو تو اس سے عزل کرلو؛ لیکن جو چیز اس سے پیدا ہونا مقدر ہو چکی ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی، کچھ مدت تک وہ شخص ٹھہرا رہا پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا بلا شبہ باندی تو حاملہ ہوگئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم کو بتا دیا تھا، کہ جو کچھ اس سے پیدا ہونا مقدر ہوگا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ عزل کی اجازت تو ہے، لیکن اس سے تقدیر کا لکھا نہیں ٹالا جاسکتا، جب بچہ پیدا ہونا ہوگا تو آدمی کتنی ہی احتیاطی تدابیر اختیار کرلے، اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کردیں گے کہ بچہ پیدا ہو جائے گا، مثلاً انزال کے قریب آدمی جب اپنا عضو نکالنے لگے گا تو چند قطرے اندر ٹپک جائیں گے، یا دل میں داعیہ پیدا ہو جائے گا کہ اندر ہی فارغ ہو جائیں، بس ایسا ہوتے ہی حمل ٹھہر جائے گا، اور ایک مدت کی احتیاطی تدابیر پر پانی پھر جائے گا۔

جاریۃ: باندی اور لونڈی مراد ہے، اس لئے اس کے بعد "خادمتنا" کے لفظ کا اضافہ فرمایا، تا کہ بیٹی یا کم سن لڑکی مراد نہ ہو، "انا اطوف علیھا" یہاں جماع کرنا مراد ہے، "اعزل عنھا" معلوم ہوا کہ باندی سے عزل کرنے میں اجازت لینا ضروری نہیں ہے، البتہ اگر باندی کسی کے نکاح میں ہے تو جمہور

علماء کے نزدیک اجازت ضروری ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ اجازت باندی کے آقا سے لی جائے گی، اور اس کی اجازت کافی ہے، صاحبین کہتے ہیں کہ باندی سے اجازت لی جائے۔ (مرقاۃ: ۶/۳۱۴)

باندیوں سے عزل کرنا

{۳۰۳۵} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَۃِ بَنِی الْمُصْطَلِقِ فَاَصَبْنَا سَبْیاً مِنْ سَبْیِ الْعَرَبِ فَاشْتَھَیْنَا النِّسَاءَ وَاشْتَدَّتْ عَلَیْنَا الْعُزْبَۃُ وَأَحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَاَرَدْنَا اَنْ نَعْزِلَ وَ قُلْنَا نَعْزِلُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ اَظْھُرِنَا قَبْلَ اَنْ نَسْأَلَہٗ فَسَأَلْنَاہُ عَنْ ذَالِکَ فَقَالَ مَا عَلَیْکُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوْا مَا مِنْ نَسَمَۃٍ کَائِنَۃٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اِلاَّ وَھِیَ کَائِنَۃٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۵۹۳/۲، باب غزوۃ بنی المصطلق، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۱۳۸، مسلم شریف: ۴۶۴/۱، باب حکم العزل، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۳۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ بنو مصطلق میں گئے عرب قیدیوں میں سے کچھ قیدی ہمیں حاصل ہوئے، تو ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی، اور مجرد رہنا ہمارے لئے دشوار ہوگیا، اور ہم نے عزل کرنا چاہا اور عزل کا پختہ ارادہ کرلیا؛ لیکن پھر ہم لوگوں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے سے قبل ہمارے لئے عزل درست نہیں ہے، چنانچہ ہم نے اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر عزل نہ کرو تو تمہارے اوپر کوئی مشکل نہیں، کیونکہ قیامت تک جس جان کا پیدا ہونا طے ہوچکا وہ پیدا ہوکر رہے گی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: عزل یہ ہے کہ آدمی وطی کے وقت جب انزال کا وقت آئے تو فوراً اپنے عضو کو

باہر کردے تاکہ حمل نہ ٹھہرے حضور ﷺ کے زمانہ میں زیادہ تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی نوبت باندیوں کے ساتھ پیش آتی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو حاجت ہوتی تھی صحبت کی دوسری طرف فدیہ کی یعنی باندی کی قیمت کی کہ بوقت ضرورت اس کو فروخت کرسکیں اور یہ فروخت کرکے اس کی قیمت حاصل کرنا اسی وقت ممکن ہے جب اس کے اس وطی سے بچہ پیدا نہ ہو کیونکہ ولادت کی صورت میں وہ باندی ام ولد بن جائے گی جس کی بیع جائز نہیں ہے۔

روایات عزل کی تشریح اور مذاہب ائمہ

اسکے بعد جاننا چاہئے کہ تقریباً سبھی روایات حدیثیہ سے عزل کا جواز لیکن غیر مفید ہونا ثابت ہوتا ہے، یہاں مشکوۃ شریف میں بھی جتنی روایات ہیں سب کا حاصل یہی ہے۔

صحیح بخاری میں عزل سے متعلق ایک مختصر سا باب ہے جس میں دو تین روایات ہیں "کنا نعزل والقرآن ینزل" کراہت یا منع کی کوئی روایت اس میں نہیں ہے، البتہ صحیح مسلم میں ایک روایت ہے یعنی حدیث جذامہ بنت وہب جس میں ہے، "ذلك الواد الخفي" جس کی وجہ سے دو دشواریاں پیدا ہوگئیں ایک حکم عزل کے بارے میں اس لئے کہ حدیث جدامہ کا مقتضی یہ ہے کہ وہ ممنوع ہے جب کہ دوسری تمام روایات سے اباحت مستفاد ہوتی ہے۔

دوسری یہ کہ یہ روایت ہے "کذبت یهود" کے خلاف ہے یہود بھی تو یہی کہتے تھے کہ عزل واد ہے، اس اشکال ثانی کا جواب حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ الواد الخفی کا مطلب یہ ہے کہ "ان العزل نوع من الوأدای صورة ولیس بواد حقیقیا" بلکہ وہ وأد ہے من وجہ یعنی قصداً وطی کے لحاظ سے جو یہ چاہتا ہے کہ استقرار حمل نہ ہو، بخلاف یہود کے کہ وہ اس کو وأد حقیقی مانتے تھے لیکن واد صغیر یعنی وہ بالجزم یہ کہتے تھے کہ اس میں قطع نسل ہے، آپ نے اس کی تردید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اگر اس وطی سے پیدا فرمانا چاہیں گے تو وہ یقینا پیدا ہوگا، لہٰذا اثبات ونفی کا تعلق شئی واحد سے نہیں ہے تاکہ اس کو تعارض کہا جائے۔

اور اباحت ومنع کا جو تعارض ہے اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں، "قال البیهقی النهی محمول

علی التنزیہ لا علی التحریم واحادیث الجواز علی نفی التحریم، ومنھم من رجح روایۃ المنع کابن حزم کما ھو مسلکہ وبعضھم بعکس ذلک"

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عزل کے حکم میں فقہا کے مابین یہ تفصیل ہے۔

عند الجمہور والائمہ الثلاثہ حرہ کے ساتھ عزل کرنا بغیر اس کی اجازت کے مکروہ ہے اور شافعیہ کے نزدیک دو روایتیں ہیں کراہت اور عدم کراہت وھو راجح عند المتاخرین اور اگر عورت امۃ ہو تو اگر اپنی مملوکہ ہے تب تو اس کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے مطلقاً ولو بغیر الاذن اور اگر امۃ مزوجہ ہے تو وہ حکم میں حرہ کے ہے، لہٰذا عند الجمہور والائمہ الثلاثہ بغیر اذن کے مکروہ ہے اور اس میں معتبر اذن سید ہے "عند الائمہ الثلاثہ علی الراجح عندھم وعند الصاحبین المعتبر اذن الامۃ" اور ابن حزم ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ عزل مطلقاً حرام ہے خواہ حرہ یا امہ۔ (من الاوجز)

فاصبنا سبایا من سبی العرب: راوی فرمارہے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ بنو المصطلق کے ساتھ غزوہ کیا اور اس غزوہ میں بہت سے عرب قیدیوں کو قید کیا۔

استرقاق العرب کا مسئلہ

اس پر شراح لکھ رہے ہیں کہ بنو المصطلق خالص عرب تھے پس اس سے معلوم ہوا کہ عرب کو جنگ میں قید کرنا جائز ہے، جس طرح عجمیوں کو قید کرنا جائز ہے، جیسا کہ جمہور علماء کا مذہب ہے بخلاف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کہ ان کے نزدیک استرقاق عرب جائز نہیں، اس کا جواب بذل المجہود میں یہ دیا ہے، کہ مسئلہ یہ ہے حنفیہ کے نزدیک رجال عرب کو قید کرنا جائز نہیں، نساء وصبیان کو قید کرنا جائز ہے، اور سیاق حدیث نساء ہی سے متعلق ہے۔ (الدر المنضود: ۴/۷۴)

اشکال مع جواب

اشکال یہ ہے کہ ان مشرک باندیوں سے جو قید کی گئی تھیں نکاح کیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا جبکہ مشرک سے نکاح جائز نہیں ہے طاؤس کے نزدیک اُن سے نکاح جائز ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال

کرتے ہیں لیکن جمہور کے نزدیک یہ چونکہ جائز نہیں ہے، لہٰذا اس حدیث کو منسوخ مانتے ہیں۔

بچے کی پیدائش اللہ کی مشیت پر موقوف ہے

{۳۰۳۶} **وَعَنْهُ** قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَاءِ الْوَلَدُ إِذَا اَرَادَ اللّٰهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ. (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۶۴، باب حکم العزل، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۳۸۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہر پانی سے بچہ نہیں پیدا ہوتا، اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو کوئی چیز اس کو روک نہیں پاسکتی ہے۔ (مسلم)

تشریح: بچہ کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، جب اللہ چاہیں گے تب ہی پیدا ہوگا، آدمی چاہے جتنی کوشش کرلے، اگر اللہ تعالیٰ کی منشا نہ ہوگی تو ولادت نہ ہوگی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاد مقدر ہوگی تو ضبط ولادت کے چاہے جتنے طریقے آزمالے بچہ پیدا ہو کر رہے گا۔ بچہ کی پیدائش کا سبب اللہ نے مادر رحم میں منی کے پہنچنے کو بنایا ہے، لہٰذا جب اللہ کو اولاد دینا منظور ہوتا ہے تو کسی نہ کسی طرح مادر رحم تک منی پہنچ ہی جاتی ہے، مقصد یہ ہے کہ عزل نہ کرنا ہی بہتر ہے اس لئے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے البتہ حسن نیت سے تسکین خاطر کے لئے کرنا جائز ہے۔ باقی تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔

اشکال مع جواب

عن العزل: عزل کے جواز وعدم جواز کے بارے میں سوال کیا بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سوال کے مطابق نہیں لگتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب پورے طور پر سوال کے مطابق ہے اسلئے کہ سوال سائل کے ذہن میں اس لئے آیا کہ ان کے خیال میں ولادت کا سبب منی کا رحم

میں صرف پہنچنا تھا، اور عزل کرنا ولادت کو منقطع کرنے کا ذریعہ تھا، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے جواب میں ان کے خیال کی اصلاح فرمائی کہ عزل سے بچہ کی ولادت بالیقین منقطع ہو جائے ایسا نہیں ہے، ممکن ہے کہ عزل کے باوجود منی کا کوئی قطرہ مادر رحم تک پہنچ جائے اور وہ حاملہ ہو جائے، اس میں سائل کا جواب بھی ہو گیا کہ عزل نہ کرنا بہتر ہے۔

حمل سے دودھ کو کوئی نقصان نہیں

{۳۰۳۷} **وَعَنْ** سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْزِلُ عَنْ اِمْرَأَتِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَ تَفْعَلُ ذَالِكَ فَقَالَ الرَّجُلُ اَشْفِقُ عَلٰى وَلَدِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ ذَالِكَ ضَارًّا ضَرَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۶۶، باب جواز الغیلۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۴۳۔

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ بیشک میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں، حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں اس کے بچہ پر شفقت کرتا ہوں، حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر یہ نقصان دہ ہوتا تو فارس اور روم والوں کو بھی نقصان پہنچاتا۔ (مسلم)

تشریح: حسن نیت سے عزل کرنا عذر کے وقت درست ہے، اگر ماہر طبیب عورت کو یہ بتائے کہ ایام حمل میں شیر خوار بچہ کو دودھ پلانا نقصان دہ ہے تو شیر خوار بچہ کے حق میں رعایت کرتے ہوئے اس کے رضاعت کے دوران حمل نہ ٹھہرے اس غرض سے عزل جائز ہے، روم وفارس والے ایام رضاعت میں جماع کرتے تھے اور انکی بیویاں حالت حمل میں بچوں کو دودھ پلاتی تھیں، اسی کو مثال میں پیش کر کے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ حالت حمل میں دودھ پلانا نقصان نہیں پہنچاتا لیکن اگر مخصوص

حالات میں ماہر حکیم کسی عورت کے لئے فیصلہ کردے کہ اس کے حق میں حاملہ ہو کر بچہ کو دودھ نقصان دہ ہے تو اس کا شوہر اس سے عزل کرسکتا ہے، اسی طرح اگر حمل کی وجہ سے دودھ کم ہونے کا امکان ہے یا مختصر وقفہ کی وجہ سے بچوں کی اچھی تربیت نہ ہو پانے کا خطرہ ہے یا عورت کی صحت کا خطرہ ہے تو عزل جائز ہے۔

عزل بچے کو مارنے کی کوشش ہے

{۳۰۳۸} **وَعَنْ** جَذَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہاَ قَالَتْ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی اُنَاسٍ وَھُوَ یَقُوْلُ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اَنْھٰی عَنِ الْغَیْلَۃِ فَنَظَرْتُ فِی الرُّوْمِ وَفاَرِسَ فَاِذَا ھُمْ یُغِیْلُوْنَ اَوْلاَدَھُمْ فَلاَ یَضُرُّ اَوْلاَدَھُمْ ذَالِكَ شَیْئاً ثُمَّ سَأَلُوْہُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَالِكَ الْوَأْدُ الْخَفِیُّ وَھِیَ وَاِذَا الْمَوْؤُدَۃُ سُئِلَتْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۶۶، باب جواز الغیلۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۴۲۔

ترجمہ: حضرت جذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں چندلوگوں کی موجودگی میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے: کہ میں نے لوگوں کو "غیلہ" کرنے سے روکنے کا ارادہ کرلیا؛ لیکن پھر میں نے روم وفارس کے لوگوں کو اپنی اولاد کی موجودگی میں غیلہ کرتے ہوئے دیکھا، اور یہ دیکھا کہ اس سے ان کی اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے (تو میں اپنے ارادہ سے باز رہا) پھر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں دریافت کیا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ چپکے سے بچے کو زندہ درگور کرنا ہے، اور یہ بات جس کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے: "واذا الموؤدۃ سئلت" زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے سوال ہوگا۔

تشریح: زمانہ حمل میں بچہ کو دودھ پلانا بچہ کی صحت کے لئے مضر ہے، یہ بات پہلے مشہور تھی، لہٰذا اس شہرت کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں پر شفقت کی غرض سے زمانہ حمل میں دودھ پلانے سے منع کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں یہ بات آئی کہ زمانہ حمل میں

دودھ پلانا بچوں کے حق میں مضر نہیں ہے، تو آنحضرت ﷺ نے منع نہیں فرمایا، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زمانہ حمل میں عزل کرنے کے بارے میں پوچھنے پر بھی اس سے اشارۃً روکا ہے، اور اس حدیث میں تو عزل سے صراحتاً منع کیا گیا ہے اور اس کو گناہ قرار دیا گیا ہے لیکن اگر طبی نقطہ نظر سے حمل ٹھہرنا بچہ کے یا ماں کے حق میں مضر ہے تو نیت صحیحہ کے ساتھ عزل کرنے کی گنجائش ہے۔ یہاں جو ممانعت ہے اس سے مراد نیت فاسدہ سے عزل کرنا ہے۔

الغیلة: اس کے دو معنی نقل ہوئے ہیں (۱) ایام حمل میں بچہ کو دودھ پلانا (۲) ایام رضاعت میں جماع کرنا آنحضرت ﷺ نے ارادہ کیا تھا کہ ایام حمل میں بچوں کو دودھ پلانے سے منع کر دیں، یا پھر ایام رضاعت میں شوہروں کو بیویوں سے جماع کرنے سے روک دیں، لیکن جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ رومی اور فارسی لوگ یہ عمل انجام دیتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کی صحت متأثر نہیں ہوتی ہے تو آنحضرت ﷺ نے منع نہیں کیا۔

الواد الخفی: وأد کی دو قسمیں ہیں وأد جلی، وأد خفی اول کا مطلب ہے کہ حقیقۃً زندہ درگور کر دیا جائے اور ثانی کا مطلب ہے کہ عزل کیا جائے کیونکہ جیسے پہلے کے اندر افناء ہوتا ہے ایسے ہی ثانی کے اندر بھی افناء ہوتا ہے "اذا الموؤدة سئلت" میں "ھی" کی ضمیر راجع ہے اس فعل شنیع کی طرف جو اس کلام سے سمجھ میں آتا ہے "ای الفعلة الشنیعة" اب اس حدیث پر اعتراض وارد ہوگا کہ اس سے تو معلوم ہوا کہ عزل وأد ہے اور ایک روایت کے اندر ہے حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ یہود کہتے ہیں کہ عزل مؤدۃ صغری ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کذبت یعنی یہود جھوٹ بولتے ہیں اب دونوں کے اندر تعارض ہوگیا، بعض نے کہا کہ ابوسعید والی روایت راجح ہے، بعض نے کہا کہ وہ سنن کی روایت ہے اور حضرت جذامہ کی روایت ہے صحیح کی روایت لہٰذا راجح ہوگی بعض نے یہ جمع کیا کہ جب آنحضرت ﷺ اہل کتاب کی موافقت کرتے تھے تب کا واقعہ ہے اور ابوسعید رضی اللہ عنہ والی روایت اس وقت پر محمول ہے جب کہ آنحضرت ﷺ نے ان کی موافقت ترک فرمادی تھی۔ (مرقاۃ: ۶/۳۱۸)

بیوی کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر کرنے پر وعید

{۳۰۳۹} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَمَانَةِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَفِیْ رِوَایَةٍ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ الرَّجُلُ یُفْضِیْ اِلٰی امْرَأَتِہٖ وَتُفْضِیْ اِلَیْہِ ثُمَّ یُنْشِرُ سِرَّھَا ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۶۴، باب تحریم افشاء سر المرأة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۳۷۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بڑی امانت، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رتبہ کے اعتبار سے قیامت کے دن سب سے برا وہ مرد ہے جو اپنی بیوی سے صحبت کرے اور اس کی بیوی اس سے ملاقات کرے، پھر یہ شخص بیوی کے بھید کو فاش کردے۔ (مسلم)

تشریح: زوجین کا خلوت کی باتیں دوسروں سے بیان کرنا نہایت قبیح عمل ہے جو شخص اس گناہ کبیرہ کو انجام دے گا، قیامت کے دن بہت ذلیل ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اس پر سخت مواخذہ فرمائیں گے۔

ان اعظم الامانۃ: شوہر اور بیوی کے جنسی معاملات کو راز میں رکھنا یہ بڑی امانت ہے، جو بھی اس کو فاش کریگا وہ بہت بڑی خیانت کا مرتکب ہوگا، "ان من شر الناس" اپنی بیوی سے جو راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں اس کا لوگوں کے سامنے ذکر کرنا بہت بڑی بے حیائی ہے، اسی طرح بیوی کے احوال کو ذکر کرنا بھی مذموم ہے، جو شخص یہ کام کریگا اللہ کی نگاہ میں مبغوض ہوگا، صاحب مرقات نے لکھا ہے کہ ایک ادیب نے لوگوں سے کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو اس سے پوچھا گیا کہ کیوں طلاق دے گا؟ ادیب نے کہا کہ میں اپنی بیوی کا عیب کیسے بیان کروں، جب اس نے طلاق دے دی تو لوگوں نے کہا کہ تم نے کیوں طلاق دی ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں ایک اجنبیہ کا عیب کیسے بیان کروں؟ یہ

کمال احتیاط ہے کہ آدمی عیب گیری سے زبان کو روکے رکھے، اگر کوئی ضرورت کے وقت افشاء راز کررہا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً عورت دعوی کرتی ہے کہ اس کا شوہر جماع پر قادر نہیں ہے، یا اور کوئی الزام لگائے تو مرد کے لئے اپنے دفاع میں خلوت کی باتیں ذکر کرنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لایحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم" اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں کہ کسی بری بات کو علی الاعلان بیان کیا جائے لیکن جس پر ظلم ہوا ہے وہ بیان کرسکتا ہے۔ (مرقاۃ:۶/۲۳۹)

{الفصل الثانی}

بدفعلی کی ممانعت

{۳۰۴۰} **عَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا قَالَ اُوْحِیَ اِلیٰ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِسَائُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَأْتُوْا حَرْثَکُمْ الآیَۃَ اَقْبِلْ وَاَدْبِرْ وَاتَّقِ الدُّبُرَ وَالْحَیْضَۃَ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۲۷، باب ومن سورۃ البقرۃ، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۲۹۸۰، ابن ماجہ شریف: ۱۳۸، باب النھی عن اتیان النساء فی ادبارھن، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۹۲۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی، "نسائکم حرث لکم" تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تو آؤ تم اپنی کھیتیوں میں الخ، لہٰذا اگلے مقام میں آگے سے آؤ، پیچھے سے آؤ، لیکن پچھلے مقام میں جماع کرنے سے اور ایام حیض میں جماع کرنے سے بچو۔ (ترمذی ابن ماجہ)

تشریح: بیوی اور باندی سے جماع صرف ان کی اگلی شرمگاہ میں جائز ہے، پچھلی شرمگاہ میں دخول قطعی حرام ہے، اور یہ لواطت کے حکم میں ہے اس عمل کو انجام دینے والا ملعون ہے، البتہ اگلے

مقام میں جماع کرنے کی صورت میں شریعت نے اس کی رخصت دی ہے کہ مرد پیچھے کی جانب سے آگے کی جانب سے بیٹھ کر لیٹ کر ہر طرح جماع کرسکتا ہے، جس طرح پیچھے کے مقام میں جماع حرام ہے اسی طرح ایام حیض میں اگلے مقام میں دخول حرام ہے، اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

واتی الدبر: مرد یا عورت کے پچھلے مقام میں وطی کرنا بہت قبیح عمل ہے، حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہ قوم کفر وشرک کے ساتھ اس غلیظ ترین غیر فطری حرکت کی بھی عادی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بدترین عذاب سے دوچار کیا، اللہ کے حکم سے فرشتے اس قوم کی بستیوں کو زمین سے اٹھا کر لے گئے اور اوندھا کر کے پٹخ دیا اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی، سورہ اعراف میں اور دیگر مقامات پر اس کا ذکر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ: "ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون من عمل عمل قوم لوط" ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، بعض لوگ اپنی بیویوں سے بدفعلی کرتے ہیں یہ بھی قطعی طور پر حرام ہے، ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "لا ینظر اللہ عزوجل الی رجل اتی رجلا او امرأۃ فی دبرھا" اس شخص کی طرف اللہ تعالیٰ نگاہ رحمت نہیں کریں گے جو شخص کسی مرد یا عورت کے ساتھ بدفعلی کرے گا، اس قبیح فعل کی کوئی مقررہ سزا تو نہیں ہے، لیکن اس کو سخت ترین سزا دی جائے گی، چنانچہ اس سزا کے حوالے سے آگ میں جلانا، دیوار گرا کر کچل دینا تلوار سے قتل کردینا وغیرہ سزائیں منقول ہیں، حاکم جو مناسب سزا سمجھے گا دے گا۔

والحیضۃ: ایام حیض میں بھی صحبت حرام ہے، اس پر سخت وعید ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ "من اتی حائضا او امراۃ فی دبرھا او کاھنا فصدقہ فقد کفر بما انزل اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم" جو شخص ایام حیض میں بیوی سے صحبت یا اس کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے، یا کسی کاہن کے پاس جاتا ہے، اور اس کی خبر کی تصدیق کرتا ہے، تو وہ اس دین کا انکار کرتا ہے، جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے، معلوم ہوا کہ حالت حیض میں جماع حرام ہے، اگر کوئی شخص غلبہ شہوت کی بنا پر اس حرام فعل کا مرتکب ہوگیا تو اس کو خوب توبہ کرنا چاہئے اور کچھ صدقہ وخیرات کرنا چاہئے۔ (مرقاۃ: ۶/۳۲۰)

بدفعلی حرام ہے

{۳۰۴۱} **وَعَنْ** خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لاَ يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ لَاتَأْتُوا النِّسَاءَ فِي اَدْبَارِهِنَّ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والدارمی)

حوالہ: مسند احمد: ۲۱۳/۵، ترمذی شریف: ۲۲۰/۱، باب ماجاء فی کراھیۃ اتیان النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۶۴، ابن ماجہ شریف: ۱۳۸، باب النھی عن اتیان النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۹۲۴، دارمی: ۱۹۶/۲، باب النھی عن اتیان النساء کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۱۳۔

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ حق کہنے میں شرم نہیں کرتا ہے، تم لوگ عورتوں سے ان کے پیچھے مقام میں صحبت مت کرو۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: اس حدیث میں اپنی بیویوں سے ان کے پیچھے مقام میں جماع کرنے کی ممانعت ہے، یہ بہت بڑا گناہ ہے یہیں سے مردوں اور لڑکوں کیساتھ بدفعلی کرنے والوں کے گناہ کی شدت کا علم ہوتا ہے، اور ان کا ملعون ومبغوض ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ان اللّٰہ لا یستحی: مطلب یہ ہے کہ بات اگرچہ شرم والی ہے، لیکن حق ہے، اور اللہ تعالیٰ اظہار حق کو ترک نہیں فرماتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت مبالغہ کی بناء پر کی ہے۔ "لاتأتو النساء" اگر کوئی شخص اپنی باندی یا بیوی سے بدفعلی کرتا ہے تو اگرچہ یہ گناہ ہے لیکن اس جرم میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ سزادی جائے گی لیکن اگر اجنبی سے کیا ہے پھر دونوں کو سزادی جائے گی۔

بد فعلی کرنے والا ملعون ہے

{۳۰۴۲} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتیٰ اِمْرَأَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: احمد: ۲/۴۴۴، ابوداؤد شریف: ۱/۲۹۴، باب فی جامع النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۶۲

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ وہ شخص ملعون ہے جس نے اپنی بیوی سے اس کی پچھلی شرمگاہ میں صحبت کی۔ (احمد، ابوداود)

تشریح: امرأته: اپنی بیوی سے جماع حلال ہے، اس کے باوجود پچھلے مقام میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے والا ملعون ہے، ایسے میں کیسی عبرت ناک سزا ہوگی، ان لوگوں کی جو مردوں سے اس غلیظ حرکت کو انجام دیتے ہیں۔

بد فعلی کرنے والا نظر کرم سے محروم

{۳۰۴۳} **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الَّذِیْ يَأْتِیْ امْرَأَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا لَا يَنْظُرُ اللهُ اِلَيْهِ ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

حوالہ: بغوی فی شرح السنۃ: ۱/۱۰۷، باب العزل، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بے شک جو آدمی اپنی بیوی سے اس کی دبر میں صحبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف نگاہ کرم نہیں فرماتے ہیں۔ (شرح السنہ)

تشریح: چوں کہ پچھلے مقام میں صحبت کرنا بد فعلی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، اس عمل کی عادی قوم پر عذاب نازل کیا ہے، لہٰذا جو بھی اس عمل بد کو انجام دیتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ

008

شفقت کی نگاہ پھیر لیتے ہیں۔

لا ینظر اللہ الیہ: بدفعلی مطلقاً حرام ہے خواہ مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ، خواہ اجنبی عورت کے ساتھ ہو یا اپنی بیوی کے ساتھ، بہرصورت اس عمل بد سے اللہ تعالیٰ کا غصہ شدید ہو جاتا ہے، اور اس عمل کو انجام دینے والا نظر کرم سے محروم ہو جاتا ہے۔

نظر شفقت سے محرومی

{۳۰۴۴} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللهُ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلاً اَوِ امْرَأَةً فِى الدُّبُرِ۔

(رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۲۰، باب ما جاء فی کراھیۃ اتیان النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۶۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف نہیں دیکھتے جو کسی مرد یا عورت کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے۔ (ترمذی)

تشریح: اتی رجلا: پچھلے مقام میں صحبت کرنے کا عمل سب سے پہلے قوم لوط نے انجام دیا، اسی بنا پر اس بدفعلی کو لواطت کہا جاتا ہے، اور جو شخص یہ خلاف فطرت عمل انجام دیتا ہے، اس کو لوطی کہا جاتا ہے، جیسا کہ ماقبل میں یہ بات گذری کہ لواطت مطلقاً حرام ہے، اپنی بیوی کے ساتھ حرام ہے، اور اجنبی مرد وعورت کے ساتھ بھی حرام ہے، لیکن اجنبی کے مقابلہ میں بیوی کے ساتھ کرنے میں سزا کم ہے، اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو جو سزا دی تھی اس کے بعض حصہ کا اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا "وامطرنا علیھم مطرا" ہم نے ان پر ایک خاص قسم کی بارش برسائی، یعنی پتھر برسائے، اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ کہتے ہیں کہ لوطی پر دیوار گرانے یا بلند مقام سے نیچے پھینکنے کی سزا جائز ہے۔

ہم جنسی کی لعنت

آج کا بے حیا معاشرہ شرم وحیا سے عاری ہو کر انسان ہونے کے باوجود اپنے آپ کو رذیل جانوروں کی صف میں کھڑا کر چکا ہے۔ ہم جنسی یعنی مردوں کا مردوں سے اور عورتوں کا عورتوں سے خواہشات پوری کرنے کا عمل وہ منحوس اور بدترین جرم ہے جس کا دنیا میں سب سے پہلے قوم لوط نے ارتکاب کیا۔ جس کی وجہ سے اس قوم کو دنیا ہی میں ایسا بھیانک عذاب دیا گیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، ان کی بستیوں کو الٹ کر انہیں پتھروں سے سنگسار کیا گیا اور جس جگہ یہ بستیاں الٹی گئیں، وہاں ''بحر مردار'' کے نام سے ایسی جھیل بن گئی، جس میں اب تک بھی کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہتی۔ (معارف القرآن)

اس منحوس عمل کی شریعت میں نہایت سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ان من اخوف ما اخاف علی أمتی او علی ھذہ الأمۃ عمل قوم لوط'' (شعب الایمان: ۴/۵۳۴)

ان بدترین چیزوں میں جن کا مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خطرہ ہے قوم لوط کا عمل ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب دو مرد ایسا کام کریں تو دونوں کو قتل کر دیا جائے یعنی ان پر زنا کی حد جاری کی جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کی سزا کے بارے میں فرمایا: کہ اسے شہر کی سب سے اونچی عمارت سے گرا کر پتھروں سے سنگسار کر دیا جائے۔ (شعب الایمان: ۴/۳۵۷)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہوں نے عرب کے بعض قبائل میں ایک ایسا شخص دیکھا ہے جس کے ساتھ عورتوں کی طرح نکاح کیا جاتا ہے۔ (یعنی ہم جنسی کی جاتی ہے) جب یہ خط حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا

اور مشورہ فرمایا: کہ ایسے شخص کو کیا سزا دی جائے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ یہ ایسا جرم ہے جس کا صرف ایک امت یعنی قوم لوط نے ارتکاب کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی سزا دی جو آپ جانتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو آگ میں جلا دیا جائے۔ چنانچہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے بھی اس سے متفق ہوگئی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مذکورہ شخص کو جلا دینے کا حکم دے دیا۔ (شعب الایمان: ۴/۳۵۷)

حماد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو دو مرتبہ سنگسار کرنا مناسب ہوتا تو لواطت کرنے والے کو دو مرتبہ سنگسار کیا جاتا۔ (حوالہ بالا: ۴/۳۵۷)

مشہور محدث محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ جانوروں میں سے بھی سوائے گدھے اور خنزیر کے کوئی جانور قوم لوط والا عمل نہیں کرتا۔ (تفسیر درمنثور: ۳/۱۸۷)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر یہ منحوس عمل کرنے والا شخص آسمان وزمین کے ہر قطرے سے بھی نہالے پھر بھی (باطنی طور پر) ناپاک ہی رہے گا۔ (شعب الایمان: ۴/۳۵۹)

خوبصورت لڑکوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا موجب فتنہ

ہم جنسی سے بچنے کے لئے وہ تمام دروازے بند کرنے ضروری ہیں جو اس منحوس عمل تک پہنچاتے ہیں، بے ریش نوعمر بچوں کے ساتھ اختلاط سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے، بعض تابعین کا قول ہے کہ دیندار عبادت گذار نوجوانوں کے لئے پھاڑ کھانے والے درندے سے بھی بڑا دشمن اور نقصان دہ، وہ امرد لڑکا ہے جو اس کے پاس آتا جاتا ہے۔

حسن بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ

مالداروں کے بچوں کے ساتھ زیادہ اٹھنا بیٹھنا نہ کرو، اس لئے کہ ان کی صورتیں عورتوں کی طرح ہوتی ہیں اور ان کا فتنہ کنواری عورتوں سے زیادہ سنگین ہے۔ (شعب الایمان: ۴/۳۵۸) کیونکہ عورتیں تو کسی صورت میں حلال ہوسکتی ہیں لیکن لڑکوں میں حلت کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ حمام میں داخل ہوئے تو وہاں ایک خوبصورت لڑکا بھی آ گیا تو آپ نے فرمایا: کہ اسے باہر نکالو، کیونکہ عورت کے ساتھ تو ایک شیطان ہوتا ہے اور لڑکوں کے ساتھ دس سے زائد شیطان ہوتے ہیں۔ (شعب الایمان: ۳۶۰ / ۴)

ہم جنس پرستوں اور لواطت کرنے والوں کا دنیا میں خوفناک انجام

یہ گندی عادت دراصل ایمانی کمزوری کا نتیجہ ہے اور مذہبی مانع نہ ہونا اس کا سبب ہے، کیونکہ ایمان کی وجہ سے ایک صاحب ایمان پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ شریعت کی اتباع کرے۔ قرآنِ کریم نے مومنین کی جن صفات کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک شرمگاہ کی حفاظت بھی ہے، جیسے فرمایا: "وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ" (سورۃ معارج: ۲۹) [اور جو اپنی شرمگاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں۔] (آسان ترجمہ) اس سے قبل کہ ہم اس واقعہ کو ختم کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس گناہ کی وجہ سے انسانی صحت پر پڑنے والے برے اثرات ونقصانات بیان کر دیئے جائیں۔

(۱)......عورت سے مرد کی رغبت کا ختم ہو جانا۔ کیونکہ اس بری خصلت سے لوطی کی مردانہ قوت خرچ ہوتی ہے، پھر اس کا عمل مباشرت قیمتی خزانہ کو برباد کر دینے کے بعد معطل اور بیکار ہو جاتا ہے، صرف یہی نقصان نہیں ہوتا بلکہ وہ مرد کمزور ہو کر وظیفۂ زوجیت سے بھی بے بس ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ بیوی کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

(۲)......اعصابی امراض میں مبتلا ہونا۔ ایسے شخص کا شعور بدل جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ مرد بننے کے لئے پیدا نہیں ہوا، اس لئے وہ اپنے ہم جنس کی طرف میلان اور رغبت رکھتا ہے، اور وہ ہر وقت گندے خیالات میں مبتلا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ چال چلن وغیرہ میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ اس مرض کی وجہ سے ان کی زندگی کا لطف ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور انسانی مردانگی کی ساری صفات سلب ہو جاتی ہیں۔

(۳)......دماغی توازن کا خلل انداز ہونا، فکری اضطراب اور قوت ارادی کا کمزور ہونا۔

(۴)......اس فعل بد کی وجہ سے مرض سویداء کا پیدا ہونا۔

(۵)......لوطی کا سیر نہ ہونا۔ وہ جنسی عمل سے سیر نہیں ہوتا۔ اور وہ رشتہ داری کو بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ اس میں طبعی میلان نہیں پایا جاتا۔

(۶)......اس کے عضلات کا ڈھیلا ہونا۔ اس کے بعد اجزا ٹوٹنا اور گرنا، اور براز پر قدرت نہ پایا جانا اور اس کو نہ روک سکنا حتی کہ بلا ارادہ اس سے مادہ نکلنا۔

(۷)......لوطی کا اخلاق سے گرنا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے شخص میں مروت، مردانگی اور خود داری وغیرہ نہیں ہوتی۔ ایسا انسان بد اخلاق، کم ہمت، بے ضمیر اور قوت ارادی سے معدوم ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ وہ دین و اخلاق سے تہی دست، خدا سے دور اور شیطان کے قریب ہوتا ہے۔

(۸)......لوطی شخص کی صحت عام طور پر کمزور ہوتی جاتی ہے اور وہ مختلف امراض اور تکلیفوں میں مبتلا رہتا ہے۔

(۹)......لوطی کا نظام تناسل متاثر ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ اس میں بانجھ پن پیدا ہو جاتا ہے اور پھر وہ صاحب اولاد نہیں ہو سکتا۔

(۱۰)......اب جدید سائنس نے اس جنسی بے ضابطگی کا جو برا اثر بتایا ہے وہ ایک ایسی خطرناک صورت ہے جو ہر لوطی اور فطرت سلیمہ سے منحرف شخص کے لئے خطرہ کا باعث ہے، یعنی ایڈز کا مرض۔ جو دراصل معاشرہ میں بے حیائی کے پھیلاؤ کا نتیجہ ہے۔ اس مرض کو رسول کریم ﷺ کی صداقت پر ایک نئی دلیل شمار کیا گیا ہے، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے: ”جس قوم میں بے حیائی پھیل جائے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسے امراض میں مبتلا کر دیتے ہیں جو امراض ان سے پہلے لوگوں میں نہیں ہوں گے۔“ آنحضرت ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔

اس لواطت کی اور بھی صورتیں ہو سکتی ہیں، جیسے عورت کا عورت سے برا عمل کرنا، جانوروں سے برا عمل کرانا، مرد کا مشت زنی کرنا وغیرہ۔ اس کے علاوہ گمراہوں اور بدکاروں نے اس جنسی بے ضابطگی کے طریقے ایجاد کئے ہوئے ہیں۔ ان تمام بری صورتوں کا منشاء ایک ہی ہے۔ یہ سب لوگ گناہ میں شریک ہیں، کیونکہ ایسے تمام لوگ طبیعت سلیمہ اور اپنے رب کے راستہ سے منحرف ہیں۔

قوم لوط کا عبرتناک انجام

اللہ کے فرشتے جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام حضرت لوط علیہ السلام کے مکان پر انسانوں اور خوبصورت لڑکوں کی شکل میں پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی انتہا کو پہنچ گئی کہ اگر قوم والوں کے ہاتھ یہ لگ گئے تو ان کی بڑی بے عزتی ہوگی۔ان کے بیٹے نے گھر آکر والد صاحب سے ذکر کیا کہ شہر کے دروازے پر چند پردیسی نوعمر لوگ ہیں ان جیسے میں نے تو آج تک نہیں دیکھے۔جاؤ اور انہیں ٹھہراؤ ورنہ قوم والے انہیں ستائیں گے۔اس بستی کے لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہہ رکھا تھا کہ دیکھو کسی باہر والے کو تم اپنے ہاں ٹھہرایا نہ کرو ہم آپ سب کچھ کرلیا کریں گے۔آپ نے جب یہ حالت سنی تو جا کر چپکے سے انہیں اپنے گھر لے آئے۔کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔مگر آپ کی بیوی جو قوم سے ملی ہوئی تھی اسی کے ذریعہ بات پھوٹ نکلی۔

اب کیا تھا قوم کے لوگ دوڑے بھاگے آگئے،جسے دیکھو خوشیاں مناتا جلدی جلدی لپکتا چلا آتا ہے،ان کی تو یہ جو خصلت ہوگئی تھی،اس سیاہ کاری کی تو گویا انہوں نے عادت بنالی تھی۔اس وقت اللہ تعالیٰ کے نبی انہیں نصیحت کرنے لگے کہ تم اس بدخصلت کو چھوڑو۔اپنی خواہشیں عورتوں سے پوری کرو۔"بَنَاتِیْ" (سورۂ ھود:۷۸)[یہ میری بیٹیاں موجود ہیں۔](آسان ترجمہ) یعنی میری لڑکیاں،اس لئے فرمایا:کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی امت کا گویا باپ ہوتا ہے۔قرآن کریم کی اور آیت میں ہے کہ اس وقت انہوں نے کہا تھا کہ ہم تو پہلے ہی آپ کو منع کرچکے تھے کہ کسی کو اپنے ہاں نہ ٹھہرایا کرو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں سمجھایا اور دنیا وآخرت کی بھلائی انہیں سمجھائی اور کہا:کہ عورتیں ہی اس بات کے لئے موزوں ہیں ان سے نکاح کرکے اپنی خواہش پوری کرنا ہی پاک کام ہے۔حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ نے اپنی لڑکیوں کی نسبت یہ فرمایا تھا،نہیں بلکہ نبی اپنی پوری امت کا گویا باپ ہوتا ہے۔حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔

امام ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے عورتوں سے بے نکاح ملاپ کرنے کو فرمایا ہو۔نہیں مطلب آپ کا ان سے نکاح کرلینے کے حکم کا تھا۔فرماتے ہیں اللہ

تعالیٰ سے ڈرو میرا کہا مانو، عورتوں کی طرف رغبت کرو۔ ان سے نکاح کر کے حاجت روائی کرو۔ مردوں کی طرف اس رغبت سے نہ آؤ۔ اور خصوصاً یہ تو میرے مہمان ہیں۔ میری عزت کا خیال کرو، کیا تم میں ایک بھی سمجھدار نیک راہ یافتہ بھلا آدمی نہیں؟ اس کے جواب میں ان سرکشوں نے کہا: کہ ہمیں عورتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں بھی "بناتك" یعنی تیری لڑکیاں کے لفظ سے مراد قوم کی عورتیں ہیں۔ اور تجھے معلوم ہے کہ ہمارا ارادہ کیا ہے؟ یعنی ہمارا ارادہ ان لڑکوں سے ملنے کا ہے۔ پھر جھگڑا اور نصیحت بے سود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ" (سورۃ ھود: ۸۱)

[لوط نے کہا: کاش کہ میرے پاس ان کے مقابلہ پر کوئی طاقت ہوتی، یا کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا۔ (اب) فرشتوں نے (لوط سے) کہا: ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ یہ (کافر) لوگ ہرگز تم تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا تم رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے روانہ ہو جاؤ اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ ہاں! مگر تمہاری بیوی (تمہارے ساتھ نہیں جائیگی) اس پر بھی وہ مصیبت آنے والی ہے، جو اور لوگوں پر آ رہی ہے، یقین رکھو ان (پر عذاب نازل کرنے) کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح بالکل نزدیک نہیں آ گئی؟] (آسان ترجمہ)

قومِ لوط کا عمل بد

حضرت لوط علیہ السلام نے جب دیکھا کہ میری نصیحت اثر نہیں کرتی تو انہیں دھمکایا کہ اگر مجھ میں قوت طاقت ہوتی یا میرا کنبہ قبیلہ زوردار ہوتا تو میں تمہیں تمہاری اس شرارت کا مزہ چکھا دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو حضرت لوط علیہ السلام پر کہ وہ زور آور قوم کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ مراد اس سے ذات اللہ تعالیٰ عزوجل ہے۔ آپ کے بعد پھر جو پیغمبر بھیجا گیا وہ اپنی قومی ثروت میں ہی بھیجا گیا۔ ان کی افسردگی اور کامل ملال اور تنگ دلی کے وقت فرشتوں نے اپنے تئیں

ظاہر کر دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہم تک یا آپ تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔آپ رات کے آخری حصہ میں اپنے اہل وعیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیے۔خود ان سب کے پیچھے رہئے۔اور سیدھے اپنی راہ چلے جائیے۔قوم والوں کی آہ و بکا پر ان کے چیخنے چلانے پر تمہیں مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہئے، پھر اس بات سے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا استثناء کرلیا کہ وہ اس حکم کی پابندی نہ کر سکے گی۔وہ عذاب کے وقت کی قوم کی ہائے وائے سن کر مڑ کر دیکھے گی اس لئے کہ اللہ کی قضا میں اس کا بھی ان کے ساتھ ہلاک ہونا طے ہو چکا ہے۔

ایک قرأت میں "اِلَّا امْرَأَتُكَ" تا کے پیش سے بھی ہے جن لوگوں کے نزدیک پیش اور زبر دونوں جائز ہیں ان کا بیان ہے کہ آپ کی بیوی بھی یہاں سے نکلنے میں آپ کے ساتھ تھی لیکن عذاب کے نازل ہونے پر قوم کا شور سن کر صبر نہ کرسکی۔مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور زبان سے نکل گیا کہ ہائے میری قوم! اسی وقت آسمان سے ایک پتھر اس پر بھی آیا اور اس کا بھی ڈھیر ہوگیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی مزید تشفی کے لئے فرشتوں نے اس خبیث قوم کی ہلاکت کے وقت کی نزدیکی بھی بیان کر دی کہ صبح ہوتے ہی یہ تباہ ہو جائے گی اور صبح اب بالکل قریب ہے،یہ کورِ باطن آپ کا گھر گھیرے ہوئے تھے اور ہر طرف سے لپکتے ہوئے آ پہنچے تھے۔حضرت لوط علیہ السلام دروازے پر کھڑے ہوئے ان لوطیوں کو روک رہے تھے،جب کسی طرح وہ نہ مانے اور حضرت لوط علیہ السلام آزردہ خاطر سے ہو کر تنگ آ گئے،اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام گھر میں سے نکلے اور ان کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان لوگوں کے پاس آتے انہیں سمجھاتے کہ دیکھو عذاب اللہ نہ خریدو مگر انہوں نے خلیل اللہ کی بھی نہیں مانی۔یہاں تک کہ عذاب کے آنے کا قدرتی وقت آ پہنچا۔فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے،آپ اس وقت اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے،انہوں نے کہا: کہ آج کی رات ہم آپ کے مہمان ہیں،حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فرمان الٰہی ہو چکا تھا کہ جب تک حضرت لوط علیہ السلام تین مرتبہ ان کی بدچلنی کی شہادت نہ دے لیں ان پر عذاب نہ کیا جائے۔آپ جب انہیں لے کر چلے تو چلتے ہی خبر دی کہ یہاں کے لوگ بڑے

بدچلن ہیں ۔ یہ برائی ان میں گھسی ہوئی ہے ۔

کچھ دور اور جانے کے بعد دوبارہ کہا کہ کیا تمہیں اس بستی کے لوگوں کی برائی کی خبر نہیں؟ میرے علم میں تو اس روئے زمین پر ان سے زیادہ برے لوگ نہیں ۔آہ میں تمہیں کہاں لے جاؤں؟ میری قوم تو تمام مخلوق سے بدتر ہے اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرشتوں سے کہا: دیکھو دو مرتبہ یہ کہہ چکے ۔جب انہیں لے کر آپ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو رنج وافسوس سے رو دیئے اور کہنے لگے میری قوم تمام مخلوق سے بدتر ہے ۔تمہیں کیا معلوم نہیں کہ یہ کس بدی میں مبتلا ہیں، روئے زمین پر کوئی بستی اس بستی سے بری نہیں ۔اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پھر فرشتوں سے فرمایا: دیکھو تین مرتبہ یہ اپنی قوم کی بدچلنی کی شہادت دے چکے، یاد رکھنا اب عذاب ثابت ہو چکا ۔

گھر میں گئے اور یہاں سے آپ کی بڑھیا بیوی اونچی جگہ پر چڑھ کر کپڑا ہلانے لگی، جسے دیکھتے ہی بستی کے بدکار دوڑ پڑے ۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: لوط کے ہاں مہمان آئے ہیں، میں نے تو ان سے زیادہ خوب صورت اور ان سے زیادہ خوشبو والے لوگ کبھی دیکھے ہی نہیں ۔

اب کیا تھا یہ خوشی خوشی مٹھیاں بند کئے دوڑتے بھاگتے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر گئے ۔ چاروں طرف سے آپ کے گھر کو گھیر لیا۔آپ نے انہیں قسمیں دیں نصیحتیں کیں، فرمایا: کہ عورتیں بہت ہیں، لیکن وہ اپنی شرارت اور اپنے بدارادے سے باز نہ آئے، اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے عذاب کی اجازت چاہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجازت مل گئی ۔

حضرت لوط علیہ السلام سے آپ نے فرمادیا کہ ہم تو تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، یہ لوگ تجھ تک پہنچ نہیں سکتے ، آپ اس دروازے سے نکل جائیں یہ کہہ کر ان لوگوں کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے وہ اندھے ہو گئے، راستوں تک کو نہیں پہچان سکتے تھے ۔حضرت لوط علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لے کر راتوں رات چل دیئے، یہی اللہ تعالیٰ کا حکم بھی تھا۔محمد بن کعب قتادہ سدی وغیرہ کا یہی بیان ہے ۔

قوم لوط پر اللہ تعالیٰ کا عذاب

سورج کے نکلنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آ گیا۔ان کی بستی سدوم نامی تہ و بالا ہوگئی ۔

عذاب نے اوپر تلے سے ڈھانک لیا۔ آسمان سے پتھر پکی مٹی کے ان پر برسنے لگے، جو سخت اور وزنی اور بہت بڑے بڑے تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے سجین سجیل دونوں ایک ہی ہیں۔ منضود سے مراد پے بہ پے تہ بہ تہ ایک کے بعد ایک کے ہیں۔ ان پتھروں پر قدرتی طور پر ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے، جس کے نام کا پتھر تھا، اسی پر گرتا تھا، وہ مثل طوق کے تھے، جو سرخی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ ان شہریوں پر بھی برسے اور یہاں کے جو لوگ اور گاؤں گوٹھ میں تھے ان پر بھی وہیں گرے۔ ان میں سے جو جہاں تھا وہیں پتھر سے ہلاک کیا گیا۔ کوئی کھڑا ہوا کسی جگہ کسی سے باتیں کر رہا ہے وہیں پتھر آسمان سے آیا اور اسے ہلاک کر گیا۔ غرض ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان سب کو جمع کر کے ان کے مکانات اور مویشیوں سمیت اونچا اٹھالیا، یہاں تک کہ ان کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آسمان کے فرشتوں نے سن لیں، آپ اپنے داہنے پر کے کنارے پر ان کی بستی کو اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر انہیں زمین پر الٹ دیا، ایک کو دوسرے سے ٹکرادیا، اور سب ایک ساتھ غارت ہو گئے۔ اکّے دکّے جو رہ گئے تھے ان کے بھیجے آسمانی پتھروں نے پھوڑ دیئے، اور محض بے نام ونشان کر دیئے گئے۔ مذکور ہے کہ ان کی چار بستیاں تھیں، ہر بستی میں ایک لاکھ آدمیوں کی آبادی تھی۔ ایک روایت میں ہے تین بستیاں تھیں۔ بڑی بستی کا نام سدوم تھا۔ یہاں کبھی کبھی خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی آ کر وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے۔

غیلہ کا طبعی اثر

{۳۰۴۵} **وَعَنْ** اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ سِرًّا فَاِنَّ الْغَيْلَ يُدْرِكُ الْفَارِسَ فَيُدَعْثِرُهٗ عَنْ فَرَسِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۴۲، باب فی الغیل، کتاب الطب، حدیث نمبر: ۳۸۸۱۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے جناب حضرت رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تم لوگ اپنی اولاد کو چپکے سے مت قتل کرو اس لئے کہ بلاشبہ "غیل" (ایام حمل میں دودھ پلانا) شہ سوار پر اثر انداز ہوتا ہے، اور اس کو اس گھوڑے سے گرا دیتا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: لاتقتلوا اولادکم سرا: اپنی اولاد کو خفیہ طریقہ پر قتل مت کرو، مطلب یہ ہے کہ غیلہ کے ذریعہ سے اولاد کو موت کے قریب مت لے جاؤ، غیلہ کے سلسلہ میں ابوداؤد میں ہے کہ "قال مالك الغیلة ان یمس الرجل امرأته وهی ترضع" یعنی دودھ پینے والے بچہ کی ماں سے اس کے شوہر کا صحبت کرنا، چوں کہ وطی کے بعد اگر عورت حاملہ ہوگئی تو حمل سے دودھ فاسد ہو جاتا ہے پس اگر یہی دودھ عورت اس بچے کو پلاتی ہے تو یہ دودھ بچے کے حق میں مضر ہوگا اور اگر نہیں پلاتی تو بچہ بھوکا رہے گا، لہذا ایام رضاعت میں شوہر بیوی سے دور رہے، اور اگر جماع کرتا ہے تو یہ بچے کو قتل کرنے کے مترادف ہے، اور چوں کی براہ راست قتل کرنا نہیں ہے اس لئے "سرا" کی قید لگائی ہے، "یدرك الفارس" مطلب یہ ہے کہ کبھی غیلہ کے اثر سے اچانک ایک خاص کمزوری پیدا ہو جاتی ہے جس کی بناء پر سوار گھوڑے سے دفعۃً گر پڑتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے۔

تعارض: اس حدیث میں یعنی حدیث اسماء میں دو حیثیت سے تعارض ہے، (۱) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیل اولاد کی صحت کے لئے مضر ہے، اور سابقہ حدیث سے غیر مضر ہونا سمجھ میں آتا ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے "فلا یضر اولادهم ذلك شیئا" غیل ان کی اولاد کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے، (۲) اس حدیث میں غیل کی ممانعت ہے، اور سابقہ حدیث میں ممانعت نہیں ہے، بلکہ اس کی نفی ہے۔

دفع تعارض: حدیث جذامہ مقدم ہے، اس میں آنحضرت ﷺ نے عرب کے مصالح کے پیش نظر یہ سمجھا تھا کہ غیلہ مضر ہے، لہذا اس سے منع کرنے کا ارادہ کیا تھا، پھر آنحضرت ﷺ کو بعض اسباب کی بناء پر اندازہ ہوا کہ مضر نہیں ہے، لہذا آنحضرت ﷺ نے غیلہ سے منع نہیں کیا، پھر من جانب اللہ آنحضرت ﷺ کو علم دیا گیا کہ در حقیقت یہ مضر ہے، لیکن ہر ایک کیلئے اور ہر حال میں مضر ہو

ایسا ضروری نہیں ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے منع تو کیا، لیکن یہ نہی تنزیہی ہے، تحریمی نہیں ہے، (بذل) علامہ طیبی نے تو یہ توجیہ پیش کی ہے کہ سابقہ حدیث میں غیل کے اثرات کی نفی اس مقصد سے تھی کہ جاہلیت کے اس عقیدہ کی تردید ہو کہ وہ اس کو یعنی غیل کو فساد صحت کے لئے مؤثر بالذات سمجھتے تھے، اور اس حدیث میں اس کے اثر کا اثبات اس لحاظ سے ہے کہ یہ بھی موت کا سبب بن سکتا ہے، جب کہ مؤثر حقیقی اللہ کی ذات ہے، (طیبی، ۶/۳۱۱)

اس توجیہ سے دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق بھی پیدا ہوگئی اور یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ "عزل" عذر کے وقت جائز ہے، اس لئے کہ غلبہ شہوت کے وقت بیوی سے جماع کئے بغیر رہا بھی نہیں جا سکتا ہے، اور ایام رضاعت میں حمل ٹھہرتا ہے تو بچہ کی صحت کے لئے مضر ہے، ایسے میں بچہ کی صحت کے پیش نظر عزل جائز ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۳۲۱، التعلیق: ۴/۴۰)

{الفصل الثالث}

عزل کے لئے اجازت حرہ

{۳۰۴۶} عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُعْزَلَ عَنِ الْحُرَّةِ اِلَّا بِاِذْنِهَا۔ (رواه ابن ماجه)

حواله: ابو داؤد شریف: ۱۳۸، باب العزل، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۱۹۷۔

ترجمه: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے آزاد عورت کی اجازت کے بغیر اس سے عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: نهى: آنحضرت ﷺ نے بغیر حرہ کی اجازت کے عزل کو اسلئے ممنوع قرار دیا ہے کہ اس میں آزاد عورت کی حق تلفی ہے، جماع سے عورت کے دو حقوق وابستہ ہیں، (۱) حصول اولاد

(۲) لذت، عزل کی صورت میں اولاد کے حصول کا امکان بھی کم ہو جاتا ہے اور لذت میں بھی کمی آتی ہے، لہٰذا اگر آزاد عورت اولاد چاہتی ہے، یا مزید لذت چاہتی ہے تو اس غرض سے وہ عزل کی اجازت نہیں دیتی ہے تو اس کا بنیادی حق ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۳۲۲/۶)

عزل کی موجودہ شکلیں اور احکام

بیوی سے مقاربت کے وقت آخری لمحات میں مرد کا اپنی منی کو باہر خارج کرنا عزل کہلاتا ہے۔ موجودہ دور میں عزل کی مختلف صورتیں رائج ہیں اور احکام بھی ان کے مختلف ہیں، یہاں ان صورتوں کا اور ان کے احکام کا ایک مختصر تعارف فائدہ سے خالی نہ ہوگا، عزل کا مقصد یہ ہے کہ مرد کی منی عورت کے رحم تک نہ پہنچے اور حمل نہ ٹھہرے، اس مقصد کے حصول کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ عزل شمار ہوگا، عزل یا موانع حمل کے اسباب دو طرح ہیں۔

(۱) مستقل اور دائمی مانع حمل (۲) عارضی اور وقتی مانع حمل

مستقل اور دائمی مانع حمل کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنا جس سے توالد و تناسل کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے، عصر حاضر میں عموماً اس کے مندرجہ ذیل طریقے مروج ہیں:

(**الف**) **نس بندی**: بار آور ہونے والی نسوں کو دونوں جانب سے یا کسی جگہ سے کاٹ کر باندھ دیا جاتا ہے۔

(**ب**) **گروہ بندی**: اس طریق کار میں نسوں کو کاٹے بغیر اس طرح باندھ دیا جاتا ہے، تاکہ مادہ منویہ کا اخراج ممکن نہ رہے، گروہ بندی اگرچہ عارضی مانع حمل تدبیر سمجھی جاتی ہے، لیکن عملاً یہ مستقل اور دائمی ہوتا ہے۔

(**ج**) **تقطیع وتخریج**: اس طریقہ کا حاصل یہ ہے کہ عورت کی بیضہ دانی یعنی رحم کو کاٹ کر شکم سے باہر نکال دیا جاتا ہے، تاکہ بار آور نہ ہو سکے یہ تینوں طریقے عمل جراحی کے نتیجہ میں روبعمل لائے جاتے ہیں۔

مرد کے لئے کوئی ایسی تدبیر جس سے مستقل طور پر قوت توالد و تناسل اور اس کی صلاحیت

اور استعداد ہی سرے سے ختم ہو جائے کسی حال میں بھی جائز نہیں ۔ اس لئے مذکورہ تین طریقے شرعی لحاظ سے جائز نہیں ۔

عورت کے لئے بھی عام حالات میں اس طرح کی تدبیر اختیار کرنا جائز نہیں جس سے بچہ کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے، البتہ سخت اضطراری حالت میں اس کی گنجائش ہے، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی خاتون کے متعلق ماہر ڈاکٹر تحقیق کے بعد قطعی اور یقینی طور پر یہ کہہ دے کہ اگر سلسلۂ توالد ختم نہ کیا جائے، اور حمل ٹھہر گیا تو اس کی ولادت کی کوئی صورت نہیں اور عورت کے لئے موت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، ایسے حالات میں مستقل مانع حمل تدابیر اختیار کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ "الضرورات تبیح المحظورات"

عارضی مانع حمل تدابیر: یعنی وہ تدابیر جن کے اختیار کرنے سے ایک مدت تک حمل نہیں ٹھہرتا، البتہ توالد و تناسل کی استعداد اور صلاحیت برقرار رہتی ہے، اس کی مروجہ صورتیں مندرجہ ذیل ہیں ۔

(الف) عزل یہ وہ قدیم اور سادہ طریقہ ہے جو ابتداء اسلام سے آج تک رائج ہے وہ یہ کہ انزال کے وقت مرد اپنی منی کو باہر خارج کردے ۔

(ب) عورت رحم کا منہ بند کر دیتی ہے تا کہ مرد کی منی رحم تک نہ پہنچنے پائے، موجودہ دور میں اس کی ایک صورت لوپ کار پڑتی کی ہے یہ انگریزی (ٹی) کی شکل کا تابنے کا تار ہوتا ہے، جسے ڈاکٹر عورت کے اندام نہانی میں اس طرح فٹ کر دیتے ہیں کہ یہ مرد کی منی رحم میں داخل ہونے نہیں دیتا، اس طریقہ میں عموماً عورت کی ماہواری میں بے قاعدگی پیدا ہو جاتی ہے ۔

(ج) غلاف آلہ کا استعمال (یعنی نرودھ، کانڈوم) یہ ایک مہین ملائم باریک غبارے کی مانند ہوتا ہے، بغیر ہوا بھرے لمبے غبارے کی شکل کا یہ مخصوص غبارہ مباشرت سے قبل مرد عضو تناسل پر اسی طرح چڑھا لیتا ہے جس طرح پاؤں پر موزہ اور ہاتھ پر دستانہ چڑھایا جاتا ہے، اس صورت میں عضو تناسل مکمل طور پر ڈھک جانے کے باعث مباشرت میں مرد کی منی عورت اندام نہانی کے بجائے اسی کانڈوم میں گرتی ہے، اس لئے حمل قرار پانے کا ننانوے فیصد اندیشہ ختم ہو جاتا ہے ۔

(د) **مانع حمل گولیاں یامانع حمل انجکشن کااستعمال:** ان کے استعمال سے حمل نہیں ٹھہرتا لیکن یہ طریقہ صحت کے لئے مضر ہے، جدید تحقیق کے مطابق اس کی وجہ سے خون میں خطرناک حد تک چربی کی مقدار کم ہوجاتی ہے۔

(س) **پانی کی پچکاری سے رحم دھونا:** جماع کے بعد پانی کی پچکاری سے رحم دھولیا جاتا ہے تاکہ مادہ منویہ اگر رحم میں پہنچ چکا ہے تو وہ نکل جائے۔

عارضی موانع حمل کے جواز کی صورتیں:

درج ذیل صورتوں میں بلا کراہت عارضی مانع حمل تدابیر کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

(۱) دو بچوں کے درمیان مناسب وقفہ کے لئے، تاکہ ہر بچہ کو ماں کی طرف سے توجہ اور نگہداشت مل سکے، مثلاً بچہ ایام رضاعت میں ہے اور استقرار حمل ہوگیا تو ماں کا دودھ مضر ثابت ہوگا، جس سے فطری طور پر اس کے بدن پر ضعف وکمزوری پیدا ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ دو بچوں کے درمیان مناسب وقفہ نہ ہونے کی وجہ سے ماں کی توجہ اور نگہداشت تقسیم ہوجاتی ہے، جس سے بچوں کی صحت متاثر ہوسکتی ہے۔

(۲) بچے کے بارے میں یہ خطرہ ظن غالب کے درجے میں ہو کہ وہ خطرناک موروثی امراض میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ (جدید فقہی مباحث: ۱/۳۱۸)

(۳) اگر عورت اتنی کمزور ہو کہ بار حمل کا تحمل نہیں کرسکتی، حمل کی تکالیف یا دردزہ وغیرہ برداشت کرنے کی اس کے اندر طاقت نہیں، یا ولادت کے بعد شدید کمزوری لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں بھی منع حمل کی اجازت ہے۔ (ضبط ولادت: ۱۹)

(۴) بعض فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر عورت بداخلاق سخت مزاج ہو، خاوند طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اندیشہ ہو کہ اولاد پیدا ہوجانے کے بعد بداخلاقی میں اضافہ ہوگا، تو ایسی صورت میں بھی منع حمل یعنی عزل درست ہے، شامی میں ہے: "او کانت الزوجة سیئة الخلق ویرید فراقها یخاف ان تحبل." (شامی: ۲/۴۱۲)

(۵) کتب فقہ میں یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ فساد زمان کی وجہ سے اگر نافرمان اور

بدکردار اولاد کے پیدا ہونے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں بھی عزل جائز ہے۔ "وفی الفتاوی ان خاف من الولد السوء من الحرۃ یسعه العزل رضاها لفساد الزمان، وبه جزم القهستانی حیث قال اذا لم یخف علی الولد السوء لفساد الزمان والا فتجوز بلا اذنها" (شامی: ۴۱۲/۲)

عارضی مانع حمل کے عدم جواز کی صورتیں:

(۱) معاشی تنگی کے پیش نظر عزل کرنا، تاکہ کم بچے ہوں اور ان کا مستقبل بہتر ہو یہ عذر شرعی نہیں، کیونکہ معاش کے اعتبار سے مستقبل کی بہتری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے، اس لئے اسے عزل کے اعذار میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ (ضبط ولادت: ۲۰)

(۲) موجودہ دور کے فیشن "چھوٹا خاندان" کے لئے بھی یہ تدبیر جائز نہیں، چھوٹے خاندان کا تصور اسلام کے مزاج و ماحول سے ہم آہنگ نہیں۔

(۳) عارضی منع حمل کی وہ تدبیر بھی جائز نہیں جو ہمیشہ کے لئے مایوسی کا سبب ہے۔

(۴) محض اولاد سے اعراض مقصود ہو یعنی صرف یہی نیت ہو کہ اولاد نہ ہونے پائے۔

(۵) اس کا محرک کوئی ایسی غرض ہو کہ اسلامی اصولوں کے خلاف ہو مثلاً لڑکی پیدا ہونے کے خوف سے عزل کرنا۔ (ضبط ولادت: ۲۰، کشف الباری: ۲۸۸/۱۰)

{باب}

گذشتہ باب کے متعلقات کا بیان

یعنی اس باب میں گذشتہ باب سے متعلق حدیثیں نقل ہوئیں ہیں

{الفصل الاول}

باندی کا آزادی کے بعد نکاح فسخ کرنا

{۳۰۴۷} **عَنْ** عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا فِيْ بَرِيْرَةَ خُذِيْهَا فَأَعْتِقِيْهَا وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۳۴۸، باب استعانۃ المکاتب، کتاب المکاتب، حدیث نمبر: ۲۵۶۳، مسلم شریف: ۲/۴۹۴، باب انما الولاء لمن اعتق، کتاب العتق، حدیث نمبر: ۱۵۰۴۔

ترجمہ: حضرت عروہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بریرۃ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا کہ تم اس کو لے لو اور پھر تم اس کو آزاد کردو اور چونکہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غلام تھے لہذا بریرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا، چنانچہ

انہوں نے اپنے کو اختیار کیا، اور اگر ان کا شوہر آزاد ہوتا تو آنحضرت ﷺ بریرہ کو اختیار نہ دیتے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: خذیھا: حضرت بریرہ کی خریداری کے وقت آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ پہلے ان کو خریدلو، پھر آزاد کردو، "کان زوجھا عبدا" حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر مغیث غلام تھے، اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس بات کا اختیار دیا کہ چاہیں تو ان کی نکاح میں باقی رہیں اور چاہیں تو نکاح فسخ کرلیں، اصل بات خیار عتق کی علت عدم کفایت ہے، کیوں کہ عبد حرہ کا کفو نہیں، "فاختارت نفسھا" بریرہ رضی اللہ عنہا نے شوہر سے علاحیدگی اختیار کرلی، "ولو کان حرا" اگر بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد ہوتے تو بریرہ رضی اللہ عنہا کو خیار عتق حاصل نہ ہوتا، کیوں کہ دونوں آزاد ہیں، لہٰذا ایک دوسرے کے کفو ہیں، ایسے میں خیار کی ضرورت نہیں ہے، یہ حضرت عروہ کا کلام ہے، اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کے کیلئے شروع سند میں "عن عائشۃ" نہ کہہ کر "عن عروۃ عن عائشۃ" کہا ہے اور یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

خیار عتق اور اختلاف ائمہ

اس حدیث میں خیار عتق کا مسئلہ ہے یہ مسئلہ اب پرانا ہوگیا ہے اس کی اب چنداں ضرورت نہیں ہے، مگر حدیثوں کو سمجھنے کے لئے اس کو سمجھنا ضروری ہے۔

تمام ائمہ متفق ہیں کہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد خیار عتق حاصل ہوتا ہے، یعنی اب اگر وہ چاہے تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہے اور علاحدگی اختیار کرنا چاہے تو علاحدہ ہوسکتی ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ خیار کس صورت میں حاصل ہوتا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر باندی کی آزادی کے وقت شوہر غلام ہے تو باندی کو خیار عتق حاصل ہوگا اور اگر شوہر آزاد ہے خواہ حر الاصل ہو یعنی ہمیشہ سے آزاد ہو یا وہ بیوی سے پہلے آزاد ہو چکا ہو تو باندی کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا اور احناف کے نزدیک دونوں صورتوں میں خیار عتق حاصل ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ میں صرف ایک روایت ہے، اور اس میں بھی اختلاف ہے،

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اب تمہیں اختیار ہے چاہو تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہو اور علاحدہ ہونا چاہو تو علاحدہ ہو سکتی ہو، چنانچہ انہوں نے علاحدہ ہونے کا فیصلہ کیا، ان کے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو ان سے بے حد محبت تھی وہ اس فیصلہ سے بہت پریشان ہوئے، وہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں روتے پھرتے تا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا دل پسیجے، مگر انہوں نے شوہر کو قبول نہیں کیا، حضرت مغیث کی بدحالی کو دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارش کی، مگر وہ بہت سمجھ دار تھیں، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے یا مشورہ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشورہ ہے، انہوں نے عرض کیا: میں اپنے معاملہ کو بہتر سمجھتی ہوں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ قبول کیا۔

جس وقت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئیں اس وقت ان کے شوہر آزاد تھے، یا غلام؟ یہ تو طے ہے کہ حضرت مغیث حرالاصل نہیں تھے، اور یہ بھی طے ہے کہ وہ بھی آزاد ہو گئے تھے، مگر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جب آزاد ہوئیں اس وقت وہ آزاد تھے یا غلام؟ دونوں طرح کی روایات ہیں اور دونوں اعلیٰ درجہ کی ہیں، ائمہ ثلاثہ نے اس روایت کو لیا ہے، جس میں حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے آزاد ہونے کی بات ہے اور "کان عبدا" کو انہوں نے نہیں لیا، اور احناف نے دونوں روایتوں کو لیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک ہر صورت میں خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام: باندی کو خیار عتق حاصل ہوگا۔

اور اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے وہ ایک دوسرے مسئلہ میں اختلاف پر متفرع ہے، کتاب الطلاق میں یہ مسئلہ آئے گا کہ طلاق میں عورت کا اعتبار ہے یا مرد کا؟ احناف کے نزدیک عورت کا اعتبار ہے، چنانچہ ان کے نزدیک اگر بیوی آزاد ہو تو شوہر اس کو تین طلاقیں دے سکتا ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، اور اگر بیوی باندی ہو تو شوہر اس کو دو طلاقیں دے گا، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، تین نہیں دے سکتا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق میں اعتبار مرد کا ہے اگر شوہر آزاد ہے تو وہ تین طلاقیں دے سکتا ہے خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی، اور اگر شوہر غلام ہے تو دو طلاقیں ہی دے سکتا ہے خواہ بیوی آزاد ہو یا باندی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد جو خیار عتق ملتا ہے اس کی علت کیا ہے؟ حنفیہ کے نزدیک علت، ازدیاد ملک ہے یعنی بیوی جب تک باندی تھی شوہر اس کو دو ہی طلاقیں دے سکتا

تھا، اب بیوی کی آزادی کے بعد شوہر کو مزید طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا، پس بیوی کو اختیار ہے کہ وہ یہ مزید حق حاصل ہونے دے یا نہ دے، کیونکہ پہلے شوہر کو طلاقیں دینے کا حق حاصل ہوا تھا وہ عورت کی رضامندی سے حاصل ہوا تھا۔

اس نے نکاح قبول کیا تھا اس کی وجہ سے شوہر کو طلاق کا حق ملا تھا، پس اب جب کہ وہ تیسری طلاق کا مالک ہونے جارہا ہے تو بھی عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر عورت راضی ہوگئی تو ملکیت بڑھے گی، ورنہ نہیں، اور ملکیت میں تجزی نہیں، پس یا تو تیسری طلاق کا حق ملے گا یا پہلی دو بھی ختم ہو جائیں گی اور عورت نکاح سے نکل جائے گی۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خیار کی یہ علت نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کے نزدیک طلاق کا مدار مرد پر ہے، اس لئے انہوں نے خیار کی اور علت نکالی ہے اور وہ ہے: عار کالاحق ہونا، آزاد بیوی کا شوہر اگر غلام ہو تو اس کو اس کے ساتھ رہنے میں عار لاحق ہوگا، اس لئے اس کو نکاح میں رہنے کا یا علاحدہ ہونے کا اختیار دیا جاتا ہے اور شوہر اگر آزاد ہو خواہ حر الاصل ہو یا پہلے آزاد ہو چکا ہو تو اس کے ساتھ رہنے میں عورت کو کوئی عار لاحق نہیں ہوگا، اس لئے ائمہ ثلاثہ شوہر کے آزاد ہونے کی صورت میں خیار عتق کے قائل نہیں اس لئے انہوں نے صرف "کان عبداً" والی روایت لی اور احناف نے دونوں روایتوں کو جمع کیا، کیونکہ ان کی سمجھی ہوئی علت پر دونوں روایتیں جمع ہوسکتی ہیں۔ (تحفۃ الالمعی: ۵۹۳/۳، بذل: ۸۷/۳، مرقاۃ: ۳۶۵/۶)

حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کا حال

{۳۰۴۸} وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ عَبْدًا اَسْوَدَ يُقَالُ لَهٗ مُغِيْثٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ يَطُوْفُ خَلْفَهَا فِيْ سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ يَبْكِيْ وَدُمُوْعُهٗ تَسِيْلُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ اَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيْثٍ بَرِيْرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيْرَةَ مُغِيْثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ رَاجَعْتِيْهِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَأْمُرُنِيْ قَالَ اِنَّمَا اَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۹۵/۲، باب شفاعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی زوج بریرة، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۵۲۹۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر کالا تھا، جس کو مغیث کہا جاتا تھا، ایسا لگتا ہے کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں وہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں پھر رہا ہے، وہ رو رہا ہے اور اس کے آنسو اس کی داڑھی پر بہہ رہے ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عباس! کیا آپ کو مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت پر تعجب نہیں ہے، پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ بہتر ہے کہ تم مغیث سے رجوع کرلو، بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرمارہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سفارش کررہا ہوں، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا بولیں مجھے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: عبدا أسود: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ آزاد تھے، جبکہ اس روایت سے غلام ہونا معلوم ہوتا ہے، تطبیق یوں ہے کہ پہلے غلام تھے پھر آزاد ہوگئے، یا پھر یہ مراد ہے کہ غلام کے مانند سیاہ فام تھے، "یطوف" حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو بریرہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت تھی، وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے آزادی کے بعد علاحدگی اختیار کی تو حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو بہت قلق ہوا، بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور اپنی محبت کا یقین دلاتے تا کہ وہ ان پر رحم کھا کر اپنے فیصلہ کو بدل دیں، "الا تعجب: مغیث رضی اللہ عنہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے مابین یک طرفہ محبت تھی، ایک طرف شدید محبت، دوسری طرف حد درجہ بیزاری، یہ چیز باعث تعجب ہے "فقال النبی" جب مغیث رضی اللہ عنہ اپنی کوششوں میں ناکام ہوئے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ سے میرے بارے میں سفارش کردیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے اندر سوائے شکل وصورت کے کوئی خرابی نہیں ہے، اگر بریرہ رضی اللہ عنہا ان سے رجوع کرلیں گیں تو عند اللہ ان کا مرتبہ بڑھ جائے گا، اور ان کو دلداری کا ثواب ملے گا، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے سفارش کی، ابن ماجہ میں الفاظ ہیں، "لو راجعته فانه ابو ولدك" اگر تم اپنے فیصلہ سے رجوع کرلو تو بہتر ہے، اس لئے کہ وہ تمہارے بچے کے باپ ہیں، "تأمرنی" حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا

نے پوچھا کہ کیا یہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے، یعنی اگر حکم ہے تو میں اس کو قبول کرتی ہوں، اور ان سے نکاح کرنے کو تیار ہوں، "انما اشفع" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا حکم نہیں ہے، میں تو سفارش کر رہا ہوں، یعنی ایک طرح مشورہ دے رہا ہوں، اس کے قبول کرنے کا یا رد کرنا کا تم کو مکمل اختیار ہے، "لا حاجة" حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جب مجھے رد کرنے کا اختیار ہے تو میں ان سے علاحدگی اختیار کرنے کے اپنے فیصلہ پر قائم رہنا چاہتی ہوں معلوم ہوا کہ جو باندی آزاد ہوتی ہے اسکو خیار عتق ملتا ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں کہ خیار عتق کی اصل علت باندی کا آزادی کے بعد خود مختار ہونا ہے، آزادی سے پہلے سارا اختیار اس کے آقا کو تھا، آقا ہی نے اپنے اختیار سے اس کا نکاح کیا تھا، لہٰذا آزاد ہونے کے بعد اس کو مکمل اختیار ہے، وہ چاہے تو شوہر کو قبول کرے اور چاہے تو نہ قبول کرے، اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

فوائد: اس حدیث سے چند باتوں کا علم ہوتا ہے۔

(۱)...... باندی آزاد ہو جائے تو اس کو اختیار ہے کہ وہ شوہر کے نکاح میں باقی رہے یا نکاح فسخ کر کے اپنی مرضی سے دوسری جگہ شادی کر لے۔

(۲)...... بڑا آدمی چھوٹے آدمی سے سفارش کر سکتا ہے۔

(۳)...... سفارش قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۴)...... بڑے کی چھوٹا سفارش قبول نہ کرے تو بڑے کو برانگیختہ نہ ہونا چاہئے، اس کو یہ سوچنا چاہئے کہ میں نے بھلے کام کی سفارش کی مجھے ثواب ملا، جبر کرنا، یا اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے سفارش قبول کرنے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

(۵)...... کسی کی بدصورتی کی وجہ سے نکاح نہ کرنا، یا فسخ کا اختیار ملنے کے وقت بدصورتی کی بنا پر علاحدگی اختیار کرنا جائز ہے۔

{الفصل الثانی}

خاوند کو پہلے آزاد کرنا بہتر ہے

{۳۰۴۹} عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تُعْتِقَ مَمْلُوْ كَيْنِ لَهَا زَوْجٌ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهَا اَنْ تَبْدَأَ بِالرَّجُلِ قَبْلَ الْمَرْأَةِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۳۰۴، باب فی المملوکین یعتقان معاً، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۳۷، نسائی شریف: ۲/۸۸، باب خیار المملوکین، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۳۴۴۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے دوغلاموں کو جو کہ آپس میں شوہر بیوی تھے، آزاد کرنے کا ارادہ کیا، تو اس بارے میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ عورت سے پہلے مرد سے ابتداء کی جائے۔(ابوداؤد، نسائی)

تشریح: یعنی اگر زوجین دونوں مملوک ہوں ایک باندی ہے اور دوسرا غلام، اگر ان کو ان کا مالک ایک ساتھ آزاد کردے تو اس صورت میں عورت کو خیار عتق حاصل ہوگا؟ گذشتہ باب میں جو ضابطہ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک خیار حاصل ہوگا اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حاصل نہ ہوگا، لیکن امام احمد سے اس صورت میں دو روایتیں مروی ہیں ایک تو یہی کہ "لا خیار لها وهو الاصح، والثانية لها الخيار"

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو آزاد کرنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ اعتاق کی ابتداء کس سے کروں؟ غلام سے یا باندی سے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد سے ابتداء کرو، حنفیہ تو اس کی مصلحت یہ بیان کرتے ہیں "انما قدم الرجل لشرفه" اور جمہور اپنے مسلک کے پیش نظر یہ مصلحت بتاتے ہیں کہ آپ نے تقدیم رجل کا مشورہ اسلئے دیا تا کہ حرہ تحت العبد والی

شکل نہ پائی جائے اور نکاح قائم اور باقی رہے اور عورت کو خیار حاصل نہ ہو ورنہ اس کے عکس کی صورت میں عورت کو خیار حاصل ہوتا، یہ مصلحت جمہور نے اپنے مسلک کے پیش نظر اور اس کی رعایت اور تائید میں بیان کی ہے، ہمارے بعض اساتذہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ اگر یہ بات ہوتی جو آپ کہہ رہے ہیں یعنی تقدیم مرأۃ کی صورت میں عورت کو خیار حاصل ہو جاتا تو ہم کہیں گے کہ پھر آپ تقدیم رجل کا مشورہ نہ دیتے کیونکہ اس میں حق المرأۃ کی اضاعت اور اس کا اتلاف تھا اور آپ کسی کو ایسا مشورہ نہیں دے سکتے جس میں کسی کے حق کی اضاعت ہو۔ (الدر المنضود: ۴/۱۱۴، مرقاۃ: ۶/۳۲۴)

جماع سے خیار ختم ہو جاتا ہے

{۳۰۵۰} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ بَرِيْرَةَ عَتَقَتْ وَهِيَ عِنْدَ مُغِيْثٍ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَهَا اِنْ قَرِبَكِ فَلاَ خِيَارَ لَكِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۳۰۴، باب حض من یکون لھا الخیار، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۲۲۳۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو جس وقت آزادی ملی وہ مغیث کا نکاح میں تھیں، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دیا، اور ان سے فرمایا کہ اگر تم سے مغیث نے جماع کرلیا تو پھر تم کو اختیار نہ رہے گا۔ (ابو داؤد)

تشریح: یعنی خیار عتق جو عتق کے بعد باندی کو حاصل ہوتا ہے وہ اس کو کب تک رہتا ہے، مسئلہ میں فی الجملہ اختلاف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ خیار علی التراخی ہے یہاں تک کہ وہ قدرت دے زوج کو اپنے نفس پر "فان وطئھا فلا خیار لھا"، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول میں یہ خیار علی الفور ہے، "وعنہ الی ثلاثہ ایام" اور احناف کے نزدیک معتقہ کو یہ خیار حاصل رہتا ہے جب تک وہ مجلس سے کھڑی نہ ہو، یعنی مجلس عتق کے اندر اندر رہتا ہے، اس کے بعد باقی نہیں رہتا الا یہ کہ مجلس میں کوئی چیز عورت کی جانب سے ایسی پائی جائے جو اعراض پر دلالت کرے تو پھر باوجود قیام مجلس کے بھی خیار باقی نہ رہے گا۔ (الدر المنضود: ۴/۱۱۴، مرقاۃ: ۶/۳۲۴)

{باب الصداق}

(مہر کا بیان)

صداق میں دو لغت ہیں بفتح الصاد جیسے سحاب، اور بالکسر جیسے کتاب اور اس کی "جمع صدق" بضمتین آتی ہے، اس میں اور بھی لغات ہیں جیسے "صَدُقَه" جس کی جمع "صَدُقَاتُ" آتی ہے، "فَفِي التَّنْزِيْلِ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ" اور ایک لغت اس میں صَدَقَۃ ہے جس کی جمع "صَدَقَاتُ" ہے، یعنی مہر، مہر کی وجہ تسمیہ صداق کے ساتھ علماء نے یہ لکھی ہے کہ وہ صدق رغبت فی النکاح پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شخص واقعی نکاح کا طالب ہے چنانچہ اس کے لئے انفاق مال کے لئے بھی تیار ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۳۲۵)

مہر کی مشروعیت

مہر کی مشروعیت کتاب اللہ، حدیث اور اجماع سے ہے، "قال اللہ تعالیٰ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ" ان عورتوں کو چھوڑ کر تمام عورتوں کے بارے میں یہ حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنا مال (بطور مہر) خرچ کر کے انہیں (اپنے نکاح میں لانا) چاہو بشرطیکہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کا رشتہ قائم کر کے عفت حاصل کرو، صرف شہوت نکالنا مقصود نہ ہو۔ (سورۃ النساء آیت: ۲۴) ایسے ہی "وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً" اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ (سورۃ النساء آیت: ۴) اور احادیث تو بے شمار ہیں، "التمس ولو خاتما من حدید" وغیرہ وغیرہ۔

مہر کی شرعی حیثیت

پھر جاننا چاہئے کہ مہر کی نوعیت میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا وہ شرط صحت نکاح ہے یا نہیں؟ حنفیہ

کے یہاں شرط صحت نہیں بلکہ ان کے یہاں مہر احکام نکاح میں سے ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے "ویصح النکاح وان لم یسم فیہ مہراً وکذا اذا تزوجہا بشرط ان لا مہر لھا" نیز ہدایہ میں اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک نفی کی صورت میں نکاح صحیح نہیں، میں کہتا ہوں اس لئے کہ مالکیہ کے نزدیک مہر ارکان نکاح میں سے ہے،" کما قال الدردیر ارکان النکاح اربعۃ ولی وصداق ومحل وصیغۃ" اسی لئے ان کے یہاں نفی صداق کی صورت میں نکاح باطل ہے، اب یہ کہ ذکر صداق بھی ان کے یہاں ضروری ہے یا نہیں سو اس میں ان کے یہاں تفصیل ہے۔ (فقی الاوجز:۲۴۶/۴)

قال الدسوقی الاقسام فیہ اربعۃ اول ماینعقد بہ النکاح مطلقا سواء سمی صداق اولا وھو انکحت وزوجت والثانی ما ینعقد بہ ان سمی صداقا والا فلا وھو وھبت، فقط الی آخر ماقال" اور کتب شافعیہ میں ہے "سن ذکرہ فی العقد وکرہ اخلاؤہ عنہ کذا فی حاشیۃ الجمل علی المنہج" اب یہ کہ شافعیہ کے نزدیک نفی مہر کی صورت میں نکاح صحیح ہے یا نہیں اس کی تصریح تو سردست مجھے کتب شافعیہ میں نہیں ملی لیکن قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ نفی کی صورت میں نکاح صحیح نہ ہو، اس لئے کہ نکاح ان کے یہاں "عقد معاوضہ" ہے مثل بیع کے اور ظاہر ہے کہ نفی ثمن کی صورت میں بیع باطل ہے۔ "فکذا النکاح واللہ تعالیٰ اعلم۔ (الدر المنضود:۷۴/۴)

مہر کی مقدار

پھر مہر کی جانب اکثر میں کوئی اختلاف نہیں جتنا چاہے مقرر کرے اگر چہ مستحب یہ ہے کہ غلو نہ کیا جائے لیکن جانب اقل میں اختلاف تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم کی بھی کوئی مقدار متعین نہیں بلکہ زوجین جس مقدار پر راضی ہو جائیں درست ہے چاہے کم ہو یا زیادہ، گویا ان کے نزدیک نکاح بیع وفروخت کے مانند ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم سے کم ربع دینار ہونا چاہئے، اور ابن حزم تو کہتے ہیں کہ ایک سیر جو بھی مہر ہو سکتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم سے کم دس درہم ہونا چاہئے اس سے کم مہر نہیں

ہوسکتا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ دلیل پیش کرتے ہیں ان احادیث سے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجین جس چیز پر راضی ہوجائیں مہر ہوسکتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم کی روایت ہے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی "ولو خاتما من حدید" اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: "من اعطیٰ فی صداق امرأۃ ملا کفیہ سویقا او تمرۃ فقد استحل" جس شخص نے عورت کے مہر میں دو مٹھی ستو دیا یا کھجوریں دیں بے شک اس نے حلال کرلیا۔ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نعلین کا ذکر ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دلیل پیش کرتے ہیں چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے ربع دینار کے بدلے میں تو ایک عضو کا بدلہ کم سے کم ربع دینار ہوا، لہٰذا "بضع" بھی ایک عضو ہے لہٰذا اس کا بدلہ کم سے کم ربع دینار ہونا چاہئے، مقدار "سرقہ" کی تفصیل آئندہ آئے گی، تو گویا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ "قطع ید فی السرقہ" پر مہر کو قیاس کرتے ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دلیل پیش کرتے ہیں قرآن کریم کی آیت "قد علمنا ما فرضنا علیھم" ہمیں وہ احکام خوب معلوم ہیں جو ہم نے ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں ان پر عائد کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر کی ہے، لیکن وہ مجمل ہے تو حدیث نے اس کو بیان کردیا جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا مھر اقل من عشر دراھم" دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا۔ (رواہ الدار القطنی والبیھقی)

اگرچہ اس حدیث میں کچھ ضعف ہے لیکن اس کے شواہد موجود ہیں چنانچہ دارقطنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، "لا تقطع الاید فی اقل من عشرۃ دراھم ولا یکون المھر اقل من عشرۃ دراھم" دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹے جاتے اور دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کے مقابلہ میں خبر آحاد سے استدلال صحیح نہیں، یا وہ سب اس زمانہ میں تھا جب بغیر مہر کے بھی نکاح جائز تھا، پھر منسوخ ہوگیا، سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ وہ سب احادیث مہر معجل کے بارے میں ہیں، مطلق مہر کے بارے میں نہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو "قطع ید فی السرقہ" پر قیاس کرتے

ہوئے ربع دینار کہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ "قطع الید" کے بارے میں احادیث مختلف ہیں بعض روایت میں دس درہم کا ذکر ہے جیسا کہ فرمایا: "لا قطع الا فی دینار او عشرۃ دراھم" ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر ایک دینار یا دس درہم میں۔ اور اسی کو احناف نے راجح قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس پر قیاس کرتے ہوئے احناف کی تائید ہوگی نہ کہ مالکیہ کی۔ (درس مشکوۃ: ۲۶/۳، التعلیق: ۴۳/۴)

مہر کی مصلحت

حضرت رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ رائج تھا اس میں مہر مقرر کیا جاتا تھا اسلام نے اس کو برقرار رکھا، اس میں دو مصلحتیں ہیں۔

پہلی مصلحت: مہر سے نکاح پائیدار ہوتا ہے، نکاح کا مقصد اس وقت تکمیل پذیر ہوتا ہے، جب میاں بیوی خود کو دائمی رفاقت و معاونت کا خوگر بنائیں، اور یہ بات عورت کی طرف سے تو اس طرح متحقق ہوتی ہے کہ نکاح کے بعد تمام اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں، وہ مرد کی پابند ہو جاتی ہے، مگر مرد بااختیار رہتا ہے، وہ طلاق دے سکتا ہے، اور ایسا قانون بنانا کہ مرد بھی بے بس ہو جائے جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں طلاق کی راہ مسدود ہو جائے گی، اور مرد بھی عورت کا ایسا اسیر ہو کر رہ جائے گا جیسا کہ عورت اسیر تھی اور یہ بات اس ضابطہ کے خلاف ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اور دونوں کا معاملہ کورٹ کو سپرد کرنا بھی درست نہیں، کیونکہ قاضی کے یہاں مقدمہ لے جانے میں سخت مراحل سے گذرنا پڑتا ہے، اور قاضی وہ مصلحتیں نہیں جانتا جو شوہر اپنے بارے میں جانتا ہے، پس مرد کو دائمی نکاح کا خوگر بنانے کی راہ یہی ہے کہ اس پر مہر واجب کیا جائے تا کہ جب وہ طلاق دینے کا ارادہ کرے تو مالی نقصان اس کی نگاہ کے سامنے رہے اور وہ ناگزیر حالات ہی میں طلاق دے، پس مہر نکاح کو پائیدار بنانے کی ایک صورت ہے۔

دوسری مصلحت: مہر سے نکاح کی عظمت ظاہر ہوتی ہے، نکاح کی عظمت و اہمیت بغیر مال کے، جو کہ شرمگاہ کا بدل ہوتا ہے، ظاہر نہیں ہوتی، کیونکہ لوگوں کو جس قدر مال کی حرص ہے اور کسی چیز کی نہیں پس مال خرچ کرنے سے نکاح کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں مہر میں اور بھی فوائد ہیں: (۱) مہر اولیاء کی خوش دلی کا ذریعہ ہے۔ (۲) مہر کے ذریعہ نکاح اور زنا میں امتیاز بھی قائم ہوتا ہے۔ (مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ: ۶۸/۵)

{الفصل الاول}

مہر کی ادنیٰ مقدار

{۳۰۵۱} **عَنْ** سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَتْهُ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّي وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ فَقَامَتْ طَوِيْلاً فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! زَوِّجْنِيْهَا اِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ فِيْهَا حَاجَةٌ. فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا قَالَ مَا عِنْدِيْ اِلَّا اِزَارِيْ هٰذَا قَالَ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَماً مِنْ حَدِيْدٍ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئاً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُوْرَةٌ كَذَا فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ. وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ انْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْآنِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۷۱، باب السلطان ولی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۳۵، مسلم شریف: ۱/ ۴۵۷، باب الصداق کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۲۵۔

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے آپ کو آپ کے لئے ہبہ کیا، پھر وہ دیر تک کھڑی رہی، ایک آدمی کھڑے ہو کر بولے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کے لئے اس عورت کی کوئی حاجت نہیں ہے تو آپ میری شادی ان سے کر دیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے جس کو تم اس کو مہر میں دو؟ اس شخص نے کہا کہ میرے پاس اس تہبند کے علاوہ کچھ نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تلاش کرلو، اگر چہ لوہے کی

ایک انگوٹھی ہی ہو، ان صاحب نے تلاش کیا لیکن کوئی چیز ان کو مل نہ سکی، تو جناب حضرت رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے، انہوں نے کہا ہاں مجھے یہ سورتیں یاد ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم کو قرآن کی جو مقدار یاد ہے میں نے تمہارا نکاح اس کے سبب سے اس عورت سے کر دیا، اور ایک روایت میں ہے کہ جاؤ میں نے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا، تم اس کو قرآن سکھا دو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: جاء ته امرأة: یہ ام شریک بنت جابر یا خولہ بنت حکیم یا زینب بنت خذیمہ یا حضرت میمونہ بنت حارث میں سے کوئی تھیں۔

ہبہ سے نکاح کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ائمہ

اگر عورت بلا مہر کے اپنے آپ کو ہبہ کر رہی ہے تو یہ نبی کے لئے حلال ہے دوسرے کے لئے جائز نہیں لیکن اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی شخص کے لئے ہبہ کر دے اور وہ شخص اس کو قبول کر لے تو کیا مہر مثل کے وجوب کے ساتھ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں، اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لفظ تزویج کے علاوہ دوسرے الفاظ مثلاً ہبہ وغیرہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ" [اگر کوئی مؤمن عورت اپنے آپ کو نبی ﷺ کو ہبہ کر دے اور پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہیں تو یہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کے لئے ہے سب مسلمانوں کے لئے نہیں] اس سے معلوم ہوا کہ لفظ ہبہ سے نکاح کا جواز نبی کے ساتھ خاص ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک ہر وہ لفظ جو "تملیك عین فی الحال" کے لئے وضع کیا گیا ہے اس سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

دلیل: امام صاحب کی دلیل بخاری کی حدیث ہے "ملکتها بما معك من القرآن" میں نے تجھ کو اس کا مالک بنا دیا اس قرآن کی وجہ سے جو تیرے ساتھ ہے۔ معلوم ہوا کہ لفظ نکاح اور تزویج کے

علاوہ دیگر الفاظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

جواب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیت پیش کی ہے اس میں لفظ ہبہ سے انعقاد نکاح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص نہیں کیا گیا ہے، بلکہ بلا مہر کی حلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں ہبہ کا اختصاص نہیں ہے، بلکہ واہبہ کا اختصاص ہے۔(مرقاۃ:۶/۳۲۶)

فالتمس ولو خاتما: نکاح کی خواہش رکھنے والے شخص کے پاس چادر تک نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہر میں دینے کیلئے کچھ لے آؤ، کچھ نہ سہی تو ایک لوہے کی انگوٹھی ہی لے آؤ۔

مہر کی کم سے کم مقدار اور اختلاف ائمہ

اما شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی مقدار کی کوئی تحدید نہیں ہے، ہر وہ چیز جن پر زوجین راضی ہوجائیں اور جو عقد بیع میں عین بن سکتی ہو وہ چیز عقد نکاح میں مہر بن سکتی ہے۔

دلیل: ایک دلیل تو حدیث ہے جس میں مہر کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کی تاکید فرمائی، ظاہر بات ہے یہ بہت معمولی چیز ہے، معلوم ہوا کہ معمولی چیز بھی مہر بن سکتی ہے، اس کے علاوہ ترمذی میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، "تزوجت علی نعلین فاجازہ" میں نے دو جوتیوں کے عوض نکاح کیا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز قرار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو جوتیوں پر نکاح کو جائز قرار دیا ہے، مزید اس باب کے تحت بہت سی احادیث آرہی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم مال بھی مہر بن سکتا ہے۔

حنفیہ کا مذہب: احناف کے نزدیک کم سے کم مہر کی مقدار دس درہم ہے۔

دلیل: "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا مہر اقل من عشرۃ دراھم" دس درہم سے کم مہر نہ ہونا چاہئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی نقل ہوا ہے، "لا تقطع الید فی اقل من عشرۃ دراھم ولا یکون المھر اقل من عشرۃ دراھم" دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹا جائے اور نہ دس درہم سے کم مہر ہوگا۔(دارقطنی)

حنفیہ کی طرف سے دلیل عقلی کے طور پر یہ بات بھی پیش کی جاتی ہے کہ نکاح کے ذریعہ شوہر کو ملکیت "بضعہ" حاصل ہوتی ہے اور اس کے عوض میں مرد پر مہر واجب ہوتا ہے، شریعت نے ایک عضو کا عوض کم سے کم دس درہم مقرر کیا ہے۔ اس کا علم ہمیں اس بات سے ہوتا ہے کہ چور کم از کم جب دس درہم کی کوئی چیز چوری کریگا تب اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، لہٰذا مہر کی کم از کم مقدار بھی دس درہم ہوگی۔

جواب: شوافع وغیرہ جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان کا تعلق مہر معجل سے ہے، اہل عرب کی عادت تھی کہ دخول سے قبل کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور پیش کرتے تھے، جو کہ مہر معجل ہوتا تھا، اسکا ذکر حدیث باب میں بھی ہے، جیسا کہ ہمارے یہاں بھی رائج ہے کہ مہر شرعی کے علاوہ پہلی ملاقات کے وقت کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور دیتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۶/۳۲۷)

زوجتکھا بما معک من القرآن: مطلب یہ ہے کہ تمہارے قرآن کی سورتوں کے حافظ ہونے کی وجہ سے میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ نصاب علم تھا، مہر نہ تھا، اس کی نظیر عرف میں بھی ملتی ہے، کہا جاتا ہے کہ عالم ہونے کی بناء پر نکاح ہو رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ عالم ہونا مہر نہیں بلکہ سبب نکاح ہے۔

تعلیم قرآن پر نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا ایک صحابی سے نکاح کرتے ہوئے فرمایا تھا "زوجتکھا بما معك من القرآن" میں نے اس سے تیرا نکاح کر دیا اس قرآن کی وجہ سے جو تیرے ساتھ ہے۔ اس بات میں اختلاف ہوا ہے، کہ تعلیم قرآن کو مہر بنایا جاسکتا ہے یا نہیں، امام ابوحنیفہ وامام مالک کا مذہب اور امام احمد کی صحیح روایت یہ ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر نہیں بنایا جاسکتا ہے اگر اس کو مہر بنایا تو مہر مثل واجب ہوگا امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر بنایا جاسکتا ہے۔ (عمدۃ القاری: ۱۰/۴۵)

حنفیہ کی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے: "ان تبتغوا باموالکم" اس سے معلوم ہوا کہ مہر کا مال ہونا ضروری ہے اور تعلیم قرآن مال نہیں ہے لہٰذا اس کو مہر بنانا جائز نہ ہوا، شافعیہ حضرت

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں "زوجتکھا بما معك من القرآن" شافعیہ کے نزدیک بما معک میں باء بدلیت کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کے اندر قرآن کو عوض بنانا جائز ہے حنفیہ کی طرف سے اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱)...... یہاں باء بدلیت اور عوض کے لئے نہیں ہے بلکہ باء سببیت کی ہے یعنی چونکہ تمہیں قرآن کریم کی سورتیں یاد ہیں اس لئے تمہاری اس فضیلت کی بناء پر تمہارے ساتھ اس کا نکاح بغیر مہر معجل کے کیا جاتا ہے۔ (چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تخریج "باب خیر کم من تعلم القرآن وعلمه" تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن کریم کو سیکھے اور اس کو سکھائے، میں بھی کی ہے۔

(۲)...... اگر تسلیم کرلیں کہ باء عوض کے لئے ہے تو جواب یہ ہوگا کہ یہ اس شخص کی خصوصیت پر محمول ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ سعید بن منصور اور ابن السکن نے ابوالنعمان ازدی کی حدیث نقل کی ہے، "زوج رسول الله صلی الله علیه وسلم امرأة علی سورة من القرآن وقال لایکون لاحد بعدك مهرا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح قرآن کریم کی ایک سورۃ پر فرمایا اور ارشاد فرمایا: تیرے بعد یہ کسی کا مہر نہیں ہوگا۔ (حاشیۃ الکوکب الدری: ۳۳۲/۱، اشرف التوضیح: ۴۵۴/۲)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا عمومی مہر

{۳۰۵۲} وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ صَدَاقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقَهٗ لِاَزْوَاجِهٖ ثِنْتَیْ عَشَرَةَ اُوْقِيَةً وَنَشٌّ قَالَتْ اَتَدْرِیْ مَا النَّشُّ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ اَوْقِيَةٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِأَةِ دِرْهَمٍ۔ (رواه مسلم) وَنَشٌّ بِالرَّفْعِ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِیْ جَمِیْعِ الْاُصُوْلِ)

حواله: مسلم شریف: ۴۵۸/۱، باب الصداق، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۲۶۔

ترجمہ: حضرت ابوسلمۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا مہر تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر اپنی بیویوں کے لئے بارہ اوقیہ اور ایک "نش" تھا پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: تم جانتے ہو کہ نش کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا کہ آدھا اوقیہ، تو یہ کل پانچ سو درہم ہو گئے۔ (مسلم) شرح السنہ، اور اصول کی تمام کتابوں میں 'نش' نون کے پیش کے ساتھ ہے۔

تشریح: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ مہر بارہ اوقیے اور ایک نش تھا، نش نصف اوقیہ کا ہوتا ہے، ساڑھے بارہ اوقیے ہو گئے ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، اس حساب سے کل پانچ سو درہم بنتے ہیں، فصل ثانی کے شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد آرہا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاحوں میں بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر نہیں رکھا غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حذف کسر سے کام لیا ہے، حذف کسر عرب میں بہت زیادہ شائع تھا یاد رہے کہ یہ مقدار ان مہروں کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ادا کئے ہیں، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار ہزار درہم تھے لیکن وہ مہر نجاشی نے مقرر کیا تھا اور اسی نے ادا کیا تھا۔ (مرقاۃ:۶/۳۲۹)

{الفصل الثانی}

زیادہ مہر باعث فضیلت نہیں

{۳۰۵۳} **عَنْ** عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ اَلاَ لَا تُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا وَ تَقْوٰى عِنْدَ اللهِ لَكَانَ اَوْلَا كُمْ بِهَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلاَ اَنْكَحَ شَيْئاً مِنْ بَنَاتِهِ عَلٰى اَكْثَرَ مِنْ اثْنَتَيْ عَشَرَةَ اُوْقِيَّةً۔ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)

حواله: مسند احمد: ١/٤٠، ٤١/١، ابو داؤد شریف: ١/٢٨٧، باب الصداق، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ٢١٠٦، ابن ماجه شریف: ١٣٥، باب صداق النساء کتاب النکاح، حدیث نمبر: ١٨٨٧، دارمی: ٢/١٩٠، باب کم کانت مهور النساء الخ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ٢٢٠٠، ترمذی شریف: ١/٢١١، باب کتاب النکاح، حدیث نمبر: ٢٢٠٠۔

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ خبر دار عورتوں کا مہر بہت زیادہ مت مقرر کرو، اگر یہ دنیا میں عزت کی اور اللہ کے نزدیک تقوی کی بات ہوتی تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں سے زیادہ اس کے مستحق تھے، مجھے نہیں معلوم کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے کسی سے نکاح کیا ہو یا اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا نکاح کیا ہو بارہ اوقیہ سے زائد پر۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، دارمی، احمد)

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں کہ عورتوں کے مہروں کو زیادہ آگے مت بڑھاؤ اس لئے کہ مہر کی زیادتی اگر کوئی دنیوی عزت یا تقوی اور بزرگی کی چیز ہوتی تو پھر اس کے سب سے زیاد مستحق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کو بارہ اوقیہ سے زائد مہر نہیں عطا کیا ایسے ہی نہ آپ کی صاحبزادیوں میں سے کسی کو اس مقدار سے زائد مہر دیا گیا۔

مہر فاطمی کی مقدار

اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مہر اور مہر فاطمی دونوں یکساں اور برابر تھے یعنی پانچ سو درہم ہمارے عرف میں اس مہر کو مہر فاطمی کے ساتھ موسوم کرتے ہیں جس کی مقدار میں مفتیان کرام کا کسی قدر اختلاف ہے اس میں حضرت مفتی شفیع صاحب قدس سرہ کی تحقیق ہم یہاں نقل کرتے ہیں، حضرت مفتی صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ عورت کے مہر کی کم سے کم مقدار جو حنفیہ کے نزدیک دس درہم ہے دو تولے ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے اور مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہیں اس کی مقدار موجودہ روپیہ سے کہ (روپیہ کا وزن ساڑھے گیارہ ماشہ ہے) ایک سو چھتیس روپیہ پندرہ آنہ ساڑھے

تین پائی (بھر) چاندی ہوئی اور تولہ کے حساب سے (تولہ بارہ ماشہ کا ہوتا ہے) ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ بھر چاندی ہوئی لہٰذا اگر کوئی مہر فاطمی مقرر کرے تو چاندی کی مقدار مذکورہ مقرر کرے، اور اس چاندی کی مقدار کی قیمت اس وقت کی معتبر ہوگی جب مہر کی ادائیگی ہو۔ (منقول از حاشیہ بہشتی زیور اختری حصہ ۴، الدر المنضود ۴۸/۴)

اشکال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیادہ مہر باندھنے سے منع کیا ہے، حالانکہ قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے "فَاِنْ آتَیْتُمْ اِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا" اگر تم میں سے کسی نے اپنی بیوی کو بہت زیادہ مال بطور مہر کے دیا تو بھی اس میں سے واپس مت لو، آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ مہر مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جواب: قرآن مجید کی آیت کا تعلق نفس جواز سے ہے، اور حدیث باب میں فضیلت کا ذکر ہے، یعنی زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ مہر مقرر کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے۔

اثنی عشرة اوقیة: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور بیٹیوں کا مہر مقرر بارہ اوقیہ تھا۔

اشکال: گذشتہ حدیث میں ساڑھے بارہ اوقیہ کا ذکر ہے، جب کہ اس میں تذکرہ ہے کہ بارہ اوقیہ سے زائد نہ تھا۔

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عدد صحیح کو لیا ہے کسر کو شمار نہیں کیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس نصف اوقیہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اضافہ کیا ہے اس کا علم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہ ہو۔ (التعلیق: ۴۴/۴)

مہر معجل

{۳۰۵۴} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْطٰی فِیْ صَدَاقِ امْرَأَتِهٖ مِلْئَ كَفَّیْهِ سَوِیْقًا اَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ١/٢٨٧، باب قلۃ المہر، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ٢١١٠۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو مہر میں اپنی دونوں ہتھیلیاں بھر کے ستو یا کھجور دیا تو اس نے اپنی بیوی کو حلال کرلیا۔ (ابو داؤد)

تشریح: اس حدیث میں مہر سے مہر معجل مراد ہے، اہل عرب کے یہاں معمول تھا کہ رخصتی کے موقع پر شوہر بیوی کو کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور دیتا تھا، اس تحفہ کا تذکرہ ہے کل مہر کا ذکر نہیں ہے، چونکہ اہل عرب بغیر تحفہ دیئے شوہر کی عورت سے ملاقات کو معیوب سمجھتے تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھجور یا ستو کا تحفہ بھی پیش کر دیا تو مہر معجل ادا ہوگیا، لہٰذا ملاقات کرنے میں کوئی عیب نہیں ہے۔ (التعلیق: ٤/٤٤)

اقل مہر کی مقدار

اس بات پر اتفاق ہے کہ اکثر مہر کی کوئی مقدار نہیں ہے جتنا مقرر کرلیا جائے اس کی ادائیگی واجب ہوگی البتہ فخر ومباہات کے لئے زیادہ مہر مقرر کرنا درست نہیں اس بات میں اختلاف ہوا کہ اقل مہر کی کوئی تحدید ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنی ہے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقل مہر کی کوئی تحدید نہیں امام مالک کے نزدیک اقل مہر ربع دینار ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقل مہر دس درہم ہے، یہ یاد رہے کہ اگر مقررہ مقدار سے کم مہر مقرر کیا یا بالکل نہ مقرر کیا تو نکاح پھر بھی ہوجائے گا۔ (عمدۃ القاری: ٢/٢٥)

حنفیہ کی دلیل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لامہر اقل من عشرۃ دراھم" اس کی تخریج دارقطنی اور بیہقی نے کی ہے۔ اس حدیث کی سندوں میں بعض محدثین نے کلام کیا ہے لیکن محقق ابن الہمام فرماتے ہیں کہ میرے ایک صاحب حافظ ابن حجر عسقلانی سے ابن ابی حاتم کے حوالے سے اس حدیث کی ایک سند لائے ہیں جو درجہ حسن سے کم نہیں ابن الہمام نے وہ سند درج بھی کی ہے، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ صاحب ابن امیر الحاج ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں "لا مهر باقل من عشرة دارهم"۔ (مصنف ابن ابی شیبه: ۲/۱۸۸، جز ۴) اس حدیث کی سند پر بھی اگر چہ بعض نے کچھ کلام کیا ہے لیکن یہ بھی درجہ حسن سے کم نہیں۔ (عمدۃ القاری: ۲/۴۵۵، اعلاء السنن: ۱۱/۸۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں بعض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دس درہم یا ربع دینار سے کم پر نکاح کرنا آرہا ہے، ان سب کا ایک مشترکہ جواب تو یہ ہے کہ ان واقعات میں مہر معجل کا ذکر ہے، پورے مہر کا ذکر نہیں ہے، عرب میں عموماً رواج تھا کہ مہر معجل کے بغیر رخصتی نہیں کی جاتی تھی، بعض صحابہ کے پاس معجل طور پر دینے کیلئے زیاد مال نہیں ہوتا تھا، اس لئے تھوڑے سے مہر معجل پر رخصتی ہوجاتی تھی پورا مہر بعد میں اداء ہوتا رہتا تھا، اگر کسی کے پاس بالکل مال نہ ہوتو اس مہر معجل کی ادائیگی معاف فرما کر! فرمادیتے تھے کہ دلجوئی کیلئے اور خوش کرنے کے لئے قرآن کی چند سورتیں اس کو سکھادو بعد میں مہر ادا ہوتا رہے گا۔

بعض حضرات نے یہ بھی جواب دیا ہے کہ ابتداء اسلام میں مہر کی اقل مقدار کم تھی پھر آہستہ آہستہ زیادہ ہوتی رہی پہلے لوہے کی انگوٹھی بھی مہر بن سکتی تھی پھر ربع دینار ہوگئی اسی طرح بڑھتے بڑھتے استقرار دس درہم پر ہوا۔

زیر بحث حدیث میں ہے کہ جس نے ایک مٹھی ستو یا کھجوریں دیں "فقد استحل"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف استحلال کا ذکر ہے، یعنی استمتاع حلال ہوجائے گا، اس کے ہم بھی قائل ہیں، باقی بعد میں مہر پورا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں، نیز ہوسکتا ہے کہ حدیث میں مہر معجل مراد ہو، دخول سے پہلے کچھ مہر اداء کردینا مستحب ہے، مطلب یہ ہوگا کہ اتنا سا دینے سے بھی یہ استحباب پورا ہوجاتا ہے۔

بعض حدیثوں میں دو جوتوں پر نکاح کا ذکر آرہا ہے، اس کا ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جوتے کی قیمت کوئی معین نہیں جوتا بہت زیادہ قیمت کا بھی ہوسکتا ہے، حدیث میں تصریح نہیں کہ جن جوتوں کو مہر بنایا گیا تھا ان کی قیمت دس درہم سے کم ہی تھی۔ (اشرف التوضیح: ۲/۴۵۵)

ایک جوڑی جوتے پر نکاح

{۳۰۵۵} **وَعَنْ** عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِی فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلٰی نَعْلَيْنِ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَضِيْتِ مِنْ نَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ فَاَجَازَهٗ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۱۱، باب ماجاء فی مہور النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۱۳۔

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنی فزارہ کی ایک عورت نے دو جوتوں کے بدلہ میں نکاح کیا تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم اپنی مال داری کے باوجود اپنے آپ کو ایک جوڑی جوتی کے عوض سپرد کرنے پر راضی ہو؟ اس عورت نے کہا ہاں: تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو درست قرار دیا۔ (ترمذی)

تشریح: تزوجت علی نعلین: حدیث کے اس جز سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ استدلال کرتے ہیں کہ کم سے کم شئی بھی مہر بن سکتی ہے، دس درہم ضرور نہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک جوڑی جوتے پر نکاح ہوگیا، اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ اولاً تو یہ حدیث ضعیف ہے، ثانیاً مہر معجل پر محمول ہے، پھر اس کو مہر کل بنایا ہو تو اس کی بنا پر مہر مثل ہوا ہوگا، جس کو عورت نے معاف کر دیا ہوگا۔

مہر مثل کا وجوب

{۳۰۵۶} **وَعَنْ** عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا شَيْئاً وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكَسَ وَلَا شَطَطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيْرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانَ الْاَشْجَعِیُّ فَقَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا بِمِثْلِ مَا قَضَيْتَ فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

حوالہ: ابو داؤد: ۱/۲۸۸، باب فیمن تزوج و لم یسم صداقاً، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۱۵، ترمذی شریف: ۱/۲۰۷، باب ما جاء فی الرجل یتزوج المرأۃ فیموت، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۴۵، نسائی شریف: ۲/۷۳، باب اباحۃ التزوج بغیر صداق، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۳۵۵، دارمی: ۲/۲۰۷، باب الرجل یتزوج المرأۃ فیموت، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۴۶۔

ترجمہ: حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور کچھ بھی مہر مقرر نہ کیا اور اس سے صحبت کرنے سے پہلے ہی انتقال ہو گیا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عورت اپنی عورتوں کے برابر مہر کی حقدار ہے نہ اس میں کمی ہوگی اور نہ اس میں اضافہ، عدت بھی گذارے گی، اور اس کو میراث بھی ملے گی، حضرت معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ یہ سن کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں سے ایک عورت بروع بن واشق کے بارے میں اسی طرح کا فیصلہ فرمایا تھا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات پر بہت خوش ہوئے۔ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا نکاح کے کچھ روز بعد اس کا انتقال ہو گیا درانحالیکہ اس کی طرف سے نہ دخول پایا گیا نہ تسمیہ مہر تو ایسی صورت میں اس متوفی عنہا زوجہا کے لئے کیا ہوگا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ سوال سائل نے بار بار کیا وہ اس مسئلہ میں غور کرتے رہے ایک ماہ غور وفکر کے بعد انہوں نے یہ جواب دیا: "لها الصداق كاملا وعليها العدة ولها الميراث" اس کو مہر بھی کامل ملے گا اور اس پر عدت بھی ہوگی اور اس کو میراث بھی ملے گی۔

مسئلۃ الباب میں مذاہب ائمہ

مسئلہ مختلف فیہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تو یہی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس عورت کے لئے صرف میراث ہے مہر کچھ نہیں، حضرت امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول تو یہی ہے دوسرا قول ان سے یہ منقول ہے، کہ انہوں نے فرمایا: "لو صح حدیث بروع لقلت بہ" بذل میں ہے "قال الحاکم شیخنا ابوعبداللہ لوحضرت الشافعی لقمت علی رؤس الناس وقلت وقد صح الحدیث فقل بہ"

فائدہ: جاننا چاہئے کہ اس مسئلہ کی مختلف شقوق ہیں جس کی تفصیل یہ ہے: "ان طلقھا قبل الدخول (والخلوۃ الصحیحۃ فی حکم الدخول) ولم یسم لھا مھر فلیس لھا مھر بل المتعۃ فقط والمتعۃ ھی الکسوۃ، والدرع والخمار والملحفۃ وان کان سمی لھا المھر ولم یدخل بھا حتی طلقھا فحینئذ لھا نصف المسمی، قال تعالیٰ وان طلقمتوھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم ولولم یسم المھر لکن دخل بھا اومات عنھا فلھا مھر مثلھا کاملا فالحاصل ان فی صورۃ الدخول او موت الزوج کمال المھر وان لم یسم المھر وان لم یوجد الموت ولا الدخول بل الطلاق فحینئذ فی صورۃ التسمیۃ نصف المسمی، وفی صورۃ عدم التسمیۃ لا مھر مطلقا بل المتعۃ فقط" (ملخصا من مختصر القدوری)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: حدیث حسن صحیح، "والعمل علی ھذا عند بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم، وبہ یقول الثوری واحمد واسحاق، وقال بعض اھل العلم منھم علی بن ابی طالب وزید بن ثابت وابن عباس وابن عمر اذا تزوج الرجل امرأۃ ولم یدخل بھا ولم یفرض لھا صداقا حتی مات قالوا لھا المیراث ولا صداق لھا وعلیھا العدۃ وھو قول الشافعی، وقال ولو ثبت حدیث بروع بنت واشق لکانت الحجۃ فیہ وروی عن الشافعی انہ رجع بمصر عن ھذا القول وقال بحدیث بروع بنت واشق" (الدر المنضود: ۴/۵۵، مرقاۃ: ۶/۳۲۶)

{الفصل الثالث}

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر کی مقدار

{۳۰۵۷} عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِاَرْضِ الْحَبْشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمْهَرَهَا عَنْهُ اَرْبَعَةَ آلَافٍ وَفِي رِوَايَةٍ اَرْبَعَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا اِلىٰ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيْلِ بْنِ حَسَنَةَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۸۷/۱، باب الصداق، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۰۷، نسائی شریف: ۷۳/۲/۷۲، باب القسط فی الا صدقۃ، کتاب الا صدقۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۳۵۰۔

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ وہ عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں، سرزمین حبشہ میں ان کا انتقال ہوگیا، تو ان کا نکاح نجاشی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کردیا، اور ان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار ہزار عطا کیا، اور ایک روایت میں ہے کہ چار ہزار درہم عطا کیا اور ان کو شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا قصہ

یہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہما ہیں جو پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں جو شروع میں مکہ مکرمہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے، اور پھر دونوں ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے اور وہاں جا کر یہ عبداللہ

مرتد ہوئے اور دین نصاری کی طرف چلے گئے جیسا کہ شراح نے لکھا ہے کہ "ثم ارتد عن الاسلام وتنصر" اور اسی حال میں وہاں ان کا انتقال ہوگیا، یہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے اسلام پر قائم رہیں وہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: یاام المؤمنین! جس پر میں فوراً چونک گئی میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں شامل ہوں گی، چنانچہ انقضاء عدت کے بعد نجاشی کی طرف سے قاصد ہونے کی حیثیت سے اس کی ایک باندی میرے پاس پہنچی اور اس نے آکر مجھ سے یہ کہا کہ شاہ حبشہ نے یہ فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے میرے پاس والا نامہ پہنچا ہے "کتب الیّ ان ازوجك منه" پھر آگے یہ کہ وکیل بالنکاح کون بنا اس میں روایات مختلف ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ خود نجاشی بنے اور کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ "وقیل خالد ابن سعید بن العاص وکان ولیا لها" ان اقوال میں سے ایک قول کے مطابق نجاشی کا خطبہ اس طرح منقول ہے "الحمد لله الملك القدوس السلام، المؤمن المهيمن العزيز الجبار واشهد ان لا اله الا الله وحده وان محمداً عبده ورسوله وانه الذی بشر به عیسیٰ بن مریم، اما بعد الی آخر ما فی البذل" یہ واقعہ ۷ ہجری کا ہے اس نکاح میں حضرت ام حبیب رضی اللہ عنہا کا مہر جو شاہ حبشہ نے اسی مجلس میں پیش کیا جس کی مقدار چارسو دینار اور ایک روایت میں چار ہزار درہم وارد ہے، نکاح کے بعد نجاشی نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ جناب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ فرمادیا حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔ یہ نکاح کا واقعہ حنفیہ کی دلیل ہوسکتا ہے ولایت فی النکاح کے بارے میں کہ حرہ بالغہ اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، اس لئے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا وہاں کوئی ولی نہیں تھا اور روایت کے الفاظ اگرچہ یہ ہیں، "زوجها النجاشی" جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ متولی نکاح نجاشی ہوئے تھے، بذل میں لکھا ہے "والنجاشی لیس بولی لها فلا یثبت اشتراط الولی فی النکاح، اویقال ان النجاشی کان سلطان والسلطان ولی من لا ولی له فعقده عقد الولی" لیکن اس دوسری صورت میں یہ واقعہ حنفیہ کی دلیل نہیں ہوگا۔ پھر آگے، بذل میں یہ ہے کہ وہ جو بعض لوگ کہتے ہیں خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ متولی نکاح بنے تھے اور وہ فی الواقع حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ولی تھے "فلم یثبت بطریق صحیح" (الدر المنضود: ۳۸/ ۴، بذل، مرقاۃ: ۳۳۳/ ۶)

قبولیت اسلام کو مہر بنانا

{۳۰۵۸} وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ تَزَوَّجَ اَبُوْ طَلْحَۃَ فَکَانَ صِدَاقُ مَابَیْنَہُمَا الْاِسْلَامَ اَسْلَمَتْ اُمُّ سُلَیْمٍ قَبْلَ اَبِیْ طَلْحَۃَ فَخَطَبَہَا فَقَالَ: اِنِّیْ قَدْ اَسْلَمْتُ فَاِنْ اَسْلَمْتَ نَکَحْتُكَ فَاَسْلَمَ فَکَانَ صَدَاقَ مَابَیْنَہُمَا۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۲/ ۱۷، باب الزوج علی الاسلام، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۳۴۰۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم سے شادی کی تو ان دونوں کے درمیان مہر اسلام تھا، ام سلیم نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام قبول کیا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم کو نکاح کا پیغام دیا تو ام سلیم نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اگر تم قبول کرلو تو میں تم سے نکاح کرلوں گی، چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا، تو اسلام ان دونوں کے درمیان مہر ہوا۔ (نسائی)

تشریح: ام سلیم رضی اللہ عنہا (والدہ حضرت انس رضی اللہ عنہ) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوگئیں تھیں، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو پیغام دیا ام سلیم نے کہا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں تم بھی مسلمان ہو جاؤ، چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو گئے، اور ان کا آپس میں نکاح ہو گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کا مہر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اسلام تھا، اسلام نکاح کا مہر بن سکتا ہے یا نہیں؟ شافعیہ کے نزدیک بن سکتا ہے، حنفیہ کے نزدیک نہیں، حنفیہ کی طرف سے اس روایت کا جواب یہ ہے کہ "وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ" کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے بھی پہلے کا واقعہ ہے، کیونکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اسلام اور ان کا ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح قریب قریب واقعات ہیں اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، بلکہ یہ بیعت عقبہ میں شریک تھے، اور سورہ نساء جس میں مذکورہ بالا آیت ہے باتفاق مدنی ہے معلوم ہوا یہ واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہے لہٰذا یہ منسوخ ہے۔ (اعلاء السنن: ۸۴/ ۱، اشرف التوضیح: ۴۵۷/ ۲)

{باب القسم}

باری مقرر کرنے کا بیان

اس باب کے تحت کل نو روایتیں درج کی گئی ہیں جو ایک سے زائد عورتوں میں باری مقرر کرنے کی تاکید اور خلاف ورزی میں وعید وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

قسم کے لغوی معنی: قسم قاف کے فتحہ اور سین کے سکون کے ساتھ مصدر ہے جسکے معنی شرکاء کے درمیان تقسیم کرنا اور ہر ایک کا حصہ متعین کرنا ہے۔ اور یہاں اس سے مراد متعدد بیویوں کے درمیان شب باشی، کھانے پینے اور کپڑے وغیرہ عطیات میں برابری کرنا ہے۔

قسم کی شرعی حیثیت

اگر کسی شخص کی ایک سے زیاد بیویاں ہوں تو خاوند پر ضروری ہے کہ ان میں باریاں تقسیم کرے، جتنی راتیں ایک کے پاس گذارے اتنی ہی راتیں دوسری کے پاس گذارے۔ امت پر بالاتفاق قسم واجب ہے آنحضرت ﷺ پر بھی قسم واجب تھا یا نہیں؟ دونوں رائیں ہیں مختار یہ ہے کہ آپ پر قسم واجب تو نہ تھا لیکن تبرعا اس کی پابندی فرمایا کرتے تھے۔

اور قسم کو قرآن نے عدل سے تعبیر کیا ہے، فرمایا: "وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ" اور عورتوں کے درمیان مکمل برابری رکھنا تمہارے بس میں نہیں، چاہے تم ایسا چاہتے بھی ہو۔ اور یہی آیت اس کے وجوب کی دلیل ہے، نیز دوسری آیت ہے "فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً" ہاں اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط" جب کسی شخص کے پاس دو عورتیں

ہوں اور وہ ان کے درمیان انصاف نہ کرے وہ بروز قیامت اس حال میں آئے گا کہ اس کی ایک جانب ساقط (فالج زدہ) ہوگی۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

قسم کا وجوب کن چیزوں میں ہے

عورتوں کے درمیان عدل ومساوات کا جو حکم ہے وہ اختیاری معاملات میں انصاف کرنا واجب ہے، اور جو معاملات غیر اختیاری ہیں جیسے محبت مؤدت اس میں برابری ضروری نہیں ہے، کیونکہ دل پر کسی کا اختیار نہیں، خود حضرت نبی کریم ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی اور آنحضرت ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ جو باتیں میرے اختیار میں ہیں ان میں برابری کرتا ہوں مگر جو بات میرے بس میں نہیں آپ کے بس میں ہے اس پر میرا مواخذہ نہ فرمائیں، معلوم ہوا کہ محبت میں برابری ضروری نہیں ہے اسی طرح جماع میں بھی کیونکہ اس کا مدار نشاط پر ہے اس لئے اس میں برابری کرنا واجب نہیں ہے ہاں مستحب ہے۔

کیا باری میں قدیمہ اور جدیدہ میں کوئی فرق؟

اگر کسی شخص کی ایک یا اس سے زیادہ بیویاں ہوں وہ نیا نکاح کرے تو اب قدیمہ اور جدیدہ میں باریوں کے تقسیم کے معاملہ میں کوئی امتیاز بھی ہوگا یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک کوئی امتیاز نہیں ہوگا جتنے دن نئی بیوی کو دینے ہیں اتنے ہی دن دوسری کو دینے پڑیں گے، دوسرے ائمہ کے نزدیک جدیدہ اگر باکرہ ہو تو اس کو سات دن ملیں گے اور اگر ثیبہ ہے تو تین دن ملیں گے، اس کے بعد باری شروع ہوگی، وہ حضرات حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، "من السنة اذا تزوج الرجل البكر على الثيب اقام عندها سبعا وقسم واذا تزوج الثيب اقام عندها ثلاثا وقسم" سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص بیوی کے ہوتے ہوئے کنواری سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات دن قیام کرے اور پھر باری مقرر کرے اور جب بیوہ سے نکاح کرے اس کے پاس تین دن قیام کرے اور پھر باری مقرر کرے۔ ہمارے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مناسب یہ ہے کہ جدیدہ

با کرہ کو سات دن دیدے لیکن باقیوں کو بھی پھر سات دن دے ایسے ہی جدیدہ ثیبہ کے پاس تین دن رہ کر باقیوں کے پاس بھی تین تین دن رہے۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم نے بیویوں میں عدل کا مطلقاً حکم دیا ہے اس میں جدیدہ یا قدیمہ کی کوئی قید نہیں ہے، ایسے ہی حدیثوں میں بھی عدل اور تسویہ نہ کرنے پر وعیدیں بیان کی گئیں ہیں اور کوئی جدیدہ یا قدیمہ کی قید نہیں ہے۔ (اشرف التوضیح: /۲)

قسم سے متعلق دیگر مسائل

(۱)......ایک بیوی کی باری میں دوسرے کے وہاں ٹھہرنا ناجائز ہے اور دو عورتوں کو ایک رات میں جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے، البتہ وہ خود اجازت دیں یا رضامندی کا اظہار کریں تو جائز ہے۔

(۲)...... باقی آنحضرت ﷺ کا ایک رات میں اپنی ازواج رضی اللہ عنہم سے صحبت کرنا اس وقت کی بات ہے جب کہ باری لازم نہ تھی، یا تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کی اجازت سے ایسا کیا تھا۔

(۳)......مسلک احناف تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر باری مقرر کرنا واجب نہ تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے مہربانی و شفقت اور بطور تفضل باری مقرر فرمارکھی تھی۔ واللہ اعلم

(۴)......حالت سفر میں خاوند پر لازم نہیں ہے کہ عورتوں کے مابین باری مقرر کرے بلکہ جس بیوی کو چاہے ساتھ لے جاسکتا ہے البتہ اولیٰ یہ ہے کہ ان کے مابین قرعہ اندازی کرے اور جس کا نام قرعہ میں نکلے اس کو ساتھ لے جائے۔

(۵)......مقیم کے حق میں باری کا اصل تعلق رات سے ہے دن اس کے تابع ہے، اگر کوئی شخص رات کو کسی کام میں مشغول رہتا ہو مثلاً چوکیداری وغیرہ کرتا ہے تو اس کے حق میں دن کی باری کا اعتبار ہے، کتب فقہ میں باری کے مفصل احکام مذکور ہیں۔

(۶)......عورتوں کے پاس رات کے رہنے، لباس اور کھانے میل جول میں برابری کرنا ضرور ہے البتہ جماع اور محبت میں برابری ضروری نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

(۷)......عورت کا حق ایک بار جماع سے ساقط ہو جاتا ہے۔

(۸)......دیانۃً کبھی کبھی جماع کرنا واجب ہے۔

(۹)......ایلاء کی مدت (یعنی چار ماہ) کی مقدار جماع کو ترک نہ کرے البتہ اگر کثرت جماع بیوی کے لئے ضرررساں ہو تو پھر اس کی طاقت سے زیادہ جماع نہ کیا جائے۔

(۱۰)......ایک بیوی کی پاس ایک دن رات رہے مگر رات میں برابری ضروری ہے یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے باری والی بیوی کے علاوہ دوسری بیوی سے غروب کے بعد جماع کیا اور دوسری کے پاس عشاء کے بعد گیا تو اس نے باری کی تقسیم کے سلسلہ میں خلاف ورزی کا ارتکاب کیا۔

(۱۱)......جس بیوی کی باری ہو اس کے علاوہ دوسری سے اس کی باری میں جماع نہ کرے اور دوسری بیوی کے پاس اس کی باری کے بغیر رات کو عیادت کے علاوہ نہ جائے یعنی اگر بیوی بیمار ہو تو عیادت کے لئے اس کی باری کے بغیر بھی اس کے پاس جا سکتا ہے اور بیماری کی شدت ہو جانے پر اگر اسی بیوی کے پاس حصول شفاء تک رہے تو کچھ حرج نہیں۔

(۱۲)......اسی طرح اشتداد مرض میں وفات تک اس کے پاس رہ سکتا ہے اور یہ بیماری میں زیاد قیام والی بات اس صورت میں ہے جب کہ اس کا کوئی تیماردار نہ ہو۔

(۱۳)......اگر کوئی خاوند اپنے گھر بیمار ہو تو ہر بیوی کو اس کی باری میں بلائے۔(درمختار، اشرفی مظاہر حق ۴/۳۸۲)

{الفصل الاول}

حرم نبوت میں باری کی تقسیم

{۳۰۵۹} **عَنْ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُبِضَ عَنْ تِسْعِ نِسْوَۃٍ وَکَانَ یَقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۵۸/۲، باب کثرۃ النساء، کتاب النکاح، حدیث

نمبر:۵۰۶۷، مسلم شریف: ۲/۴۷۳، باب جواز ھبتھا ثوبتھا، کتاب الرضاع، حدیث نمبر:۱۴۶۵۔

حل لغات: قبض فلان: روح قبض ہونا، کرنا مرنے کے قریب ہونا، عن: بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، بعمنی ترک بھی ہیں جیسے "مات عن ولدین: دولڑکے چھوڑ کر مرا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وصال کے وقت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواج مطہرات تھیں، اوران میں سے آٹھ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باریاں مقرر فرمارکھی تھیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قبض عن تسع نسوۃ: جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں، ان کے نام یہ ہیں، (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (۳) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (۴) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (۵) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (۶) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا (۷) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (۸) زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا (۹) حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کی تعداد گیارہ ہے، لیکن دو بیویاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور زینب بنت خزاعہ رضی اللہ عنہا کا انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں ہوگیا تھا، اس لئے ان کے علاوہ جونو بیویاں تھیں ان کا یہاں ذکر ہے، ان نو میں سے ایک حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری اپنی خوشی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی، لہٰذا باری آٹھ بیویوں کے درمیان مقرر تھی۔

بیک وقت چار سے زائد نکاح کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیک وقت چار سے زائد نکاح کرنا جائز تھا، اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اگرچہ بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا لازم نہ تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باری مقرر کررکھی تھی۔

011

چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا

اسلام سے پہلے جو شخص جتنے نکاح کرنا چاہتا تھا سب کو آزادی تھی، قرآن نے چار سے زائد عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے پر پابندی عائد کی اور فرمان رسالت نے اس کو اچھی طرح واضح کیا، قیس بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے چار کو رکھ لو اور باقی کو طلاق دے دو۔ (ابوداؤد)

تعدد ازدواج کی حکمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سراپا رحمت ہے اور برکت ہے امت کی تعلیم وتبلیغ کی دینی ضرورت کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرت ازواج ایک ضروری امر تھا۔ پھر چونکہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں نبی کی رہبری کی ضرورت نہ ہو، نماز باجماعت سے لے کر بیویوں کے تعلقات آل واولاد کی پرورش اور پاخانہ، پیشاب اور طہارت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی وفعلی ہدایات سے کتب حدیث بھری پڑی ہیں، اندرون خانہ کیا کیا کام کیا، بیویوں سے کیسے میل جول رکھا گھر میں آکر مسائل پوچھنے والی عورت کو کیا کیا جواب دیا اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ذریعہ ہی امت کو رہنمائی ملی، صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احکام ومسائل اخلاق وآداب اور سیرت نبوی سے متعلق دو ہزار دو سو روایات مروی ہیں جو کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے فتاوی جمع کئے جائیں جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دیئے ہیں، تو ایک رسالہ مرتب ہوسکتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روایت و درایت اور فقہ وفتاویٰ میں جو مرتبہ ہے وہ محتاج بیان نہیں، ان کے شاگردوں کی تعداد لگ بھگ دو سو ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلسل ۴۸ رسال علم دین پھیلایا، بطور مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیویوں کا حال مجمل لکھ دیا ہے، دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی روایات بھی مجموعی حیثیت سے کافی تعداد میں موجود ہیں، ظاہر ہے کہ اس

تعلیم وتبلیغ کا نفع صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم سے پہنچا، انبیاء کرام علیہم السلام کے مقاصد بہت بلند اور پورے عالم کے انفرادی واجتماعی خانگی وملکی اصلاحات فکروں کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں، وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کرسکتے ہیں، اسی کے نتیجہ میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین ومستشرقین نے اپنی ہٹ دھرمی سے فخر دوعالم ﷺ کے تعدد ازدواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دیا ہے، اگر حضور ﷺ کی سیرت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو ایک ہوش مند منصف مزاج کبھی بھی آنحضرت ﷺ کی کثرت ازدواج کو اس پر محمول نہیں کرسکتا آنحضرت ﷺ کی معصوم زندگی، قریش مکہ کے سامنے اس طرح گذری کہ پچیس سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ چالیس سالہ صاحب اولاد بیوہ (جس کے شوہر فوت ہوچکے تھے) سے عقد کرکے عمر کے پچیس سال تک انہیں کے ساتھ گذارہ کیا، وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ بھر گھر چھوڑ کر غار حرا میں مشغول عبادت رہتے تھے، دوسرے نکاح جتنے ہوئے وہ پچاس سال عمر شریف کے بعد ہوئے، یہ پچاس سالہ زندگی اور عنفوان شباب کا سارا وقت اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا کسی بھی دشمن کو آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا، جو تقویٰ وطہارت کو مشکوک کرسکے، آنحضرت ﷺ کے دشمنوں نے آنحضرت ﷺ پر ساحر، شاعر، مجنون، کذاب، مفتری جیسے الزامات لگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن آنحضرت ﷺ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی نفسانی جذبات کی بے راہ روی سے ہو، ان حالات میں کیا یہ بات غور طلب نہیں ہے کہ جوانی کے پچاس سال اس زہد وتقوی اور لذائذ دنیا سے یکسوئی میں گذارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا، جس نے اخیر عمر میں آپ ﷺ کو متعدد نکاحوں پر مجبور کیا اگر دل میں ذرا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے سوا نہیں بتائی جاسکتی، جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کثرت ازواج کی حقیقت کو بھی سن لیجئے کہ کس طرح وجود میں آئی؟ پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی زوجہ رہیں، ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، مگر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تو آنحضرت ﷺ کے گھر تشریف لے آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صغرسنی کی وجہ سے اپنے والد کے گھر رہیں، پھر چند سال کے بعد (۲ھ) میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی عمل میں آئی، اس

وقت آنحضرت ﷺ کی عمر (۵۴) چون سال ہو چکی تھی، اور دو بیویاں اس عمر میں آ کر جمع ہوئیں ہیں، یہاں سے تعدد ازواج کا معاملہ شروع ہوا، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بن خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، اور اٹھارہ ماہ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی، ایک قول کے مطابق تین ماہ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں زندہ رہیں پھر (۴ رھ) میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، پھر (۵ رھ) میں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر شریف اٹھاون سال ہو چکی تھی، اور اتنی بڑی عمر میں آ کر چار بیویاں جمع ہوئیں، حالانکہ امت کو جس وقت چار بیویوں کی اجازت ملی تھی، اس وقت ہی آنحضرت ﷺ کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں کیا، اس کے بعد (۶ رھ) میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اور (۷ رھ) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اور ۷ رھ) ہی میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اور پھر اسی سال حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا خلاصہ یہ کہ چون سال تک آنحضرت ﷺ نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گذارہ کیا، یعنی پچیس سال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اور چار پانچ سال حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گذارے پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں، اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم دو تین سال کے اندر حرم نبوت میں آئیں اور یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ان سب بیویوں میں صرف ایک ہی ایسی تھیں جن سے کنوارہ پن میں نکاح ہوا، یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے علاوہ باقی سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم بیوہ تھیں، جن میں بعض کے دو دو شوہر پہلے گذر چکے تھے، اور یہ تعداد بھی اخیر عمر میں جمع ہوئی ہے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مرد وعورت سب آنحضرت ﷺ کے جان نثار تھے نیز یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سرور دوعالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی تھے، نبی صاحب ہوا وحوس نہیں ہوتا، جو کچھ کرتا ہے اذن الٰہی سے کرتا ہے، نبی ماننے کے بعد یہ اعتراض ہی ختم ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کو نبی مانتے ہی نہیں اور یہ الزام لگائے کہ آنحضرت ﷺ نے محض شہوت پرستی کی وجہ سے اپنے لئے کثرت ازدواج کو جائز رکھا تھا تو اس شخص سے کہا جائے گا کہ اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت ﷺ اپنے حق میں کثرت ازدواج کے معاملہ میں اس پابندی کا اعلان کیوں فرماتے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت "لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنۢ بَعْدُ" اس کے بعد دوسری عورتیں

تمہارے لئے حلال نہیں ہیں۔(سورۃ الاحزاب) میں موجود ہے اپنے حق میں اس پابندی کا اعلان اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ کیا اپنے رب کے اذن سے کیا۔(معارف القرآن جلد دوم)

آنحضرت ﷺ پر باری کا وجوب

احناف کا محقق قول یہ ہے کہ آپ پر عدل واجب نہ تھا" کما قال اللہ تعالیٰ تُرْجِیْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْ اِلَیْكَ" ان بیویوں میں سے تم جس کی باری چاہو ملتوی کردو، اور جس کو چاہو اپنے پاس رکھو۔ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اختیار ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں جس کو چاہیں مؤخر کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے قریب کریں، یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خصوصی حکم ہے، بقیہ امت کے افراد کے لئے جب متعدد بیویاں ہوں تو سب میں برابری کرنا لازم ہے، اس کے خلاف کرنا حرام ہے، برابری سے مراد، نفقہ کی برابری اور شب باشی میں برابری کہ جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گذاریں اتنی دوسری اور تیسری کے ساتھ گذارنا چاہیئے، کمی بیشی ناجائز ہے، مگر حضرت نبی کریم ﷺ کو اس معاملہ میں مکمل اختیار دیا گیا، سب ازواج میں برابری کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس استثناء واجازت کے باوجود اپنے عمل میں ہمیشہ برابری کرنے کا التزام ہی فرمایا امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حدیث کی روایت یہی ہے کہ جناب حضرت نبی کریم ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں برابری کی رعایت ہمیشہ رکھتے تھے۔ پھر اپنی اسناد کے ساتھ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث نقل کی ہے، جو کہ مسند احمد، نسائی، ابوداؤد، وغیرہ میں بھی موجود ہے، "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقسم فیعدل فیقول اللھم ھٰذا قسمی فیما املك فلا تلمنی فیما لا املك، قال ابوداؤد یعنی القلب"

رسول اللہ ﷺ سب ازواج میں برابری فرماتے تھے اور یہ دعا فرمایا کرتے تھے، کہ یا اللہ جس چیز میں میرا اختیار ہے، اس میں تو میں نے برابری کر لی، یعنی نفقہ اور شب باشی وغیرہ مگر جس میں میرا اختیار نہیں اس معاملہ میں مجھے ملامت نہ فرمایئے، (میرے دل کی محبت ہے، کسی سے زیادہ کسی سے کم

ہونا اس کا اختیار نہیں) اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ اگر حضرت رسول اللہ ﷺ کو کسی کی باری میں ان کے یہاں جانے میں کوئی عذر رہوتا تو آنحضرت ﷺ ان سے اجازت لے لیتے جب کہ یہ آیت بھی نازل ہو چکی تھی، "تُؤْوِیْ اِلَیْكَ الاٰیة"۔ جس میں بیویوں میں برابری کرنے کا فرض آنحضرت ﷺ سے معاف کر دیا گیا تھا یہ حدیث بھی سب کتب حدیث میں موجود ہے کہ مرض وفات میں جب آنحضرت ﷺ کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے گھروں میں روزانہ منتقل ہونا مشکل ہو گیا، تو آنحضرت ﷺ نے سب سے اجازت حاصل کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بیماری کے دن گذارنا اختیار فرمایا تھا، انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید الانبیا ﷺ کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جن کاموں میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت آنحضرت ﷺ کی آسانی کے لئے دی جاتی تو اس کی شکر گذاری کے طور پر آنحضرت ﷺ عموماً عزیمت پر ہی عمل فرماتے تھے، اور رخصت کو صرف ضرورت کے وقت استعمال فرماتے تھے۔ (فیض المشکوۃ: ۱۴۸/ ۱۴۹/ ۶)

بیوی اپنی باری دوسری کو ہبہ کر سکتی ہے

{۳۰۶۰} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّ سَوْدَةَ لَمَّا کَبُرَتْ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ جَعَلْتُ یَوْمِیْ مِنْكَ فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْسِمُ لِعَائِشَةَ یَوْمَیْنِ یَوْمَھَا وَیَوْمَ سَوْدَةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/ ۷۸۵، باب المرأة تھب یومھا، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۱۲، مسلم شریف: ۴۷۳، باب جواز ھبتھا نوبتھا، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۴۶۳۔

حل لغات: کبر: بالکسر، عمر رسیدہ ہونا، بڑی عمر کا ہونا، قسم: تقسیم کرنا، دو حصہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جب بوڑھی ہو گئیں، تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے اپنی باری کا دن جو کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے

میرے لئے مقرر ہے عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیدیا، چنانچہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دو دن عطا فرماتے تھے، ایک دن ان کی باری کا اور ایک دن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی باری کا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے مکہ مکرمہ میں نکاح ہوا تھا یہ اس موقع کی بات ہے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابھی نکاح نہیں ہوا تھا، (۲) اگر کوئی بیوی اپنی باری کسی سوکن کو بخش دے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ خاوند کی طرف سے اس پر جبر وغیرہ نہ ہو۔ اگر اپنی باری بخشنے والی اپنی باری کو رجوع کر کے لوٹانا چاہے تو درست ہے۔

جَعَلْتُ يَوْمِيْ مِنْكَ لِعَائِشَةَ: میں نے اپنی باری عائشہ کو دیدی، کا مطلب ایک بیوی اپنی باری اپنی سوکن کو دے سکتی ہے، اب شوہر اس کو انصاف سے تقسیم کرے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ موہوبہ اس باری میں واہبہ کے درجہ میں ہوگی، چنانچہ واہبہ کا دن موہوبہ کے حصہ میں آئے گا، مثلا موہوبہ کی اپنی باری دوسرے دن اور واہبہ کی باری کا چوتھا، دن ہے، تو موہوبہ کو اب دو دن ملیں گے، یعنی دوسرا اور تیسرا، کیونکہ اس صورت میں دوسری سوکنوں کا حرج ہوگا، ہاں اگر موہوبہ کی باری کا دن واہبہ کی باری کے ساتھ متصل ہو، تو پھر موہوبہ کو دو دن متصل ہو جائیں گے۔

اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بیوی کیلئے ایک رات و دن مقرر کر رکھا تھا، اس بناء پر بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ باری کے سلسلہ میں ایک رات و دن سے زیادہ مدت کسی ایک بیوی کو نہ دی جائے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک رات و دن کا حساب بہتر ہے، لیکن دو اور تین دن کے حساب سے بھی باری لگانے کی گنجائش ہے، حنفیہ کے نزدیک اس میں تحدید اور تعیین نہیں ہے، بلکہ شوہر اور بیویوں کی رضامندی اور مشورہ پر موقوف ہے، (کشف الباری: بحوالہ عمدۃ القاری)

باری عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتظار

{۳۰۶۱} **وَعَنْهَا** اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْأَلُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ اَيْنَ اَنَا غَدًا اَيْنَ اَنَا غَدًا يُرِيْدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَاَذِنَ لَهُ

أَزْوَاجُهُ يَكُوْنُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِيْ بَيْتِ عَائِشَةَ حَتّٰى مَاتَ عِنْدَهَا۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۸۵، باب اذا استأذن الرجل نسائه، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۱۷۔

حل لغات: مات موتاً (ن) ازواج: واحد، زوج۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الوفات میں دریافت فرماتے تھے، کہ کل میں کہاں رہوں گا کل میں کہاں رہوں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کب آئے گی؟ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اجازت دیدی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہیں رہیں، اس کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ ان ہی کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ (بخاری)

تشریح: کان یسئل فی: سوال کی یہ تکرار فطری ہے (یرید) یعنی اس سوال کے ذریعہ (یوم عائشہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نسبتاً محبت زائد تھی اس لئے آپ کو ان کے گھر رہنے کی باری کا انتظار تھا، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "یرید یوم عائشة" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "این انا غداً" کی تفسیر ہے اس لئے یہ استفہام دوسری امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہنے کی اجازت حاصل کرنے کے طور پر تھا اور اس کی دلیل یہ جملہ "فاذن له ازواجه حیث شاء" دوسری امہات المؤمنین نے آپ کو اس بات کی اجازت دیدی کہ جہاں چاہیں وہاں قیام فرمائیں۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۳/۴۵۶)

ایام مرض میں کسی ایک بیوی کے پاس ٹھہرنا

معلوم ہوا کہ آدمی بیماری کے ایام کسی ایک بیوی کے پاس دیگر بیویوں کے اجازت سے گذارے تو درست ہے اور یہ عدل کے منافی نہیں ہے یہیں سے بعض لوگ اس بات پر استدلال کرتے

ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر ازواج مطہرات کے درمیان راتوں کی تقسیم واجب تھی، حضرات حنفیہ ومالکیہ عدم وجوب کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ کے مذکورہ عمل کو ازواج مطہرات کی دل داری پر محمول کرتے ہیں۔ (فیض المشکوۃ:۶/۱۵۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبوبیت اور اس کی وجہ

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بالمقابل حضور انور ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ محبوب اور پسند خاطر تھیں، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس سے واقف تھے، اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے پاس ہدایا وغیرہ عموماً اسی دن بھیجنے کا زیادہ اہتمام کرتے تھے جس دن ان کے یہاں آنحضرت ﷺ کی باری ہوا کرتی تھی، یہ چیز دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے گرانی کا باعث ہوتی تھی، اور اس میں وہ اپنی ہتک محسوس کرتی تھیں، مگر اس معاملہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے کسی کو لب کشائی کی ہمت نہ تھی، ذہانت وذکاوت اور علمی وقار کے اعتبار سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج میں ممتاز تھیں، اور مذکورہ صفات کا حامل ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے یہاں انہیں بھی خصوصی امتیاز حاصل تھا۔

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے ان کو اس کے لئے آمادہ کرلیا کہ مذکورہ مسئلہ میں وہ آنحضرت ﷺ سے بات کریں، انہوں نے نہایت متانت وسنجیدگی کے ساتھ موقع بموقع اپنی باری کے ایام میں تین مرتبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ازواج کی درخواست پیش کی، مگر آنحضرت ﷺ خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا، جب تیسری مرتبہ انہوں نے عرض کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ام سلمہ رضی اللہ عنہا! عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مجھے دق نہ کرو، اور یہ یاد رکھو کہ اس کے علاوہ تم میں سے کسی اور کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ "وعن عروۃ انہ قال: کان الناس یتحرون بھدایاھم یوم عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت عائشۃ فاجتمع صواحبی الی ام سلمۃ، فقلن یا ام سلمۃ واللہ ان الناس ستحرّون بھدایاھم یوم عائشۃ، وانا نرید الخیر کما

ترید عائشة، فمری رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یأمر الناس ان یهدو الیه حیثما کان اوحیث مادار، قالت فذکرت ذالك ام سلمة للنبی صلی الله علیه وسلم قالت: فأعرض عنی، فلما عاد الی ذکرت له ذالك فأعرض عنی، فلما کان فی الثالثة ذکرت له، فقال: یا ام سلمة! لا توذینی فی عائشة فانه والله مانزل علی الوحی وانا فی لحاف امراة منکن غیرها"۔ (بخاری:۸ ۳۶۳/۱)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم میں سے کسی زوجہ کی طرف سے خاص معاملہ میں بات کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس محبوب صاجزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور بات کرنا چاہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جان پدر! وہ تمہارے باپ کی محبوبہ ہے، یہ سنتے ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فوراً واپس ہوگئیں، اور پھر تا زندگی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اپنی یا کسی اور کی طرف سے کوئی بات نہیں کی۔ "فجاءت فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها فقال لها انها حبة ابیك ورب الکعبة فانصرفت"۔ (ابوداؤد:۶۷۱، باب فی الانتصار)

۸ رہجری میں مدینہ منورہ سے دس یوم کی مسافت پر واقع سلاسل نامی چشمہ کے قریب آبادی میں آباد کفار پر حملہ کرنے کیلئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی امارت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک سریہ روانہ فرمایا: یہ سریہ نہایت کامیاب وکامران واپس آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بڑی پذیرائی فرمائی، انہوں نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر خصوصی توجہ اور عنایات ہو رہی ہیں تو یہ پوچھ لیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ ارشاد فرمایا: کہ عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے عرض کیا مردوں میں یہ مقام کسے حاصل ہے؟ تو فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے باپ کو۔ "عن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم بعثه علی جیش ذات السلاسل: فاتیته فقلت ای الناس احب الیك؟ قال عائشة، فقلت من الرجال؟ قال ابوها"۔ (بخاری شریف:۵۱۷، ۳۵۳۲)

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاجزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ازواج مطہرات میں سے ہیں، ایک دن وہ اپنی صاجزادی کے پاس گئے اور سمجھایا: عائشہ رضی اللہ عنہا کی ریس ہرگز نہ کرنا، اور دھوکہ میں مبتلا نہ

ہونا، وہ تو حضور اکرم ﷺ کو محبوب ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات جب حضور انور ﷺ کو معلوم ہوئی تو تبسم فرمایا۔ ”ان عمر رضی الله تعالیٰ عنه دخل علیٰ حفصة رضی الله تعالیٰ عنها فقال یا بنية لا تغرنك هٰذه التی اعجبها حسنها حب رسول الله صلی الله علیه وسلم ایاها، یرید عائشة رضی الله تعالیٰ عنها، فقصصت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فتبسم“۔ (بخاری شریف:۵۰۲۲،۷۸۵)

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے نزدیک یہ بات مسلم تھی کہ حضور انور ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ کہیں سے کوئی نہایت خوبصورت ہار بطور ہدیہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میں یہ ہار اسے دوں گا جو میرے گھر والوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اس پر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بیک زبان کہا: بس یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ لگا، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کی محبت اعلیٰ قسم کے ملبوسات اور طلائی زیوروں کی صورت میں کبھی ظاہر نہیں ہوئی، چنانچہ وہ ہار آنحضرت ﷺ نے اپنی کمسن نواسی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمایا۔ ”عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اهديت له هدية قلادة من جزع فقال: لا دفعنها الی احب اهلی الی، فقالت النساء ذهبت بها ابنة ابی قحافة، فدعا النبی صلی الله علیه وسلم امامة بنت زینب فعلقها فی عنقها“۔ (مسند احمد:۱۰۱/۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دردسر کی وجہ سے کراہ رہی تھیں، اور ان کی زبان پر ”وا رأساہ“ کا جملہ جاری تھا، (ہائے میرا سر) اس پر حضور انور ﷺ نے فرمایا: اگر میرے سامنے تمہارا انتقال ہوگیا تو میں تمہارے دعا مغفرت کروں گا، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ ﷺ میری موت کو چاہتے ہیں، اور اگر ایسا ہوگیا تو آپ ﷺ اسی دن دوسری بیوی کے ساتھ شب عروسی منائیں گے، ان کی اس ناز والی بات پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”بل انا وا رأساه“۔ ”قالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها وا رأساه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ذاك لو كان وانا حی فاستغفر لك وادعو لك، فقالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها واثكلياه والله انی لا ظنك تحب موتی،

ولو كان ذالك لظللت آخر يومك معرسا ببعض ازواجك، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل انا وارأساه"۔ (بخاری شریف: ۸۴۶،۸۴۶،۲/۵۴۴۸)

ذالک لو کان الخ: سے بطور مزاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تسلی خاطر مقصود تھی، اور اس پر انہوں نے جو کچھ کہا وہ بر بنائے ناز تھا، پھر آنحضرت ﷺ کا "وار اساہ" فرمانا بیان واقعہ تھا، اور اپنے مزاحیہ جملہ سے غالبا یہ بتانا مقصود تھا کہ تم ان شاء اللہ العزیز صحت یاب ہو جاؤ گی، اور "بل انا وار اساہ" سے غالباً اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی مقصود تھا کہ شاید میری حیات کے لمحات اب بہت زیادہ باقی نہیں رہ گئے ہیں، اور میں اپنی اسی بیماری میں اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملوں گا، اور پھر ہوا بھی یہی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو صحت یاب ہوگئیں اور آنحضرت ﷺ اپنی اسی بیماری میں دنیا سے پردہ فرما کر رفیق اعلیٰ کی بارگاہ قدس میں جا پہنچے۔

یہ والہانہ محبت کیوں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر آنحضرت ﷺ کو ان سے اس قدر محبت اور اتنا پیار کیوں تھا؟ اور نہایت وارفتگی کے ساتھ آنحضرت ﷺ ان کو کیوں چاہتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ خاتم الانبیاء والرسل بنا کر مبعوث کئے گئے تھے، آنحضرت ﷺ خداوند قدوس کی طرف سے جو پیغام لے کر آئے وہ ابدی اور دائمی ہے، لہذا آنحضرت ﷺ کو ایسے معین و مددگار افراد کی ضرورت تھی جو آنحضرت ﷺ کے ہر ہر پیغام کو خوب اچھی طرح سمجھ کر اور محفوظ کر کے دنیا والوں تک پوری حفاظت کے ساتھ پہنچا سکیں، اور ان میں پائے جانے والے معارف و حقائق کی تہ تک پہنچ کر اور علم و معرفت کے موتی نکال کر ان کی صحیح ڈھنگ سے نشر و اشاعت کر سکیں، تاکہ آنحضرت ﷺ کا مقصد بعثت پورے طور پر واشگاف اور واضح ہو کر دنیا والوں کے سامنے آجائے، گویا خداوند قدوس نے آنحضرت ﷺ کو جس مقصد کی تکمیل کیلئے خاتم الانبیا والرسل بنا کر دنیا میں بھیجا تھا اس کیلئے بہت سے معین و مددگار افراد کی ضرورت تھی، اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے بالمقابل مقصد بعثت کی تکمیل میں آنحضرت ﷺ کی

سب سے بڑی معین ومددگار تھیں، کیونکہ وہ مجتہدانہ دل ودماغ کی مالک تھیں، اور فہم مسائل، اجتہاد فکر، اور حفظ احکام میں سب سے ممتاز تھیں، اور کاملیت کی صفت سے نہ صرف یہ کہ متصف بلکہ اس کے اعلیٰ مقام پر فائز تھیں، چنانچہ ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ مردوں میں صفت کاملیت سے متصف ہونے والے تو بہت سے ہیں مگر عورتوں میں یہ اعلیٰ مقام صرف مریم بنت عمران، اور فرعون کی بیوی آسیہ کو حاصل ہوا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو تمام کھانوں میں ثرید کو حاصل ہے۔ "عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران، وآسیۃ امراۃ فرعون، وفضل عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام"۔ (بخاری شریف: ۵۳۲، ۳۶۳۲/۱)

آنحضرت ﷺ کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبوبیت اور ان کی قدر ومنزلت کا باعث کیا تھا ان کا ظاہری حسن وجمال یا باطنی فضل وکمال، حدیث بالا سے آپ بخوبی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے یہاں کسی کی محبوبیت اور قدر ومنزلت کی وجہ صرف اس کی باطنی خوبیاں ہوا کرتی تھیں، چنانچہ علم دین کا فہم، اور باطنی کمالات سے آراستہ ہونے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سب سے فائق تھیں، اسی بنا پر وہ بھی آنحضرت ﷺ کو نہایت محبوب اور پسند خاطر تھیں، حالانکہ عمر کے اعتبار سے وہ کم سن نہ تھیں، بلکہ وہ بیوہ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں آئی تھیں۔

اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تو ایک نہیں دوشوہروں سے بیوہ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں، اور بلحاظ عمر آنحضرت ﷺ سے پندرہ سال بڑی بھی تھیں اور پینسٹھ برس کی عمر (جو عورت کے لئے انتہائی بڑھاپے کی عمر ہے) اس دنیا سے رخصت ہوئیں، مگر باطنی خوبیوں اور کمالات سے آراستہ تھیں اس لئے آنحضرت ﷺ کو عزیز تھیں اور ان کی محبت آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر میں اس شدت کے ساتھ قائم تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی ان پر رشک آتا تھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا تذکرہ ذرا بے حرمتی سے کیا تو

آنحضرت ﷺ خفا ہو گئے، اور اظہار برہمی کے ساتھ ارشاد فرمایا: ہرگز نہیں لوگوں نے جب میری تکذیب کی تو انہوں نے میری تصدیق کی، لوگ جب کافر تھے تو وہ اسلام لائیں، میرا جب کوئی معین ومدد گار نہیں تھا اس وقت انہوں نے میری ہر طرح سے امداد واعانت کی، کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی کمسن وباکرہ تھیں؟ ہرگز نہیں بلکہ یہاں بھی شدت محبت کی علت وہی ہے کہ مقصد بعثت کی تکمیل میں وہ مکمل طور پر معاون تھیں، اس لئے انکی الفت ومحبت نے آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر میں نہایت مضبوطی کے ساتھ جگہ بنالی تھی، اور جہاں تک ظاہری حسن وجمال کا معاملہ ہے تو اس اعتبار سے حضرت زینب، حضرت جویریہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بدرجہا فائق تھیں، ان کے حسن ظاہری کا تذکرہ اور تعریف احادیث اور تاریخ وسیر کی کتابوں میں مذکور ہے اور پھر بلحاظ عمر بھی یہ گویا کنواری ہی تھیں، کیونکہ حضور اکرم ﷺ سے نکاح کے وقت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی عمر پینتیس سال، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی بیس سال، اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی سترہ سال تھی، الحاصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبوبیت ان کے باطنی اوصاف وکمالات اور مقام کاملیت پر فائز ہونے کی وجہ سے تھی، نہ کی محض ظاہری حسن وجمال اور کمسنی کی بنا پر۔ (شرح الزرقانی: ۴۱۵،۴۲۷،۴۳۶،۴۳۶/ ۴، امہات المؤمنین از مولانا انور احمد اعظمی زید مجدہم)

سفر میں قرعہ اندازی کا حکم

{۳۰۶۲} **وَعَنْهَا** قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/ ۳۷۰، باب القرعة في المشكلات، كتاب الشهادة، حديث نمبر: ۲۶۸۸، مسلم شریف: ۲/ ۳۶۴، باب في حديث الافک، کتاب التوبة، حديث نمبر: ۳۷۷۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے درمیان قرعہ اندازی فرماتی جس کے نام قرعہ نکلتا اسی کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اذا اراد السفر اقرع: آنحضرت ﷺ سفر سے قبل ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے تھے اس کا مقصد صرف ان کے دل کو خوش کرنا تھا۔

سفر میں شوہر کے لئے بیوی کو لے جانا ضروری نہیں ہے، اور اگر لے جانا چاہتا ہے تو وہ جس کو مناسب سمجھے لے جاسکتا ہے، باری مقرر کرنا، قرعہ اندازی کرنا ضروری نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اپنی بیویوں کی دل داری کی خاطر قرعہ اندازی کرتا ہے اور جس کا نام قرعہ میں آتا ہے، اس کو لے جاتا ہے تو بہت اچھا عمل ہے، آنحضرت ﷺ کا یہی معمول تھا۔

اختلاف مذاہب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر کے لئے انتخاب زوجہ میں قرعہ اندازی کرنا واجب ہے۔

دلیل: حدیث باب ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: قرعہ اندازی واجب نہیں ہے، شوہر کو اختیار ہے، جس کو چاہے لے جائے۔

دلیل: سفر کے وقت عورت کا شوہر کے اوپر کوئی حق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی لے جاسکتا ہے۔

جواب: مطلق فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا ہے، آنحضرت ﷺ کا قرعہ اندازی فرمانا دل خوش کرنے کیلئے تھا، لہٰذا یہ مستحب ہے۔

جدیدہ اور قدیمہ کے درمیان فرق

{۳۰۶۳} **وَعَنْ** اَبِیْ قِلَابَۃَ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ مِنَ السُّنَّۃِ اِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِکْرَ عَلَی الثَّیِّبِ اَقَامَ عِنْدَھَا سَبْعاً وَ قَسَمَ وَاِذَا تَزَوَّجَ الثَّیِّبَ اَقَامَ عِنْدَھَا ثَلَاثاً ثُمَّ قَسَمَ قَالَ اَبُوْ قِلَابَۃَ وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ اِنَّ اَنَساً

رَفَعَهٗ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۷۵، باب اذا تزوج الثیب علی البکر، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۱۴، مسلم شریف: ۲/۴۷۲، باب قدر ما تستحقہ البکر، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۴۶۱۔

حل لغات: السھم: قرعہ اندازی کا تیر، قرع: (ن) قرعا، فلانا، قرعہ میں غالب آنا۔

ترجمہ: حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مسنون یہ ہے کہ آدمی جب ثیبہ کی موجودگی میں باکرہ سے شادی کرے تو باکرہ کے پاس سات دن ٹھہرے، اس کے بعد باری مقرر کردے، اور جب ثیبہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے پھر باری مقرر کردے، حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو کہہ دیتا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر باکرہ اور ثیبہ کے درمیان فرق محسوس ہو رہا ہے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے، ان کے نزدیک شوہر کنواری لڑکی سے نکاح کرنے کے بعد سات دن اس کے پاس قیام کرکے دیگر ازواج کی طرح اس کی باری مقرر کردے، اور ثیبہ سے نکاح کرے تو تین دن اس کے پاس ٹھہر کر دیگر ازواج کی طرح اس کی باری مقرر کردے۔ جب کہ حنفیہ اس حدیث کا خلاصہ یہ کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ باکرہ کے پاس سات دن گذارے تو پھر پہلی بیویوں کے پاس بھی تین دن گذارے، یعنی قدیمہ اور جدیدہ کے درمیان فرق نہ کرے، بلکہ سب کے درمیان عدل ومساوات سے کام لے۔

باکرہ وثیبہ کے درمیان فرق واختلاف ائمہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: جیسا کہ گذرا باکرہ کے پاس شوہر شادی کے بعد سات روز رہے اور ثیبہ کے پاس تین روز رہے، یہ سات دن اور تین دن ان کے لئے مخصوص ہوں گے، اس کے بعد تقسیم شروع ہوگی۔

دلیل: (۱) حدیث باب ہے (۲) "عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل للبکر سبعا وللثیب ثلاثا"۔ (بخاری ومسلم) آنحضرت ﷺ نے باکرہ کے لئے سات دن اور ثیبہ کے لئے تین دن مقرر فرمائے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک باکرہ، ثیبہ، جدیدہ، قدیمہ، مسلمہ، کتابیہ، صحیحہ اور مریضہ سب برابر ہیں یعنی جتنے دن شوہر نئی بیوی کے پاس رہے اتنے ہی دن دوسری بیویوں کے پاس رہنا واجب ہے تفریق جائز نہیں ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے، "فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً" ہاں اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم ان (بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک پر اکتفا کرو۔ (سورہ النسا) جناب رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے، "من کان له امرأتان یمیل لاحدهما علی الاخری جاء یوم القیامة یجر احد شقیه ساقطا مائلا"۔ جس شخص کے پاس دو عورتیں ہوں اور وہ ایک کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اپنی ایک جانب کو گھسیٹ رہا ہو گا جو ساقط (فالج زدہ) ہو گا۔ (دارمی) ان نصوص اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے نصوص ہیں جن سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ تمام بیویوں کے درمیان برابری لازم ہے، اس میں جدیدہ اور قدیمہ کے درمیان فرق کرنے کی قید نہیں ہے اور بیویوں کے درمیان تفریق کرنے والے کے حق میں سخت وعیدیں ہیں۔

جواب: حدیث باب کا حاصل یہ ہے کہ باری کی ابتداء جدیدہ سے کی جائے، اور باکرہ کے پاس سات دن رہے تو دیگر ازواج کے پاس بھی سات دن رہے، اور ثیبہ کے پاس تین رہے تو دیگر ازواج کے پاس بھی تین دن رہے یا پھر یہ احادیث جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل ہیں آپسی رضا و مصالحت پر محمول ہیں۔ (مرقات المفاتیح: ۳/۴۵۷، فیض المشکوۃ: ۶/۱۵۳)

لو شئت: حضرت ابو قلابہ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ بات اپنے اجتہاد سے نہیں فرمائی ہے، بلکہ حضور ﷺ کے کسی عمل کو دیکھ کر فرمائی یا سنکر چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان من السنۃ مرفوع کا حکم رکھتا ہے اور مرفوع روایت وہ ہوتی ہے جس کو صحابی آنحضرت ﷺ سے بذات خود نقل کرے، (اشرفی مظاہر حق: ۳۸۵، مرقاۃ المفاتیح: ۳/۴۵۷)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو تین یا سات راتوں کی باری میں اختیار

{٣٠٦٤} وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ تَزَوَّجَ اُمَّ سَلَمَةَ وَاَصْبَحَتْ عِنْدَهٗ قَالَ لَهَا لَیْسَ بِكِ عَلٰی اَهْلِكِ هَوَانٌ اِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَكِ وَسَبَّعْتُ عِنْدَهُنَّ وَاِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ عِنْدَكِ وَدُرْتُ قَالَتْ ثَلِّثْ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَنَّهٗ قَالَ لَهَا لِلْبِکْرِ سَبْعٌ وَلِلثَّیِّبِ ثَلَاثٌ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۷۲، باب قدر ماتستحقہ البکر، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۴۶۰۔

حل لغات: اصبح: صبح کے وقت میں داخل ہونا، ھاون فلان وھونا وھوانا: حقیر و ذلیل ہونا، سع الشئی: کسی کام کو سات مرتبہ کرنا، دار: دورا، چکر لگانا، گشت کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور ان کے پاس رات گذار کر صبح کی، تو ان سے فرمایا تمہاری وجہ سے تمہارے اہل (یعنی شوہر) پر کوئی بے رغبتی نہیں ہے، اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن رہوں، اور دوسری ازواج کے پاس بھی سات سات دن رہوں، اور اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس تین دن رہوں اور اس کے بعد باری پر آتا جاتا رہوں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین دن رہیں، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کنواری کے لئے سات دن اور ثیبہ کے لئے تین دن ہیں۔ (مسلم)

تشریح: تین دن یا سات دن نئی دلہن کا مخصوص حق ہے اور ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے اور حنفیہ کے نزدیک یہ مخصوص حق نہیں ہے اور ان کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہی حدیث ہے جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نکاح ہوتو اوہ بیوہ تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تین دن ٹھہرے پھر فرمایا "لیس بك علی اهلك" تم اپنے شوہر کو کچھ ناپسند نہیں ہوا اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن ٹھہروں، مطلب یہ ہے کہ مجھ کو تمہاری پوری پوری رغبت ہے اور اس رغبت کا تقاضا ہے کہ تمہارے ساتھ

سات راتیں کم از کم گذاروں لیکن شریعت کی پابندی اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے درمیان برابری ضروری ہے۔ "فان سبعت لك سبعت لنسائی" یعنی اگر میں آپ کے پاس سات دن ٹھہروں گا تو دوسری بیویوں کے پاس بھی سات دن ٹھہروں گا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ تین دن ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مخصوص حق نہیں تھا اگر مخصوص حق ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "ربعت لنسائی" فرماتے یعنی تمہارے پاس سات دن ٹھہرنے کی صورت میں دیگر ازواج کے پاس چار دن ٹھہروں گا۔
(تحفۃ الالمعی: ۳/۵۷۴)

ہدایہ میں یہ ہے کہ آنے جانے (دور) کی مقدار شوہر کے اختیار میں ہے اسلئے مقصد برابری ہے لہٰذا وہ چاہے تو ایک ایک دن کی باری مقرر کرے چاہے تو دن تین دن یا چار دن کی باری یا اس سے زائد کی باری مقرر کرے، "الاختیار فی مقدار الدور الی الزوج لان المستحق هو التسوية قوله الی الزوج ای للزوج ان یجعل لكل واحدة منها ليلة ليلة او ليلتين او اكثر" (ہدایہ: ۲/۳۴۹)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سات دن کے بجائے تین دن کی باری اس لئے پسند کی کہ اس طرح آپ کی دوبارہ ان کے پاس واپسی جلد ہوگی برخلاف سات دن یا نو دن کے کہ جتنے دن اس وقت میرے پاس قیام فرمائیں گے پھر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس اتنے اتنے دن قیام فرمائیں گے اور سب کے پاس اتنے دن قیام فرمانے کے بعد دوبارہ نمبر آئے گا اس لئے تین دن کو پسند فرمایا تاکہ دوبارہ جلد ملاقات ہو اور جلد نمبر آئے۔ حضرات محدثین نے اس موقع پر مزید گفتگو کی ہے ذوق تحقیق رکھنے والے حضرات مرقاۃ المفاتیح: ۳/۴۵۷ ملاحظہ فرمائیں۔

وفی روایة قال: مشکوۃ کے ایک نسخہ میں "انه قال" ہے (لها) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "للبكر سبع وللثيب ثلاث" کنواری کے لئے سات دن اور بیوہ کے لئے تین دن ہیں۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ زفاف یعنی شادی ورخصتی کیوجہ سے عورت کا حق ہے مرد کے پاس دوسری بیویاں ہوں یا نہ ہوں۔

{الفصل الثانی}

حتی الامکان باری کالحاظ کرنا

{۳۰۶۵} **عَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهٖ فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَاتَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۱۲/۱/۲۱۷، باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۴۰، ابوداؤد شریف: ۲۹۰/۱ باب فی القسم بین النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۳۴، نسائی شریف: ۲/۲۸، باب میل الرجل الی بعض نسائہ، کتاب عشرۃ النساء، حدیث نمبر: ۳۹۴۳، ابن ماجه شریف: ۱۴۱، باب القسمۃ بین النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۹۷۱، دارمی: ۱۹۳/۲، باب فی القسمۃ بین النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۰۷۔

حل لغات: عدل فی حکمۃ: فیصلہ میں انصاف کرنا، منصفانہ فیصلہ کرنا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر فرماتے تھے، اور برابری فرماتے تھے، اور پھر یہ دعا فرماتے تھے "اللھم ھذا قسمی الخ" اے اللہ یہ مری تقسیم ہے، جو میرے اختیار میں ہے، لہٰذا مجھے اس پر ملامت نہ فرمائے، جو آپ کے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: کان یقسم بین نسائہ: اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ اور معمول زوجات کے درمیان برابری کی تھی لیکن اس میں علماء کا اختلاف ہو رہا ہے کہ

آنحضرت ﷺ پر یہ برابری واجب تھی راجح قول کے مطابق آنحضور ﷺ پر باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا بلکہ تبرع اور احسان تھا تاکہ کسی بیوی صاحبہ کا دل کھٹانہ ہو، سورۃ الاحزاب آیت نمبر: ۵۱ ر میں ارشاد پاک ہے کہ آپ ان میں سے جس کو چاہیں پیچھے کریں اور ان میں سے جس کو چاہے اپنی طرف ٹھکانہ دیں اس اختیار دینے سے وجوب کی نفی ہو جاتی ہے یہی حنفیہ کا مذہب ہے، شوافع کے نزدیک آپ پر باری مقرر کرنا واجب تھا۔ (تحفۃ الالمعی: ۵۷۶ / ۳)

بہر حال عدل اور برابری کے باوجود آپ یہ دعا مانگتے تھے جو حدیث میں مذکور ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ جن چیزوں میں برابری کرنا میرے اختیار میں ہے اس کو تو میں کر رہا ہوں اور جس چیز میں برابری میرے اختیار میں نہیں ہے یعنی غیر اختیاری طور پر کسی ایک بیوی سے زیادہ محبت اس میں تو مجھ کو معاف فرما، معلوم ہوا کہ دلی محبت ومؤدت میں مساوات لازم نہیں ہے، اور چوں کہ بوسہ اور جماع قلب کے میلان کا مظہر ہوتا ہے لہٰذا ان امور میں بھی مساوات لازم نہیں ہے، اور نان ونفقہ میں برابری کرنا واجب ہے، اور ان میں فرق کرنا امتیاز کرنا ناانصافی ہے، ایسا کرنے والا سخت گناہ گار ہوگا۔ (الدر المنضود: ۶۲ / ۴، مرقاۃ المفاتیح: ۴۵۸ / ۳)

ترک عدل پر وعید

{۳۰۶۶} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ اِمْرَأتَانِ فَلَمْ یَعْدِلْ بَیْنَهُمَا جَاۗءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَشِقُّهٗ سَاقِطٌ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۱۷، باب ماجاء فی التسویة بین الضرائر، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۴۱، ابوداؤد شریف: ۱/۲۹۰ باب فی القسم بین النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۳۳، نسائی شریف: ۱/۷۸، باب میل الرجل الی بعض نسائه، کتاب عشرة النساء، حدیث نمبر: ۳۹۴۲، ابن ماجه شریف: ۱۴۱، باب القسمة

بین النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۴۱۶۹، دارمی: ۱۹۳/۲، باب فی العدل بین النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۲۰۶۔

حل لغات: الشق: کسی چیز کا جز آدھا حصہ انسان کے ایک جانب جدھر اس کی نظر ہو۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ ان کے درمیان انصاف نہ کرتا ہو، تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا، کہ اس کا آدھا دھڑ گرا ہوا ہوگا۔ (ترمذی، ابوداوٗد، ابن ماجہ، نسائی، دارمی)

تشریح: اگر کسی کے پاس ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان امور اختیاریہ میں برابری لازم ہے، نان ونفقہ اور شب باشی میں کسی طرح کا امتیاز کرنا سخت گناہ ہے اور ایسے شخص کے بارے میں سخت وعید ہے، امور غیر اختیاریہ میں یعنی جماع و بوس وکنار اور دلی محبت ان سب چیزوں میں برابری لازم نہیں اور نہ ہی ان سب چیزوں کے بارے میں مواخذہ ہوگا۔ "فلا یواخذ بمیل القلب اذا سوی بینھن فی فعل القسم" پس دل کے میلان پر مواخذہ نہیں ہوگا جبکہ ان کے درمیان باری میں برابری کرتا ہے۔ (شرح الطیبی: ۶/۳۰۵)

و شقہ مائل: بیوی کے درمیان انصاف نہ کر کے کسی ایک بیوی کی طرف جھکنے والے کو قیامت کے دن سزا بھی اس کے جرم کی نوعیت کی دی جائے گی، چنانچہ میدان حشر میں اس حالت میں آئے گا، کہ اس کے بدن کا ایک حصہ جھکا ہوا ہوگا، تو گویا یہ جزاء جنس عمل سے ہے، چونکہ اس نے ایک بیوی کو مفلوج کر کے رکھا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کے ایک جانب کو مفلوج کر دیا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۳/۴۵۸، بذل المجہود: ۷/۶۲، فیض المشکوۃ: ۶/۱۵۴)

{الفصل الثالث}

ازواج میں سے ایک کی باری مقرر نہیں تھی

{٣٠٦٧} **عَن** عَطاءٍ قَالَ حَضَرْنَا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جَنَازَۃَ مَیْمُوْنَۃَ بِسَرِفٍ فَقَالَ ھٰذِہٖ زَوْجَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَھَا فَلاَ تُزَعْزِعُوْھَا وَلاَ تُزَلْزِلُوْھَا وَارْفِقُوْا بِھَا فَإِنَّہٗ کَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِسْعُ نِسْوَۃٍ کَانَ یَقْسِمُ مِنْھُنَّ لِثَمَانٍ وَلاَ یَقْسِمُ لِوَاحِدَۃٍ قَالَ عَطَاءٌ: اَلَّتِیْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَقْسِمُ لَھَا بَلَغَنَا اَنَّھَا صَفِیَّۃُ وَکَانَتْ آخِرُھُنَّ مَوْتاً مَاتَتْ بِالْمَدِیْنَۃِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) وَقَالَ رَزِیْنٌ قَالَ غَیْرُ عَطَاءٍ ھِیَ سَوْدَۃٌ وَھُوَ اَصَحُّ وَھَبَتْ یَوْمَھَا لِعَائِشَۃَ حِیْنَ اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلاَقَھَا قَالَتْ لَہٗ اَمْسِکْنِیْ قَدْ وَھَبْتُ یَوْمِیْ لِعَائِشَۃَ لَعَلِّیْ اَنْ اَکُوْنَ مِنْ نِّسَائِكَ فِی الْجَنَّۃِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹ ۱۱، حدیث نمبر: ۵۰۶۷، مسلم شریف: ۲/۱۰۸۶، حدیث نمبر: ۱۴۶۵/۱۴۶۵۱، نسائی شریف: ۶/۵۳، حدیث نمبر: ۳۱۹۶، مسند احمد: ۱/۳۴۸۔

حل لغات: النعش: مردہ یا بیمار کو اٹھانے کی چار پائی، مردہ کا تابوت، زعزعہ: زور سے ہلانا، تزلزلہ، جھٹکے لگنا، رفق لہ، بہ علیہ کسی کے ساتھ نرمی برتنا، رحم کرنا، قسم بین القوم: لوگوں کو ان کا حصہ دینا، وھب لہ شیئ: کسی کو بلا عوض کوئی چیز دینا، امسك الشیء علی نفسہ: کسی چیز کو اپنے پاس روک کر رکھنا۔

ترجمہ: حضرت عطاء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقام سرف میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک ہوئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ

حضرت رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں، لہٰذا تم لوگ جب ان کا جنازہ اٹھاؤ تو نہ زور سے ہلاؤ، اور نہ جھٹکے دو، بلکہ آہستہ آہستہ اس کو اٹھاؤ، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی نو ازواج مطہرات تھیں جن میں سے آٹھ کی آنحضرت ﷺ نے باریاں مقرر کر رکھی تھی اور ایک کی باری مقرر نہیں تھی، حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وہ زوجہ محترمہ جن کی باری مقرر نہیں فرمائی تھی، ہم تک یہ اطلاع پہنچی ہے کہ وہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھی، انہیں کا انتقال مدینہ منورہ میں سب بیویوں میں سے اخیر میں ہوا۔ (بخاری ومسلم) حضرت رزین کا کہنا ہے کہ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ کے علاوہ نے کہا کہ وہ بیوی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہیں، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دی تھی، جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تھا، انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اپنے پاس ہی روکے رکھیں، میں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو دیا، تاکہ جنت میں میں جناب حضرت رسول اکرم ﷺ کی بیویوں میں شامل رہوں۔

تشریح: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم میں سے ہیں یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ ہیں، (۶ رھ) میں آنحضرت ﷺ سے مقام سرف میں نکاح ہوا آنحضرت ﷺ نے شب زفاف بھی یہیں گذاری اور یہیں ولیمہ کیا مقام سرف مکہ مکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے یہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور یہیں مدفون ہیں، "فلا تزعزعوها" اس نہی کی یہ علت ہے کہ ان کی چار پائی کو زیادہ مت ہلانا تاکہ تعظیم میں فرق نہ پڑے کیونکہ یہ ان ازواج میں سے ہیں جن کی باری آنحضرت ﷺ نے مقرر کر رکھی تھی۔

(شرح الطیبی: ۶/۳۰۵)

خطابی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: کہ یہ کہنا کہ وہ عورت جس کی باری آپ تقسیم نہ کرتے تھے وہ صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں یہ کسی راوی کا وہم ہے، درست بات یہ ہے کہ وہ سودہ رضی اللہ عنہا تھی اس لئے کہ انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا۔

کانت آخر ہن مو تا: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال رمضان ۵۰ ہجری میں ہوا۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی اور ان کی تاریخ وفات آسانی کے لئے نقشہ کی صورت میں درج کی جا رہی

ہے اس سے ان کی تواریخ وفات کا صحیح علم ہو جائے ۔(مواہب)

نمبرشمار	اسمائے گرامی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم	سنہ وفات	مقام وفات و دفن
۱	حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا	سنہ ۱۰/نبوی	مکہ مکرمہ
۲	حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا	۳/ہجری	مدینہ منورہ بقیع
۳	حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا	۲۰/ہجری	مدینہ منورہ بقیع
۴	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	۴۴/ہجری	مدینہ منورہ بقیع
۵	حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	۵۰/ہجری	مدینہ منورہ بقیع
۶	حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	۵۰/ہجری	مدینہ منورہ بقیع
۷	حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	۵۱/۶۳/۶۶	سرف جومکہ کے قریب ہے
۸	حضرت سودہ رضی اللہ عنہا	۵۴/ہجری	مدینہ منورہ بقیع
۹	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۵۷/۵۸/ہجری	مدینہ منورہ بقیع
۱۰	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	۵۹/ہجری	مدینہ منورہ بقیع
۱۱	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	۵۰/۵۲/۵۵/	مدینہ منورہ بقیع

مندرجہ بالا نقشہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ کہنا چنداں درست نہیں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم میں سب سے آخر میں ہوا، "کانت اخرھن موتا" میں ضمیر کا مرجع حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو بنانا بھی درست نہیں ہے اسلئے کہ ان کی وفات مقام سرف میں ہوئی اور یہاں تذکرہ مدینہ طیبہ کا ہے ۔حاصل کلام یہ ہے کہ یہ جملہ اشکال سے خالی نہیں ۔

{باب الولیمة}

ولیمہ کا بیان

اس باب کے تحت کل انیس روایتیں درج کی گئی ہیں، جو دعوت ولیمہ میں آنحضرت ﷺ کے عمل، لوگوں کو اس کی ترغیب، دعوت قبول کرنے کی تاکید، بغیر بلائے دعوت میں شرکت کا حکم اور تقابل اور تفاخر کرنے والوں کی دعوتوں میں شرکت سے ممانعت جیسے احکام پر مشتمل ہیں۔

ولیمہ کی لغوی و شرعی تعریف

ولیمہ کی تعریف، ولیمہ اس کھانے کا نام ہے جو عرس یعنی شادی کے موقع پر تیار کیا جائے، وَلْمٌ سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کے ہیں، یہ کھانا چونکہ زوجین کے اجتماع یعنی رخصتی کے بعد ہوتا ہے اسی لئے اس کو ولیمہ کہتے ہیں۔

وجہ تسمیہ

ولیمہ، "اَلْوَلَمُ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی جمع کے ہیں چونکہ اس کے اندر زوجین کا جمع ہونا ہے، سرور کا اجتماع ہوتا ہے، لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس لئے اس کو ولیمہ کہتے ہیں۔

ایسے ولیمہ ہر تقریب اور ہر دعوت کو کہتے ہیں بعد میں یہ لفظ شادی کے بعد کی تقریب کیلئے مخصوص ہوگیا، شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ میاں بیوی کے ملاپ سے پہلے ولیمہ کیا کرتے تھے، اسلام نے اس طریقہ کو بدلا اور زفاف کے بعد ولیمہ کو مسنون قرار دیا، پس جو بعض مسلمان نکاح سے پہلے یا زفاف سے پہلے ولیمہ کرتے ہیں وہ غلط طریقہ ہے اسی طرح لڑکی والوں کی بارات کو اور برادری کو کھانا کھلانا بھی ولیمہ ہے مگر اس کی کوئی اصل نہیں یہ قابل ترک ہے۔

ولیمہ کی حکمت

ولیمہ مسنونہ کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ لطیف پیرایہ میں نکاح کی تشہیر ہوتی ہے اور زفاف کی تشہیر ضروری ہے تاکہ جو اولاد ہو اس کے نسب میں کوئی شبہ نہ کرے۔

اور چونکہ خانگی زندگی کے نظم و انتظام کے لئے بیوی کی ضرورت ہے پس حسب خواہش کسی عورت سے نکاح ہو جانا بلا شبہ اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کا شکر بجالانا ضروری ہے، ولیمہ اس کی عملی شکل ہے اور اس میں بیوی اور اس کے خاندان کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے، اس لئے کہ بیوی کی خاطر مال خرچ کرنا اور دلہن آنے کی تقریب سے لوگوں کو جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بیوی شوہر کی نظر میں باعزت اور باوقعت ہے ظاہر ہے یہ چیز منکوحہ اور اس کے گھر والوں کے لئے بڑی خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگی اور اس سے باہمی تعلق و محبت میں اضافہ ہوگا۔ (تحفۃ الالمعی: ۵۱۰ / ۳)

ولیمہ کی شرعی حیثیت

پھر اس کی شرعی حیثیت مین ذرا سا اختلاف ہے، اہل ظواہر کے نزدیک یہ واجب ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے، لیکن احناف کے نزدیک ولیمہ سنت ہے، یہی ائمہ کا صحیح مذہب ہے۔

اہل ظواہر دلیل پیش کرتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امر کے صیغہ سے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا جیسا کہ الفاظ یہ ہیں: "اولم ولو بشاۃ" ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی کے ساتھ ہو۔ نیز طبرانی کی روایت میں، "الولیمۃ حق" ولیمہ حق ہے کا لفظ ہے جس کے معنی واجب کے ہیں، جمہور دلیل پیش کرتے ہیں اس بات سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ علاوہ اور کسی کو ولیمہ کا حکم نہیں دیا اگر واجب ہوتا تو دوسروں کو بھی حکم فرماتے، نیز ولیمہ نئی خوشی و سرور پر کیا جاتا ہے، لہٰذا دوسری دعوتوں کی طرح واجب نہیں ہوگا۔

انہوں نے امر کے صیغہ سے جو استدلال کیا اس کا جواب یہ ہے کہ وہ استحباب پر محمول ہے،

"ودلیله لم یأمر غیرہ" اور حق والی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کے معنی واجب نہیں بلکہ باطل کے مقابلہ میں ہے کہ نادرست نہیں بلکہ درست و مستحب ہے،" کما قال ابن بطال" اور "لو بشاۃ" سے تقلیل کی طرف اشارہ ہے کہ زیادہ شان و شوکت کی ضرورت نہیں بلکہ جتنا میسر ہو کرے، کم ہو یا زیادہ کوئی حد مقرر نہیں، اور یہی قرینہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں، کیونکہ کسی کے نزدیک بکری سے ولیمہ واجب نہیں۔
(درس مشکوۃ: ۳/۲۸)

ولیمہ کی مقدار

اور ولیمہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، اسراف سے بچتے ہوئے ہر مقدار جائز ہے اور اوسط درجہ کا ولیمہ ایک بکری ہے، اسی کو آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا، کہ ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کا ہو۔

اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں آنحضرت ﷺ نے ایک بکری ذبح کی تھی، اور حضرت صفیہ کے ولیمہ میں کھجور اور ستو کھلایا تھا اور بعض ازواج کے ولیمہ میں آنحضرت ﷺ نے دو مد (چار رطل) آٹا خرچ کیا تھا۔ یہ چھوٹا ولیمہ تھا۔ (مستفاد از تحفۃ الالمعی: ۳/۵۱۰)

اجابت ولیمہ

دعوت ولیمہ کے قبول کرنے کا کیا حکم ہے؟ حنابلہ شافعیہ اور امام مالک کا ایک قول ہے کہ فرض عین ہے بعض حنابلہ و شافعیہ کے یہاں مستحب ہے اور بعض حنابلہ و شافعیوں نے فرض کفایہ کا قول کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کے کلام کا تقاضہ یہ ہے کہ واجب ہو لیکن انہوں نے سنیت کی تصریح کی ہے، حنفیہ سے اس کے اندر چند اقوال ہیں (۱) سنت مؤکدہ (۲) قریب بالواجب (۳) نہایہ کے اندر لکھا ہے کہ واجب ہے۔

لیکن یہ اختلاف اجابت دعوت کے اعتبار سے ہے کھانا کھانے کے اعتبار سے نہیں ہے وہ مستحب ہے واجب نہیں چنانچہ آگے روایت میں آرہا ہے، "من دعی فلیجب فان شاء طعم

وان شاء ترك"، جس شخص کو دعوت دی جائے چاہئے کہ وہ اس کو قبول کرے پھر اگر چاہے تو کھائے اور چاہے تو نہ کھائے۔

ولیمہ کب مسنون ہے

ولیمہ کے وقت کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں بعض نے فرمایا: نکاح کے بعد کرنا چاہئے اور بعض فرماتے ہیں کہ رخصتی کے بعد، اور تیسرا قول جو اولیٰ ہے یہ ہے کہ شب زفاف کے بعد ولیمہ مسنون ہے "وفی البذل، ویجوز ان یولم بعد النکاح او بعد الرخصة او بعد ان یبنی بها والثالث هو الاولی"

ولیمہ کب تک مسنون ہے

دو دن سے زیادہ وقت تک ولیمہ کھلانے کے بارہ میں بھی علماء کے مختلف قول ہیں ایک طبقہ تو اسے مکروہ کہتا ہے، یعنی علماء کے اس طبقہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دو دن تک کھلایا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ وقت تک کھلانا مکروہ ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک ہفتہ تک کھلانا مستحب ہے لیکن اس سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کا انحصار خاوند کی حیثیت واستطاعت پر ہے اگر وہ صرف ایک ہی وقت کھلاسکتا ہے، تو ایک ہی وقت پر اکتفا کرے اور اگر کئی دن اور کئی وقت تک کھلانے کی استطاعت رکھتا ہے تو کئی دن اور کئی وقت تک کھلاسکتا ہے۔

اقسام ضیافت

علماء نے لکھا ہے کہ ضیافت کی انواع آٹھ ہیں۔

الولیمة للعرس: نکاح کے بعد دلہن کے گھر آنے پر جو دعوت کی جائے۔

الخرس بضم الخاء المعجمة، ویقال بالصاد المهملة ایضا للولادة: یعنی بچہ کی پیدائش کے موقع پر جو دعوت کی جائے۔

والاعذار بکسر الهمزة والعین المهملة والذال المعجمة للختان: بچہ کے ختنہ کے موقع پر جو دعوت کی جائے۔

والوکیرة للبناء: یعنی نئے مکان کی تعمیر کے موقع پر جو دعوت کی جائے۔

النقیعة لقدوم المسافر، ماخوذة من النقع و ہو الغبار: یعنی وہ دعوت جو آدمی سفر سے بخیر واپسی پر کرتا ہے، اپنی طرف سے، یا دوسرے کی طرف سے اس کیلئے کی جائے۔

والعقیقة، یوم سابع الولادة: بچے کی ولادت کے ساتویں دن جو دعوت کی جائے۔

والوضیمة، بفتح الواو وکسر الضاد المعجمة، الطعام عند المصیبة: مصیبت اور پریشانی پیش آنے پر جو دعوت کی جائے۔لیکن یہ نوع ضیافت اسلام میں جائز نہیں ہے۔

والمادبة بضم الدال وفتحها: مطلق وہ ضیافت جو بغیر کسی خاص سبب کے کی جائے۔

اس کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ ان مشہور اقسام میں ایک اور قسم باقی رہ گئی یعنی:

حذاق بکسر المہملة وتحفیف الذال المعجمة، الطعام الذی یتخذ عند حذق الصبی: یعنی وہ کھانا اور دعوت جو بچہ کی حذاقت پر یعنی اس کے سمجھدار ہونے پر کی جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ دعوت ہے جو بچہ کے ختم قرآن پر کی جائے یا اس کی کسی بھی صناعت کی تکمیل اور کامیابی پر کی جائے۔(تحفۃ الاحوذی: ۱٦۰/ ۴، الدر المنضود: ۴۹/ ٦)

تنبیہ: یعنی عرب میں آٹھ اقسام کی دعوت کا دستور تھا مگر اصل مسنون صرف ولیمہ اور عقیقہ کی دعوت ہے، گنجائش اور اجازت بقیہ دعوتوں کی بھی ہے جبکہ اللہ کی نعمت کا اظہار اس پر شکر خداوندی اور اس نعمت کی خوشی میں دوستوں کو شریک کرنے کی نیت ہو اور رسومات اسراف یا تفاخر وغیرہ سے پاک وصاف ہو۔

{الفصل الاول}

ولیمہ کا حکم

{۳۰۶۸} **عَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأٰی عَلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَۃٍ فَقَالَ مَاھٰذَا قَالَ اِنِّی تَزَوَّجْتُ امْرَأَۃً عَلٰی وَزْنِ نَوَاۃٍ مِنْ ذَھَبٍ قَالَ بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ اَوْ لِمْ وَلَوْبِشَاۃٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۷۳/۲، باب قول اللہ تعالیٰ واتوا النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۴۸، مسلم شریف: ۴۵۸/۱، باب الصداق، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۲۷۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زردی کا اثر دیکھا، تو دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر سونے پر نکاح کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے برکت دے، ولیمہ کرو، اگر چہ ایک بکری کے ذریعہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیکھا جبکہ ان پر زعفران کی رنگت کا اثر تھا، آپ نے ان سے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بات یہ ہے کہ میں نے شادی کی ہے، آپ نے پوچھا کیا مہر اس کو دیا؟ انہوں نے عرض کیا "وزن نواۃ من ذھب" دیا۔

لبس مزعفر للرجل

یعنی لبس مزعفر، جو کپڑا زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا ہو یا زعفران والی خوشبو جس میں لگائی گئی ہو، ائمہ ثلاث کے نزدیک مرد کے لئے اس کا پہننا مکروہ تحریمی ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس قسم کے کپڑے کا استعمال تو جائز ہے، لیکن بدن میں اس زعفران یا زعفرانی رنگ کا استعمال جائز نہیں۔ لہٰذا بظاہر یہ حدیث جمہور کے خلاف اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے، جمہور کا استدلال ان احادیث صحیحہ سے ہے جن میں لبس مزعفر سے نہی وارد ہوئی ہے اور قصہ عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کی علماء نے مختلف توجیہات کی ہیں "قیل ان ذلك كان قبل النهي"، جس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عبد الرحمن کے قصہ کا سیاق اس کو مشعر ہے کہ وہ اوائل ہجرت میں تھا، جبکہ اکثر رواۃ نہی وہ ہیں جن کی ہجرت مؤخر ہے، ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ اثر صفرہ قصداً نہیں تھا بلکہ یہ رنگ ان کی دلہن کی خوشبو کا تھا جو ان کو لگ گیا تھا، ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ وہ اثر بہت معمولی تھا، اسی لئے آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، اور کہا گیا ہے کہ لبس مزعفر کی نہی للتحریم نہیں بلکہ نہی تنزیہہ ہے وغیر ذلك من الاجوبة۔

(التعلیق: ۴۲/۴)

وزن نواۃ من ذہب کی تفسیر میں اقوال

اس لفظ کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض تو یہ کہتے ہیں کہ نواۃ سے مراد یہی کھجور کی گٹھلی ہے یعنی نواۃ کے مشہور معنی، اور یہ کہ اتنے وزن سونے کی قیمت اس وقت پانچ درہم تھی، اور کہا گیا ہے، کہ ربع دینار تھی، اور اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ نواۃ سے اس کے معنی معروف مراد نہیں بلکہ نواۃ من ذهب یہ لفظ عبارت ہوا کرتا ہے اس چیز سے جس کی قیمت پانچ درہم ہو "وبه جزم الخطابي ونقله عياض عن اكثر العلماء"، اور ایک قول اس میں یہ ہے کہ وزن نواۃ من ذهب سے مراد پانچ درہم کے برابر سونا ہوتا ہے، جس کی مقدار ساڑھے تین مثقال بنتی ہے، وزن سبعه کے لحاظ سے، یہ اقوال ثلاثہ قسطلانی نے شرح بخاری میں ذکر کئے ہیں ان میں سے اگر آخری قول لیا جائے تو پھر یہ حدیث کسی کے بھی خلاف نہ ہوگی۔

صاحب البدائع کی رائے

اور صاحب البدائع حدیث النواۃ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وزن نواۃ تو کبھی کیا بلکہ عامۃ وزن دینار سے زائد ہی ہوتا ہے، اور وہ فرماتے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ وزن نواۃ کی قیمت تو ثلاثہ دراہم بتائی جاتی ہے، تو ہم کہیں گے کہ مقوم معلوم نہیں کون شخص ہے جب تک اس کا پتہ نہ چلے تو اس کا قول دوسرے پر حجت کیسے ہوسکتا ہے، پھر آگے وہ فرماتے ہیں، بلکہ بعض حضرات جیسے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وزن نواۃ کی قیمت دس دراہم کو پہنچتی ہے، نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ محمول ہو مہر معجل پر جیسا کہ اس کا اس وقت دستور تھا نہ کہ اصل مہر، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہو جب بغیر مہر کے ہی نکاح جائز تھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے نہی فرمائی۔

قال: اولم ولو بشاۃ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا ولیمہ کروا گرچہ بکری کے ذبح کے ساتھ ہو، قسطلانی فرماتے ہیں یہ تو تقلیل کے لئے ہے یعنی شخص موسر کے لئے یہ ہے کہ وہ کم از کم ولیمہ ایک بکری کے ساتھ کرے، اور غیر موسر کے لئے حسب استطاعت و قدرت ثابت ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض مرتبہ ولیمہ مد شعیر کے ساتھ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں تمر و سمن اور اقط کے ساتھ ثابت ہے اور کوکب میں یہ لکھا ہے کہ "لو" یہاں پر تکثیر کیلئے ہے جس کی تشریح اس میں اس طرح کی ہے کہ چونکہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ متمول حضرات میں سے تھے، پس اسی کے پیش نظر آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہیں ولیمہ خوب اچھی طرح کرنا چاہئے اس میں بکری ذبح کرو، اور اس میں کوئی اسراف کی بات نہیں۔

"اولم" صیغہ امر ہے جس کا تقاضہ وجوب کا ہے چنانچہ ظاہر یہ وجوب ولیمہ ہی کے قائل ہیں اور یہی ایک روایت امام شافعی بلکہ ائمہ ثلاثہ سے ہے، لیکن مشہور قول میں ولیمہ عند الائمہ الاربعہ سنت ہے۔

(الدر المنضود: ۵۰ / ۴)

فائدہ: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس کا نکاح ہو، اس کو نکاح میں برکت کی دعا دینی چاہئے، اور نکاح کرنے والے کو اپنی حیثیت کے مطابق ولیمہ کرنا چاہئے، اور نکاح کے وقت مہر مقرر کرنا چاہئے۔

شاندار ولیمہ

{۳۰٦۹} **وَعَنْهُ** قَالَ مَا اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْ نِسَائِهٖ مَا اَوْلَمَ عَلٰى زَيْنَبَ اَوْلَمَ بِشَاةٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۷۷، باب الولیمة ولو بشاة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱٦۸، مسلم شریف: ۱/٤٦۱۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی زوجہ کا ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کے موقع پر ایک بکری کا ولیمہ کیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ما اولم رسول الله صلى الله عليه وسلم على احد من نسائه: حدیث کے اس جز سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص ایک سے زائد نکاح کرتا ہے تو اس کے لئے تمام ازواج کے ولیمے میں برابری ضروری نہیں ہے، جس وقت جیسی گنجائش ہو اس کے مطابق ولیمہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ولیمہ کرنے میں کبھی تکلف نہیں کیا، جو چیز سہولت سے میسر آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو ولیمہ میں اختیار کیا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت ولیمہ میں کھجور، گھی، اور پنیر موجود تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے ولیمہ کیا، ایک بیوی کے ولیمہ کا یوں ذکر آتا ہے کہ "اولم النبي صلى الله عليه وسلم على بعض نسائه بمدين من شعير" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض زوجہ محترمہ کا ولیمہ دو مد جو سے فرمایا۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر بیویوں کے مقابلہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ بڑے پیمانے پر کیا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ نکاح اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے، چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بطور فخر کے فرماتی تھیں کہ تم سب کا نکاح تمہارے والد نے کیا، اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا۔ (مرقاة: ٦/۳۳٦)

شب زفاف کے بعد ولیمہ

{۳۰۷۰} **وَعَنْهُ** قَالَ اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَنٰى بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَاَشْبَعَ النَّاسَ خُبْزًا وَلَحْماً۔ (راه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۰۷، باب لاتدخلو بیوت النبی (سورۃ الاحزاب) کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۷۹۴۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گذارنے کے بعد ولیمہ کیا، تو لوگوں کو روٹی اور گوشت سے شکم سیر فرمایا۔ (بخاری)

تشریح: اشبع الناس خبزا ولحما: بخاری کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلانے کے لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا روایت کے الفاظ ہیں: "فارسلنی فدعوت رجالا الی الطعام" مجھ کو بھیجا تاکہ میں لوگوں کو کھانے کی دعوت دوں۔ لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت روٹی پیش کیا ہوسکتا ہے کہ یہ ثرید کی شکل میں ہو، اسی موقع پر آیات حجاب بھی نازل ہوئی تھیں، جس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیات حجاب کی حقیقت سے میں سب سے زیادہ واقف ہوں، کیوں کہ میں اس واقعہ میں حاضر تھا، جب کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد رخصت ہو کر حرم نبوی میں داخل ہوئیں، اور وہ مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کے لئے کچھ کھانا پکوایا، اور لوگوں کو دعوت دی، کھانے کے بعد کچھ لوگ وہیں جم کر آپس میں باتیں کرنے لگے، ترمذی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما تھے اور ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اسی جگہ موجود تھیں جو حیاء کی وجہ سے دیوار کی طرف اپنا رخ کئے بیٹھی تھیں، ان لوگوں کے اس طرح دیر تک بیٹھنے سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس ملاقات وسلام کے لئے تشریف لے گئے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر گھر میں واپس آئے تو یہ لوگ

وہیں موجود تھے، آنحضرت ﷺ کے لوٹنے کے بعد ان لوگوں کو احساس ہوا، تو منتشر ہو گئے، حضرت رسول اللہ ﷺ مکان کے اندر تشریف لائے تھوڑا سا وقت گذرا تھا کہ آنحضرت ﷺ پھر باہر تشریف لائے میں وہاں موجود تھا، آنحضرت ﷺ نے آیت حجاب جو اسی وقت نازل ہوئی تھیں پڑھ کر سنائی "یایھا الذین آمنوا لا تدخلو بیوت النبی الآیہ" اے ایمان والو! نبی کے گھر میں (بلا اجازت) داخل نہ ہوا لا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے وہ بھی اس طرح کہ تم اس کھانے کی تیاری کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو، لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو جاؤ پھر جب کھانا کھا چکو تو اپنی اپنی راہ لو، اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھو۔ (معارف القرآن: /۷)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ

{۳۰۷۱} **وَعَنْهُ** قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْتَقَ صَفِیَّۃَ وَتَزَوَّجَھَا وَجَعَلَ عِتْقَھَا صَدَاقَھَا اَوْلَمَ عَلَیْھَا بِحَیْسٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۷۷، باب الولیمة ولو بشاة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۶۹، مسلم شریف: ۱/۴۵۹، باب فضیلة اعتقاء امته ثم یتزوجھا، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۳۶۵۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو جناب حضرت رسول اکرم ﷺ نے آزاد کیا، پھر ان سے نکاح کیا، اور ان کی آزادی کو ان کا مہر مقرر کیا، اور حیس کے ساتھ ان کا ولیمہ کیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: جنگ خیبر میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، تو یہودی سردار حیی بن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی بطور باندی کے حاضر خدمت ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان پر احسان کیا، پھر ان کو اپنے نکاح میں لے کر خصوصی اعزاز عطا کیا، ان کا مہر ان کی آزادی ہی کو مقرر کیا، اس کا تعلق آنحضرت ﷺ کی خصوصیات سے ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے کھجور، گھی اور پنیر سے بنا ہوا کھانا کھلا کر دعوت ولیمہ فرمائی، جو ایک قسم کے حلوے کی شکل کا کھانا ہے یہ گھی کھجور اور پنیر سے بنتا ہے۔

عتق مہر بن سکتا ہے یا نہیں

ایک شخص اپنی باندی کو آزاد کر کے نکاح کر لیتا ہے اور آزادی ہی کو مہر بنالیتا ہے تو یہ آزادی مہر بن جائے گی یا نہیں؟ امام احمد واسحاق کے نزدیک یہ عتق مہر بن جائے گا، حافظ عینی نے سفیان ثوری اور امام ابو یوسف کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے، امام ابو حنیفہ امام محمد اور مالک کے نزدیک یہ عتق مہر نہیں بنے گا بلکہ مہر مثل دینا پڑے گا، اگر باندی کو نکاح کی شرط پر آزاد کیا لیکن باندی نے آزاد ہو کر نکاح سے انکار کر دیا تو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک باندی کو اپنی قیمت ادا کرنی پڑے گی، امام مالک و زفر کے نزدیک قیمت بھی ادا نہیں کرنی پڑے گی۔ (اعلاء السنن: ۸۴/ ۱۱)

حاصل یہ ہے کہ امام احمد کے نزدیک عتق مہر بن جاتا ہے، امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام شافعی کے مشہور قول کے مطابق نہیں بن سکتا۔

حنفیہ کی دلیل پہلے دی جا چکی ہے آیت قرآنی "وَاَحَلَّ لَکُمْ مَاوَرَاءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ" (الآیۃ) ان عورتوں و چھوڑ کر تمام عورتوں کے بارے میں یہ حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنا مال (جو مہر) خرچ کر کے انہیں (اپنے نکاح میں لانا) چاہو بشرطیکہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کا رشتہ قائم کر کے عفت حاصل کرو صرف شہوت نکالنا مقصود نہ ہو۔ (سورہ النساء) لہٰذا مہر کا مال ہونا ضروری ہے، اور عتق مال نہیں ہے، امام احمد وغیرہ زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا اور آزادی ہی کو مہر بنایا تھا۔

جواب: (١) یہ بات کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کو مہر بنایا گیا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے ظن اور تخمین سے فرمائی ہے چونکہ اس نکاح میں کوئی مہر مقرر نہیں ہوا تھا، اس لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خیال فرمایا کہ شاید آزادی ہی مہر ہو، انہوں نے صراحۃً آنحضرت ﷺ کو نہیں سنا کہ وہ آزدی کو مہر بنا رہے ہوں صحیح بخاری کے اندر جو حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہی پتہ نہیں تھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں یا آنحضرت ﷺ کی مملوکہ ہیں، جب ان کے لئے الگ پردے کا انتظام کیا گیا تو پتہ چلا کہ ام المؤمنین ہیں، جب ان کو اس سے پہلے نکاح کا ہی علم نہ ہوا تھا تو

یہ کیسے پتہ چل گیا کہ آزادی کو مہر بنایا گیا تھا۔

(۲) اگر مان لیا جائے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں عتق ہی کو مہر بنایا گیا تھا، تو جواب یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں مہر مالی کا ہونا ضروری نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو آپ کے لئے ہبہ کردے یعنی بغیر مہر کے نکاح کرلے تو نکاح ہوجائے گا، اور مہر واجب نہیں ہوگا۔ جبکہ عام آدمی اس طرح کرے تو مہر مثل واجب ہوگا قرآن کریم میں "وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ" نیز کوئی مسلمان عورت جس نے مہر کے بغیر نبی کو اپنے آپ سے نکاح کرنے کی پیش کش کی ہو، بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ (سورۃ الاحزاب) جب نبی کا نکاح مہر سے بالکل خالی ہوسکتا ہے تو عتق بدرجہ اولی بطریق اولی نبی کے نکاح میں مہر بنایا جاسکتا ہے بطور خصوصیت کے۔ (عمدۃ القاری: ۸۱/۲۰، اشرف التوضیح: ۴۵۸/۲)

ولیمہ میں دعوت دینا

{۳۰۷۲} **وَعَنْهُ** قَالَ اَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِيْنَةِ ثَلاَثَ لَيَالٍ يُبْنٰى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى وَلِيْمَتِهٖ وَمَا كَانَ فِيْهَا مِنْ خُبْزٍ وَلاَ لَحْمٍ وَمَا كَانَ فِيْهَا اِلاَّ اَنْ اَمَرَ بِالْاَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ فَاُلْقِيَ عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالْاَقِطُ وَالسَّمْنُ. (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۶۰۶/۲، باب غزوۃ خیبر، کتاب المغازی، حدیث نمبر: ۴۲۱۳۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر اور مدینہ منورہ کے درمیان تین رات ٹھہرے اور وہیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گذاری، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ولیمہ میں شرکت کے لئے لوگوں کو بلایا، دعوت ولیمہ میں نہ روٹیاں تھیں اور نہ گوشت تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا، جب دسترخوان بچھ گیا تو اس پر

کھجور، پنیر اور گھی رکھا گیا۔ (بخاری)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے غزوہ خیبر سے واپس ہوتے ہوئے "مقام صہبا" میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، اور وہیں پر آنحضرت ﷺ نے شب زفاف گذارنے کے بعد ولیمہ فرمایا، آنحضرت ﷺ کا دسترخوان کشادہ اور وسیع تو ضرور تھا لیکن اس پر انواع واقسام کے پرتکلف کھانے نہیں تھے، بلکہ کھجور، پنیر اور گھی کا مجموعہ حیس تھا، یہ آنحضرت ﷺ کے کمال زہد کی دلیل ہے۔

یبنی علیہ بصفیۃ: غزوہ خیبر کے موقع پر جب قلعہ قموص فتح ہوا تو اس میں صفیہ بنت حی بن اخطب اور ان کی دو چچازاد بہنیں بھی گرفتار ہوئیں، صفیہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجہ تھیں، تھوڑے ہی دنوں پہلے ان کا نکاح ہوا تھا، غزوہ خیبر کے موقع پر ان کے باپ اور شوہر وغیرہ قتل ہو گئے تھے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے مشورہ سے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے منتخب فرمالیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا خواب

قید ہونے کے وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر نیلا داغ تھا، اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی ہے کہ چند روز پہلے میں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گود میں آگیا ہے، اپنے شوہر سے میں نے ذکر کیا تو اس نے طمانچہ مارا کہ تو بادشاہ مدینہ کی تمنا کرتی ہے، حالانکہ مجھے آنحضرت ﷺ کے بارے میں کچھ علم نہ تھا، آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کیا اور نکاح فرما کر ان سے خلوت فرمائی، خلوت کی پہلی رات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ چوں کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے باپ، بھائی اور شوہر سب اسی غزوہ میں مارے گئے ہیں، لہٰذا ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ کچھ شرارت نہ کرے، حضور ﷺ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور ابوایوب رضی اللہ عنہ کو دعاء سے نوازا۔ (نصر الباری)

ولیمہ اور حجاب

خلوت کے بعد آنحضرت ﷺ نے دعوت ولیمہ کا اہتمام فرمایا، اس میں آنحضرت ﷺ

نے کھجور، پنیر اور گھی کا نظم فرمایا، اور اس سے مراد "حیس" کھانا جو ان چیزوں سے مل کر بنتا ہے جیسا کہ گذشتہ روایت میں اس کا ذکر ہے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین میں سے کچھ لوگوں کو تردد تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں یا باندی؟ طے ہوا کہ اگر وہ حجاب میں رہیں تو بیوی ہیں ورنہ باندی ہیں، جب روانگی ہوئی تو اونٹ پر کپڑا کھینچ کر حجاب کیا گیا، اس سے سب نے سمجھ لیا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ یعنی ام المؤمنین ہیں۔

دعوت ولیمہ قبول کرنا چاہئے

اجابت ولیمہ کے بارے میں روایت مختلف ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ دعوت ولیمہ قبول کرنا واجب ہے، کچھ لوگ سنت قرار دیتے ہیں، لیکن یہ اختلاف نفس دعوت قبول کرنے کے اعتبار سے ہے، کھانا واجب نہیں ہے، وہ تو مستحب ہے، اگر کسی مجبوری کی بنا پر دعوت قبول کرنا ممکن نہ ہو تو جس وقت دعوت دی جائے اسی وقت عذر کر دینا چاہئے۔ (تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔)

مختصر ولیمہ

{۳۰۷۳} **وَعَنْ** صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ اَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيْرٍ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۷۷، باب من اولم باقل من شاة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۷۲۔

ترجمہ: حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض بیوی کا ولیمہ دو مد جو کے ساتھ کیا۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں جن بیوی کے ولیمہ کا ذکر ہے وہ غالباً حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ میں کبھی بھی تکلف کے ساتھ کام نہیں لیا، جس موقع پر سہولت سے جو میسر آیا

اسی سے آنحضرت ﷺ نے ولیمہ فرمایا، لہٰذا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ نے بہت ہی مختصر ولیمہ کیا اور وہ دو مد جو کے ستو سے ہوا۔

بمدین من شعیر: ولیمہ حسب استطاعت کرنا چاہئے، اس کی کوئی حد متعین نہیں ہے، اسراف سے بچتے ہوئے ہر مقدار جائز ہے، آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح کرکے وسعت فرمائی، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں حیس کھلا کر متوسط درجہ کا ولیمہ کیا، اور حدیث باب میں ہے کہ دو مد یعنی چار رطل ستو کا آٹا خرچ کیا یہ نہایت مختصر ولیمہ ہے۔

دعوت ولیمہ قبول کرنا

{۳۰۷۴} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیْمَةِ فَلْیَأْتِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ فَلْیُجِبْ عُرُساً کَانَ اَوْ نَحْوَهُ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۷۷، باب حق اجابة الولیمة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۷۳، مسلم شریف: ۱/۴۲۳، باب الآخر باجابة الداعی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۲۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں کا کوئی شخص دعوت ولیمہ میں بلایا جائے تو اس کو اس میں شریک ہونا چاہئے۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس کو دعوت قبول کرنا چاہئے، خواہ دعوت ولیمہ ہو یا کوئی اور دعوت ہو۔

تشریح: اذا دعی احدکم الی الولیمة: شادی کے بعد دعوت ولیمہ میں اگر کوئی مدعو کیا گیا تو بعض لوگوں کے نزدیک جانا واجب نہیں ہے اور بعض کے نزدیک جانا مستحب ہے، البتہ کھانا کھانا واجب نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ مستحب ہے، بغیر عذر دعوت قبول نہ کرنے والے کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "من ترک الدعوة فقد عصی اللہ ورسولہ" جس شخص نے دعوت

قبول نہ کی، اس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی لیکن اس سے مراد وہ دعوت ہے جو کہ ہر طرح اسراف ورسومات اور خلاف شرع امور سے خالی ہو، اگر کسی دعوت میں خلاف شرع امور کی انجام دہی ہو رہی ہو تو ایسی دعوت میں نہ جانا بہتر ہے۔

کان او نحوہ: دعوت میں شرکت کرنا چاہئے، خواہ ولیمہ کی دعوت ہو یا کسی اور دعوت میں بلایا گیا ہو، امام نووی نے قاضی عیاض سے ولیمہ کے علاوہ دوسری دعوت کے بارے میں جمہور کا مسلک عدم وجوب کا نقل کیا ہے، اہل ظواہر کے نزدیک ہر دعوت کی اجابت واجب ہے تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

تنبیہ: ختنہ کی دعوت کا آج کل بہت چلن ہے، لیکن یہ سنت سے ثابت نہیں ہے، ایک صحابی کو کسی نے ختنہ کی دعوت میں شرکت کے لئے مدعو کیا، تو ان صحابی نے شرکت سے انکار کیا، لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا: "انا کنا لاناتی الختان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا ندعی له" رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں نہ تو ہم ختنہ کی دعوت میں جاتے تھے، اور نہ ہی بلائے جاتے تھے، معلوم ہوا کہ ختنہ کی دعوت کرنا یا قبول کرنا مستحب نہیں ہے۔ (انوار المصابیح: ۶/۴۰)

دعوت میں کھانا کھانا

{۳۰۷۵} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلىٰ طَعَامٍ فَلْيُجِبْ فَاِنْ شَاءَ طَعِمَ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۴۲۳، باب الأمر باجابة الداعی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۳۰۔

ترجمه: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اس کو چاہئے کہ دعوت قبول کرے، پھر اگر چاہے تو کھائے اور اگر چاہے تو نہ کھائے۔ (مسلم)

تشریح: فلیجب: دعوت قبول کرے اور جائے، ابن ملک کہتے ہیں کہ امر وجوب کے لئے

ہےلیکن دعوت قبول کرنا اس وقت واجب ہے جب کہ کوئی عذر نہ ہو، اور اگر کوئی عذر ہے مثلاً دعوت کی جگہ دور ہے تو نہ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، جمہور علماء کے نزدیک یہ امر وجوب کیلئے نہیں ہے، بلکہ استحباب کے لئے ہے، "فان شاء طعم" اگر خواہش نہیں تو کھانا نہ کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر پہلے سے نہ کھانے کا عزم ہے یا شرکت نہ کرنے کا ارادہ ہے تو داعی سے بتادینا چاہئے تاکہ اس کے حصہ کا کھانا نہ پکائے۔

بدترین ولیمہ

{۳۰۷۶} **وَعَنْ** اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعَىٰ لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۷۸/۲، باب من ترک الدعوة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۷۷، مسلم شریف: ۴۶۲/۱، باب الامر باجابة الداعی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۳۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سب سے برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے، جس میں مالداروں کو بلایا جائے، اور غریبوں کو چھوڑا جائے، جس شخص نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو صرف مالداروں کو دعوت ولیمہ میں بلاتے ہیں، لہٰذا داعی کو چاہئے کہ مالداروں کے ساتھ فقراء کو بھی دعوت ولیمہ میں بلائے، اسی طرح ان لوگوں کو بھی تنبیہ کی گئی ہے، جو بلا کسی عذر کے دعوت میں شرکت نہیں کرتے، لہٰذا مدعو کو چاہئے کہ وہ دعوت میں شرکت کرے اور اگر کسی کو کوئی عذر ہے تو داعی سے معذرت کرلے۔

فقد عصی اللّٰہ ورسولہ: حدیث کے اس جز سے استدلال کرکے بعض لوگ کہتے ہیں کہ دعوت ولیمہ قبول کرنا واجب ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ کوئی عذر نہ ہو، جمہور کے نزدیک دعوت ولیمہ مستحب ہے لازم نہیں۔ (مرقاة: ۳۴۰/۶)

بن بلائے مہمان کا حکم

{۳۰۷۷} وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ یُکْنٰی اَبَا شُعَیْبٍ کَانَ لَہٗ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ اِصْنَعْ لِیْ طَعَامًا یَکْفِیْ خَمْسَۃً لَعَلِّیْ اَدْعُوْ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَۃٍ فَصَنَعَ لَہٗ طُعَیِّماً ثُمَّ اَتَاہُ فَدَعَاہُ فَتَبِعَھُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا شُعَیْبٍ اِنَّ رَجُلاً تَبِعَنَا فَاِنْ شِئْتَ أَذِنْتَ لَہٗ وَاِنْ شِئْتَ تَرَکْتَہٗ قَالَ لَا بَلْ اَذِنْتُ لَہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۲۱/۲، باب الرجل یدعی الی الطعام، کتاب الاطعمۃ، حدیث نمبر: ۵۴۶۱، مسلم شریف: ۱۷۶/۲، باب مایفعل الضیف اذا تبعہ، کتاب الاشربۃ، حدیث نمبر: ۲۰۳۶۔

ترجمہ: حضرت مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آدمی کی کنیت ابوشعیب رضی اللہ عنہ تھی ایک قصائی ان کا غلام تھا، انہوں نے اس غلام سے کہا کہ میرے لئے اتنا کھانا پکاؤ کہ جو پانچ آدمی کے لئے کافی ہوجائے تاکہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کروں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ آدمیوں میں سے ایک ہوں گے، چنانچہ اس غلام نے ان کے واسطے تھوڑا سا کھانا پکادیا، پھر ابوشعیب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی ایک شخص مزید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا گیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوشعیب بے شک ایک صاحب ہمارے ساتھ چلے آئے ہیں، اگر تم چاہو تو ان کو اجازت دو اور اگر چاہو تو اس کو چھوڑ دو، ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ میں ان کو اجازت دیتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ان رجلا تبعنا: ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے پانچ آدمیوں کی دعوت کی تھی، راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک صاحب اور مل گئے اور ساتھ ہولئے، ان کو شاید معلوم نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعوت میں جارہے ہیں یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے ساتھ ہولئے تھے،

اور حضور ﷺ کی شان کریمی سے یہ بات بعید تھی کہ آنحضرت ﷺ از خود ان کو منع فرماتے، چنانچہ داعی کے گھر پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے اجازت طلب کی، اجازت مل گئی تو ان کو بھی طعام میں شریک کیا، یہیں سے معلوم ہوا کہ بن بلائے نہ دعوت میں جانا چاہئے اور نہ کسی کو لے جانا چاہئے، ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "من دخل علی غیر دعوة دخل سارقا وخرج مغیراً" جو شخص بلا دعوت داخل ہوا چور بنکر داخل ہوا اور ڈاکو بن کر نکلا۔ یعنی چور اور لٹیرا کسی کے گھر میں گھسنے کی وجہ سے جس طرح گنہگار ہوتا ہے، اسی طرح غیر مدعو شخص بھی اس غیر اخلاقی فعل کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے، اور اگر چپکے سے کھا کر چلا آیا تو اس نے درحقیقت چوری ہی کی۔

فوائد: اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱)......کسی بھی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کی دعوت میں بن بلائے پہنچ جائے، اور اسی طرح کسی مہمان کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بن بلائے شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جائے ہاں اگر میزبان نے اس بات کی صریح اجازت دی ہو یا کوئی ایسی دعوت ہو جہاں اذن عام ہو یا مہمان یہ جانتا ہو کہ اگر میں کسی شخص کو اپنے ساتھ لے آؤں تو میزبان کی مرضی کیخلاف نہ ہوگا، تو ان صورتوں میں اپنے ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲)......صاحب خانہ کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں۔

(۳)......اگر کوئی شخص چند مخصوص آدمیوں کی دعوت کرے اور انکے ساتھ کوئی بن بلائے شخص بھی ساتھ ہو جائے تو ان مہمانوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ میزبان سے اسکی اجازت لے لے۔

(۴)......داعی سے اگر کسی کے بارے میں اجازت لی جائے تو اگر اس کو کسی قسم کی زحمت نہ ہو تو اس کو اجازت دیدینا چاہئے اور اگر کسی طرح کی پریشانی ہو تو پھر نرمی کے ساتھ واپس کر دینا چاہئے۔

تنبیہ: آج کل مدارس کے جلسوں میں بہت سے حضرات خواص کے کھانوں میں پہنچ جاتے ہیں اور داعی کو سخت تکلیف اور شرمندگی ہوتی ہے۔

(۲)......کسی اجلاس میں شرکت کی موقع پر بہت سے علماء حضرات بھی شرط لگاتے ہیں کہ میں بیان کے بعد کھانا کھاؤں گا بیان کسی کا رات کو ۱۱ر بجے ختم ہوتا ہے کسی کا ۱۲ر بجے کسی کا ۱ر یا ۲ر بجے وہ اسی وقت

012

کھانے کے لئے پہنچتے ہیں جس سے میزبان کو اور اس کے اہل خانہ کو سخت تکلیف پہنچتی ہے سب گھر والوں کی پوری رات برباد ہوتی ہے انکو بار بار کھانا گرم کرنا پڑتا ہے. بہت دفعہ کھانا ختم ہوجاتا ہے، چونکہ ہر ایک عالم واعظ کے ساتھ پورا قافلہ ہوتا ہے مہمان کے لئے میزبان کی رعایت اور اس کو اذیت سے بچانا بھی انتہائی ضروری ہے۔

{الفصل الثانی}

ستو اور کھجور کا ولیمہ

{٣٠٧٨} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْلَمَ عَلٰی صَفِیَّۃَ بِسَوِیْقٍ وَ تَمْرٍ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

حوالہ: مسند احمد: ٣/١١٠، ترمذی شریف: ١/٢٠٨، باب ماجاء فی الولیمۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ١٠٩٥، ابو داؤد شریف: ٥٢٦، باب فی استحباب الولیمۃ، کتاب الأطعمہ، حدیث نمبر: ٣٧٤٤، ابن ماجہ شریف: ١٣٧، باب الولیمۃ، کتاب النکاح۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ ستو اور کھجور کے ساتھ کیا تھا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ بہت مختصر کیا تھا، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکلف کو پسند نہیں کرتے تھے، لہٰذا جو میسر آتا اسی سے ولیمہ فرماتے تھے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح خیبر سے واپسی میں ہوا تھا، لہٰذا اس وقت کھجور اور ستو ہی جیسی چیزیں میسر تھیں، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی چیزوں پر اکتفا کیا۔

بسویق وتمر: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں بکری ذبح کی اور

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں کھجور اور ستو سے ولیمہ کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص چند نکاح کر رہا ہے تو ہر ایک نکاح کے بعد ولیمہ میں برابری لازم نہیں ہے، حسب گنجائش ولیمہ کرنے میں تکلف سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

تعارض مع دفع تعارض

ما قبل میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کی سلسلہ میں یہ بات گذری کہ "واولم علیها بحیس" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ "حیس" کھانا کھلا کر کیا، اور یہاں کھجور اور ستو کا ذکر ہے، دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: ولیمہ میں "حیس" کھانا بھی تھا جو کہ کھجور، گھی اور پنیر سے مل کر بنتا ہے، اور یہ حلوے کی شکل میں ہوتا ہے اور ستو کھجور بھی تھا، کبھی کسی کو ذکر کیا اور کبھی کسی کو، درحقیقت اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (مرقاۃ:۶/۳۴۲)

کس دعوت سے اجتناب کرنا چاہئے

{۳۰۷۹} **وَعَنْ** سَفِيْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَجُلاً ضَافَ عَلِيَّ بْنِ طَالِبٍ فَصَنَعَ لَهٗ طَعَامًا فَقَالَتْ فَاطِمَةُ لَوْدَعَوْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَكَلَ مَعَنَا فَدَعَوْهُ فَجَاءَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى عِضَادَتَيِ الْبَابِ فَرَاَى الْقِرَامَ قَدْ ضُرِبَ فِيْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ فَرَجَعَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَتَبِعْتُهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رَدَّكَ قَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ لِيْ اَوْلِنَبِيٍّ اَنْ يَدْخُلَ بَيْتًا مُزَوَّقًا۔ (رواہ احمد وابن ماجه)

حواله: احمد: ۲۲۱/۵/۲۲۰، ابن ماجه، ۱۲۴۱، باب اذرای الضیف منکرا رجع، کتاب الطعمة، حدیث نمبر: ۳۳۶۰۔

ترجمه: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کہ ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا، تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیلئے کھانا تیار کیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اگر ہم حضرت

رسول اللہ ﷺ کو بلالیں اور آپ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھالیں تو بہت اچھا ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کو بلایا گیا تو آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ نے دروازے کے دونوں بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے تو آنحضرت ﷺ کی نظر اس پردہ پر پڑی جو گھر کے ایک کونے میں لٹکا ہوا تھا، اور آنحضرت ﷺ یہ دیکھ کر واپس ہو گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے گئی اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آنحضرت ﷺ کا واپس لوٹنا کس بنا پر ہوا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے یا فرمایا کسی نبی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ زینت والے گھر میں داخل ہو۔ (احمد، ابن ماجہ)

تشریح: دعوت کی جگہ میں یا خود دعوت میں کوئی ایسی بات ہو جس سے مدعو کا وقار مجروح ہوتا ہو یا زہد و تقویٰ کیخلاف کسی عمل کا ارتکاب ہوتا ہو تو مدعو کیلئے درست ہے کہ وہ اس دعوت میں شرکت نہ کرے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی دلاری بیٹی تھیں، انہوں نے بڑی محبت سے آنحضرت ﷺ کو اپنے گھر کھانا کی دعوت دی تھی لیکن آنحضرت ﷺ صرف اس وجہ سے ان کے گھر سے واپس آگئے کہ ان کے گھر میں ایسا پردہ پڑا تھا جس سے بے جا دنیوی زیب و زینت کا اظہار ہوتا تھا، چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام بہت بلند ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ کو ان کی طرف سے ذرا سی زیب و زینت بھی گوارا نہیں ہوئی، اور آنحضرت ﷺ نے ایسی دعوت میں شرکت کرنا گوارہ نہیں فرمایا۔

لیس لی او لنبی ان یدخل بیتا مزوقا: کسی نقش و نگار سے آراستہ گھر میں داخل ہونا نبی کے شایان شان نہیں ہے، بعض شارحین نے نقل کیا کہ وہ پردہ منقش تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ کو ناگوار ہوا، جب کہ بعض نے کہا کہ وہ پردہ اسی طرح ڈالا گیا تھا، جیسے دلہن کے لئے آراستہ کیا ہوا کمرہ ہو یہ چیز آنحضرت ﷺ کو گراں گذری بہر حال چوں کہ یہ عمل خلاف اولی تھا، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور آنحضرت ﷺ واپس آگئے، ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جب آنحضرت ﷺ سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لئے جاتے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف

لارہے تھے کہ ان کے گھر پر آنحضرت ﷺ کو ایک منقش پردہ لٹکا ہوا نظر آیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ واپس ہوگئے، بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "وما انا والدنیا واما انا والرقم" مجھے دنیا اور اسکی زیب وزینت سے کیا سروکار ہے، اور مجھے پھول بوٹوں سے کیا مناسبت ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات پائی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ جا کر معلوم کریں کہ میں اس پردہ کا کیا کروں؟ پوچھنے پر آنحضرت ﷺ نے بتایا کہ فلاں گھرانے میں بھیج دو، یہاں پر یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ دروازہ پر پردہ ہونا معیوب نہیں ہے، بلکہ نقش ونگار اور بے جا زیب وزینت کی ممانعت مقصود ہے اور اس سے بچنے کی تاکید ہے۔ (مرقاۃ: ۶/۳۴۳)

بن بلائے دعوت میں جانے والا

{۳۰۸۰} **وَعَنْ** عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يُجِبْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ دَخَلَ عَلٰى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقاً وَّخَرَجَ مُغِيْراً۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/۵۲۵، باب ماجاء فی اجابة الدعوة، کتاب الاطعمة، حدیث نمبر: ۳۷۴۱۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص کی دعوت کی جائے اور وہ قبول نہ کرے تو اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرنی کی، اور جو شخص بن بلائے دعوت میں شریک ہوا تو وہ چور کی شکل میں داخل ہوا اور ڈاکو کی صورت میں باہر نکلا۔ (ابوداؤد)

تشریح: من دعی: دعوت دی جائے تو قبول کرنا چاہئے، ترمذی میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے "ائتوا الدعوۃ اذا دعیتم" جب تمہیں دعوت میں بلایا جائے تو دعوت میں جاؤ، اگر کوئی مجبوری ہے جس کی وجہ سے دعوت قبول کرنے میں پریشانی ہے تو جس وقت دعوت دی جائے اسی وقت

عذر کردینا چاہئے، "ومن دخل علی غیر دعوۃ" آنحضرت ﷺ نے بن بلائے دعوت میں جانے والے کو چور کے مانند قرار دیا ہے چوں کہ چوری میں "اخفا" یعنی پوشیدگی کے معنی ہوتے ہیں، اسی طرح بن بلائے دعوت میں جانے والا بھی چپکے سے داخل ہوتا ہے اس لئے اس کو "سارق" یعنی چور کہا ہے، اور داخل ہونے کے بعد جب سب کے ساتھ اس نے بیٹھ کر کھالیا اور لوگوں کو اس کے بارے میں معلوم ہوگیا تو چوں کہ راز کھل گیا، اور لوگوں کے علم میں بات آگئی تو اب ڈاکو کے مانند ہوگیا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ داخل ہونے کے وقت چور کی طرح ہے، اور نکلنے کے وقت ڈاکو کے مانند ہے لیکن آج کل دعوت میں بسا اوقات بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے کچھ لوگ چپکے سے کھا کر کھسک لیتے ہیں، لہٰذا آتے اور جاتے وقت ان کی حالت چوری کی طرح ہوتی ہے۔ (الدر المنضود: ۶/۵۰، مرقاۃ: ۶/۳۴۴، التعلیق: ۴۸)

پہلے داعی کا حق مقدم ہے

{۳۰۸۱} **وَعَنْ** رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اجْتَمَعَ الدَّاعِيَانِ فَاَجِبْ اَقْرَبَهُمَا بَاباً وَاِنْ سَبَقَ اَحَدُهُمَا فَاَجِبِ الَّذِيْ سَبَقَ۔ (رواہ احمد و ابوداؤد)

حوالہ: احمد: ۵/۴۰۸، ابو داؤد شریف: ۲/۵۲۷، باب اذا اجتمع داعیان، کتاب الاطعمۃ، حدیث نمبر: ۳۷۵۶۔

ترجمہ: حضرت نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص سے رایت ہے کہ بلاشبہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دو دعوت دینے والے جمع ہوجائیں، تو اس کی دعوت قبول کرو جو ان میں سے دروازہ کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے، اور اگر ان میں سے ایک نے پہلے دعوت دی ہے، تو اس کی دعوت قبول کرو جس نے پہلے دعوت دی ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: یعنی اگر ایک ہی وقت میں دو شخصوں کی طرف سے دعوت آئے تو کس کی منظور کی جائے۔

تو حاصل کلام یہ نکلا کہ عقد سے پہلے کی دعوت صحیح ہے اور عقد کے بعد کی دعوت یعنی دعوت ولیمہ مسنون ہے، "وطعام یوم الثالث" تیسرے دن کی دعوت محض دکھاوا ہے۔

دعوت ولیمہ کا تعلق درحقیقت عرف سے ہے، چونکہ ہمارے یہاں کا عرف ایک دن کا ہے، لہٰذا دوسرے دن دعوت کرنا دکھاوا ہے اگر کسی جگہ کا عرف دو دن سے زیادہ دعوت ولیمہ کرنے کا ہے تو وہاں تیسرے دن کرنا دکھاوا نہیں کہلائے گا۔

دعوت ولیمہ کتنے دن مستحب ہے، حدیث الباب میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "الولیمة اول یوم حق والثانی سنة والیوم الثالث سمعة وریاء" کہ ولیمہ پہلے دن حق ہے ثابت اور سنت موکدہ ہے اور دوسرے دن سنت ہے یعنی صرف مستحب غیر موکدہ اور تیسرے دن ثابت نہیں ہے بلکہ شہرت طلبی اور ریاکاری ہے ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی پہلے دن دعوت ولیمہ کی گئی تو آپ نے اس کو منظور فرمالیا اور دوسرے دن بھی منظور فرمالیا، اور تیسرے روز جب وہ دعوت کرنے کے لئے آیا تو اس کو منظور نہیں کیا بلکہ قاصد کو کنکری پھینک کر ماری اور فرمایا: ریاکار ہے۔

اس لئے عند الجمہور جیسا کہ حدیث الباب میں ہے دعوت ولیمہ صرف دو دن ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سات روز تک ہے، "والیه مال البخاری" چنانچہ انہوں نے اپنی صحیح میں ترجمہ قائم کیا ہے، "باب حق اجابة الولیمة ومن اولم سبعة ایام ونحوه، ولم یوقت النبی صلی الله علیه وسلم یوما ولا یومین" اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ابوداؤد کی اوپر والی حدیث "والیوم الثالث سمعة وریاء" کے بارے میں فرمایا: "لا یصح اسناده، ولا یصح له صحبة، یعنی الزهیر الی آخر مافی الابواب والتراجم: ٢٤٠/٥، فارجع الیه لو شئت" نیز اس میں ہے کہ تیسرے دن ولیمہ کی اجابت مکروہ ہے اور دوسرے دن بھی معمولی درجہ کا استحباب ہے واجب قطعاً نہیں، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ تیسرے روز ولیمہ کی کراہت جب ہے وہی شخص مدعو ہو جس کی دعوت پہلے ہو چکی ہے، اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "استحب اصحابنا لاهل السعة کونها اسبوعا، قال وقال بعضهم، محله اذا دعی فی کل یوم من لم یدع قبله ولم یکرر

علیھم"۔ یعنی مالکیہ کے نزدیک اصحاب وسعت اور مالداروں کے لئے ولیمہ سات روز تک کرنا مستحب ہے اور بعض مالکیہ کے نزدیک سات روز تک استحباب اس صورت میں ہے جب کہ ہر دن الگ اور نئے لوگوں کی دعوت کی جائے، تکرار دعوت مستحب نہیں۔ (الدرالمنضود: ۶/۵۲)

حدیث الباب میں ہے۔ "فاجب اقربهما بابا، وان سبق احدهما فاجب الذی سبق" یعنی جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو وہ زیادہ مستحق ہے اجابت دعوت کا قرب جوار کی وجہ سے اور اگر دو شخصوں کی طرف سے دعوت متعاقباً یعنی آگے پیچھے آئے تو جس کی طرف سے پیام پہلے پہنچے وہ زیادہ مستحق ہے۔ اور اگر ممکن ہو تو دونوں جگہ شریک ہو جائے۔ (الدرالمنضود: ۶/۵۵، مرقاۃ: ۶/۳۴۴)

شہرت کی دعوت

{۳۰۸۲} **وَعَنِ** ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ اَوَّلِ یَوْمٍ حَقٌّ وَ طَعَامُ یَوْمِ الثَّانِیْ سُنَّةٌ وَطَعَامُ یَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۰۸، باب ماجاء فی الولیمة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۰۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ پہلے دن کا کھانا حق ہے، دوسرے دن کا کھانا سنت ہے اور تیسرے دن کا کھانا دکھاوا ہے، جو شخص دکھاوا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کا دکھاوا کریں گے۔ (ترمذی)

تشریح: طعام اول یوم حق: جو لوگ دعوت ولیمہ واجب کہتے ہیں ان کے نزدیک حق کے معنی لازم ہیں اور جو لوگ دعوت ولیمہ کو مسنون قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک "حق" کے معنی ثابت ہیں، یعنی پہلے دن دعوت ولیمہ صحیح ہے، "وطعام یوم الثانی سنة" دوسرے دن دعوت کرنا مسنون و مستحب ہے یہاں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے دن کی دعوت عقد سے پہلے کی ہو اور دوسرے دن کی دعوت عقد کے بعد کی ہو۔

دعوت میں مقابلہ کرنے والوں کی دعوت

{۳۰۸۳} **وَعَنْ** عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ أَنْ يُؤْكَلَ۔ (رواہ ابوداؤد) وَقَالَ مُحْيُ السُّنَّةِ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسِلاً۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۲۷، باب فی طعام المتباریین، کتاب الاطعمة، حدیث نمبر: ۳۷۵۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ان دولوگوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو آپس میں فخر کا مقابلہ کرنے والے ہیں۔ (ابوداؤد) امام محی السنة فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ اس روایت کو عکرمہ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جولوگ فخر اور غرور اور آپس میں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے اور اپنی بڑائی ثابت کرنے کی غرض سے دعوت کریں تو ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے، اور ان کی دعوت قبول کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔

سوال: ایسے اشخاص کی دعوت کھانے سے آنحضرت ﷺ نے کیوں منع فرمایا ہے؟

جواب: چونکہ ان کے اندر واضح طور پر ریاکاری کا جذبہ ہے لہٰذا اس کھانے سے بگاڑ پیدا ہوگا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھانے کی ایک دعوت میں تشریف لے گئے واپسی پر حضرت عمر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کاش میں اس دعوت میں شرکت نہ کرتا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ایسا کیوں؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ یہ دعوت صرف فخر و مقابلہ کے طور پر کی گئی تھی۔ (مرقاۃ: ۶/۳۴۵)

{الفصل الثالث}

فخریہ دعوت

{۳۰۸۴} عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَبَارِیَانِ لاَ یُجَابَانِ وَلَا یُؤْکَلُ طَعَامُهُمَا قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ یَعْنِیْ اَلْمُتَعَارِضَیْنِ بِالضِّیَافَةِ فَخْراً وَرِیَاءً۔ (بیهقی فی شعب الایمان)

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان: ۱۲۹/۵، باب فی المطاعم والمشارب، حدیث نمبر: ۵۸۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دو فخر میں مقابلہ کرنے والوں کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ ان کا کھانا کھایا جائے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد وہ لوگ ہیں جو فخر اور ریا کی خاطر جھگڑا کرنے والے ہیں۔

تشریح: ترجمہ سے واضح ہے۔

فاسق کی دعوت قبول کرنا

{۳۰۸۵} وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اِجَابَةِ طَعَامِ الْفَاسِقِیْنَ۔ (بیهقی فی شعب الایمان)

حوالہ: بیهقی فی شعب الایمان: ٦٦/۵، باب فی المطاعم والمشارب، حدیث نمبر: ٦۰٦۷۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بیہقی)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے فاسقوں کی دعوت یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانوں کی دعوت قبول کرنے سے منع کیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ ظلم وجور سے باز آئیں اور رزق حرام سے اجتناب کریں، فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے ان کی حوصلہ افزائی ہوگی اور ان کے اندر خود احتسابی کا جذبہ پیدا نہ ہوگا۔

الفاسقین: فاسق سے مطلق فاسق مراد ہے خواہ وہ کسی بھی طرح کے گناہ کبیرہ کا علانیہ مرتکب ہو، اس کی دعوت قبول نہ کی جائے، فاسق کی دعوت قبول نہ کرنے کے دو فائدے ہیں۔

(۱)...... چونکہ وہ فاسق ہے لہٰذا اس کا مال بھی مشتبہ ہے، لہٰذا پہلا فائدہ تو مال مشتبہ سے احتراز ہے۔

(۲)...... دعوت رد کرنے میں اس کو ایک گونہ تنبیہ ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ یہ چیز اس کی اصلاح کا اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کا بھی ذریعہ بنے یہ دوسرا فائدہ ہے۔

متقی کی دعوت قبول کرو

{۳۰۸۶} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُ کُمْ عَلٰی اَخِیْهِ الْمُسْلِمِ فَلْیَأْ کُلْ مِنْ طَعَامِهٖ وَلاَ یَسْاَلْ وَیَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهٖ وَلاَ یَسْاَلْ رَوَی الْاَحَادِیْثَ الثَّلاَثَةَ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعُبِ الاِیْمَانَ وَقَالَ هٰذَا اِنْ صَحَّ فَلِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّ الْمُسْلِمَ لَا یُطْعِمُهٗ وَلاَیَسْقِیْهِ اِلَّا مَاهُوَ حَلَالٌ عِنْدَهٗ۔

حوالہ: بیھقی فی شعب الایمان: ۵/ ۶۷، باب فی المطاعم والمشارب، حدیث نمبر: ۶۰۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے تو اس کے کھانے میں سے کھائے، اور جانچ پڑتال نہ کرے، اور اس کے پینے کی چیز میں سے پی لے، اور پوچھ گچھ نہ کرے، تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو وہی چیز کھلاتا ہے جو اس کے نزدیک حلال ہوتی ہے۔

تشریح: متقی مسلمان کے گھر جانے والا شخص بلاتحقیق اور بلا چون و چرا کئے اس چیز کو کھا پی سکتا ہے جو متقی مسلمان کی طرف سے اس کو کھانے کو دی جائے، متقی شخص کی روزی حلال ہی ہوگی، لہٰذا اس بارے میں تحقیق کرنے سے سوائے اس کے دل آزاری کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اخیہ المسلم: "المسلم" کی قید اسی غرض سے لگادی ہے کہ وہ شخص نیک ہو، فاسق کی دعوت تو قبول ہی نہ کی جائے، اور جس شخص کے اصلاح وتقوی کا علم نہ ہو اس کے مال کے بارے میں مناسب طور پر تحقیق کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مرقاۃ: ٦/۳۴٦)

دعوت ولیمہ کے بعض منکرات

(۱)......انتہائی قیمتی کارڈ چھپوائے جاتے ہیں جو اسراف بیجا کے ساتھ ریاونمود میں بھی داخل ہے۔

(۲)......بڑے بڑے ہوٹل اور شادی ہال بک کرائے جاتے ہیں اور اس پر لاکھوں کی رقم صرف کی جاتی ہے۔

(۳)......ضرورت سے زائد روشنی اور بے انتہا زینت وزیبائش کی جاتی ہے جس پر بڑی رقم صرف ہوتی ہے۔

(۴)......پچاسوں قسم کے کھانے بنائے جاتے ہیں جس کا اسراف ہونا ظاہر ہے۔

(۵)......کھانوں سے بھری پلیٹیں کوڑے دان میں ڈالدی جاتی ہیں جس کا اسراف ہونا ظاہر ہے۔

(٦)......عموماً کھانا کھڑے ہو کر کھایا جاتا ہے جو خلاف سنت ہے۔

(۷)......بعض جگہ گانا بجانا بھی ہوتا ہے۔

(۸)......بعض جگہ اس سے بھی بڑھ کر ناچنے والی بھی بلائی جاتی ہیں جس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

(۹)......بعض جگہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے اور بے پردگی کی نوبت آتی ہے جس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

(۱۰)......بعض جگہ نوجوان لڑکیاں مہمانوں کا استقبال کرتی ہیں۔

(١١)...... بعض جگہ کھانا پانی، چائے وغیرہ پیش کرنے والی لڑکیاں بلائی جاتی ہیں جس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

(١٢)...... بعض جگہ دولہا، دلہن بے پردہ بٹھائے جاتے ہیں اور دولہا کے ساتھ دلہن کو بھی غیر محرم لوگ سلامی کرتے ہیں مبارک باد دیتے ہیں بعض جگہ مصافحہ وغیرہ تک کرتے ہیں جو حرام ہونے کے ساتھ ساتھ انتہاء درجہ بے حیائی اور بے غیرتی بھی ہے۔

(١٣)...... دعوت کی تمام کاروائی کی فلم بنائی جاتی ہے۔

(١٤)...... اور پھر اس فلم کو غیر محرم نوجوان لڑکے اہتمام سے دیکھتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔

(١٥)...... ان دعوتوں کی مشغولی میں عموماً نمازیں قضا ہوتی ہیں۔

(١٦)...... جو زیادہ دیندار ہوئے جماعتیں تو ان کی بھی ترک ہو جاتی ہیں۔

(١٧)...... بہت سے حضرات طویل سفر کر کے جاتے ہیں اور اس میں سفر کے مصارف برداشت کرنا پڑتے ہیں جو یقیناً پیسے کا اسراف اور ضیاع ہے۔

(١٨)...... بہت سے حضرات ضروری کاموں کا حرج کر کے جاتے ہیں جس میں بعض دفعہ حقوق العباد بھی ضائع ہوتے ہیں۔

(١٩)...... بعض دفعہ حضرات اساتذہ کرام اسباق چھوڑ کر شرکت کرتے ہیں جس میں سیکڑوں طلباء کا نقصان ہوتا ہے۔

(٢٠)...... بعض طلباء اپنے دوستوں اور ساتھیوں کی دعوت ولیمہ میں شرکت کرتے ہیں اور اسباق ناغہ کر دیتے ہیں اور مصارف سفر کے لئے بعض دفعہ قرض لیتے ہیں پھر حیلے بہانے سے اپنے والدین سے وصول کرتے ہیں۔

(٢١)...... بعض لوگ بلا دعوت دعوت میں شریک ہوتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے "دخل سارقا وخرج مغیراً" چور بنکر داخل ہوا اور لٹیرا بنکر نکلا۔

(٢٢) بعض دفعہ بعض نوجوانوں کا منشاء ہی بدنظمی کرنا ہوتا ہے، اس لئے نوجوانوں کا بڑا مجمع پہنچ کر کھانے کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے کھانا ختم ہو جاتا ہے مہمان باقی رہ

جاتے ہیں ان کو کھانا نہیں ملتا دوبارہ کھانا تیار کرنے میں دیر لگتی ہے جس سے داعی کی بدنامی ہوتی ہے۔

(۲۳)......کھانا کتنا ہی عمدہ اور بہترین ہو لیکن بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کھانے میں فی اور نقص نکالتے ہیں اور شور مچاتے ہیں فلاں چیز ایسی تھی فلاں چیز ایسی تھی، انتظام میں یہ کمی تھی وغیرہ۔

(۲۴)......بعض جگہ عورتیں مہینوں پہلے سے دعوت میں شرکت کی تیاری کرتی ہیں اور اپنے شوہروں کو نئے جوڑے بنانے پر مجبور کرتی ہیں چونکہ جس جوڑے کو پہن کر ایک دعوت میں شرکت کرلی دوسری دعوت میں اسی جوڑے کو پہنکر شرکت کرنا کسر شان سمجھتی ہیں کہ عورتیں کیا کہیں گی کہ اس کے پاس اور کپڑے ہی نہیں شوہر مجبور ہو کر نیا جوڑا تیار کراتا ہے ورنہ گھر میں اودھم بازی شروع ہو جاتی ہے۔

(۲۵)......دعوت میں ہر عورت کی کوشش اپنے کپڑوں اور زیوروں کی نمائش ہوتی ہے۔

(۲۶)...... پھر ایک دوسری پر تبصرے ہوتے ہیں جس سے بعض دفعہ کسی کی دل آزاری تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

(۲۷)......کسی کے کپڑے یا زیور پسند آگئے اپنے گھر آکر اسی کا تذکرہ رہتا ہے، اور اس طرح کے کپڑے اور زیور بنانے کے لئے شوہر پر پورا زور ڈالا جاتا ہے۔ خواہ شوہر کو قرض ہی لینا پڑے۔

(۲۸)......بعض دفعہ ان دعوتوں کے لئے قرض بلکہ سودی قرض کی نوبت آجاتی ہے۔

(۲۹)......بعض دفعہ آدمی زمین بیچ کر یا دوکان یا مکان فروخت کر کے دعوت کا انتظام کرتا ہے۔

(۳۰)......قرض اور سودی قرض کے نتیجہ میں ایسے ہی زمین دوکان مکان فروخت کرنے کے نتیجہ میں خود اس کو اور اسکی اولاد کو جو پریشانیاں ہوتی ہیں وہ ظاہر ہیں۔

(۳۱)......اور حاصل ان چیزوں کا یا اکثر کا ریا و نمود تفاخر اور شہرت پسندی کے علاوہ کچھ نہیں اسلئے ان تمام رسومات کو ترک کرنا ضروری ہے اور سادہ دعوت پر اکتفا کرے اور خاندان و برادری وغیرہ کے کہنے سننے کی کوئی پرواہ نہ کرے۔

خود دعوت میں شرکت کرنے والوں کو بھی غور کرنا چاہئے کہ جس دعوت میں ہم شرکت کر رہے ہیں

وہ ان مذکورہ منکرات ومفاسد سے خالی ہیں یا نہیں اور ہمارے اس دعوت میں شرکت کرنے سے اللہ تعالیٰ اور رحمت دوعالم ﷺ راضی ہوں گے یا ناراض۔

خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب شعر فرمایا ہے:

گو دشمن ہو زمانہ پروانہ چاہئے
پیش نظر تو مرضیٔ جانانہ چاہئے
اور اس اصول کو رکھ کر سامنے کرتو یہ فیصلہ
کیا تو کرنا چاہئے اور کیا نہ کرنا چاہئے

■■■

{باب عشرۃ النساء وما لکل واحدۃ من الحقوق}

عورتوں کے ساتھ رہن سہن اور ہر ایک عورت کے حقوق کا بیان

اس باب کے تحت چونتیس (٣٤) روایتیں درج کی گئی ہیں جو عورتوں کے ساتھ معاشرت، عورتوں کو مارنے کی ممانعت، شوہر اور عورت کے حقوق، شوہر کی نافرمانی پر وعید، آنحضرت ﷺ کا ایلاء فرمانا، غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت اور شوہر کی رضامندی پر جنت کی بشارت وغیرہ مضامین پر مشتمل ہیں۔

خانہ داری کے تعلقات میں سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ نفع بخش اور سب سے زیادہ ضروری زوجین میں ارتباط ہے کیونکہ دنیا جہاں کے تمام لوگوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ عورت امور معاش کی تکمیل میں مرد کا تعاون کرتی ہے، اس کے کھانے پینے اور لباس کی تیاری کی ذمہ دار ہوتی ہے، اس کے مال کی حفاظت کرتی ہے، اس کی اولاد کی پرورش کرتی ہے، اور اس کی عدم موجودگی میں گھر میں اس کی نائب ہوتی ہے، وغیرہ وہ باتیں جن کی وضاحت کی حاجت نہیں۔

چنانچہ آسمانی شریعتوں کی زیادہ تر توجہ اس بات کی طرف رہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو یہ ارتباط باقی رہے، نکاح کے مقاصد تکمیل پذیر ہوں، اور اس جوڑ کو مکدر کرنے سے اور اس کو ختم کرنے سے احتراز کیا جائے، اور کوئی بھی جوڑ باہمی الفت ومحبت کے قیام کے بغیر اس کے مقاصد تکمیل پذیر نہیں ہوسکتے، والدین اور اولاد کے درمیان کا ارتباط ہو یا آقا اور غلام کے درمیان کا تعلق اسی وقت نتیجہ خیز ہوسکتا ہے جب کہ باہم الفت ومحبت ہو اور میاں بیوی میں الفت ومحبت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں چند

013

باتوں کی پابندی کریں مثلاً، دونوں ایک دوسرے کی ہمدردی وغمگساری کریں، کسی سے کوئی بے ادبی کی بات سرزد ہوجائے تو اس سے درگذر کریں، اور دونوں ایسی حرکتوں سے بچیں جن سے بغض ونفرت اور دل میں وساوس پیدا ہوتے ہیں، اور دونوں الفت ومحبت کے کیساتھ رہیں یعنی ہر ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کریں، اور ایک دوسرے کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئیں، اور اس قسم کی باتوں کا خیال رکھیں تاکہ آپس کا جوڑ مستحکم ہو، پس حکمت خداوندی نے چاہا کہ اس قسم کی باتوں کی ترغیب دی جائے اور ان پر لوگوں کو آمادہ کیا جائے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی مؤمن (شوہر) کسی مؤمنہ (بیوی) سے نفرت نہ کرے اگر اس کو عورت کی کوئی عادت ناپسند ہے، تو وہ اس کی کوئی دوسری عادت پسند کرے، (مشکوۃ) یعنی اگر شوہر کو عورت کی کوئی عادت ناپسند ہو تو بھی مناسب یہ ہے کہ طلاق دینے میں جلدی نہ کرے، بلکہ خوبی کیساتھ گذارہ کرے، کیونکہ عورت کی کوئی عادت کوئی طریقہ اگر ناپسند ہے تو عورت میں بہت سی پسندیدہ عادتیں بھی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے معاشرتی تلخی برداشت کی جاسکتی ہے۔(مستفاد از حجۃ اللہ بالغہ، رحمۃ اللہ الواسعہ: ۱۲۱/۵)

{الفصل الاول}

عورت کی تخلیق ٹیڑھی پسلی سے

{۳۰۸۷} **عَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْئٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَكْتَهٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۷۹/۲، باب الوصاۃ النساء، کتاب النکاح، حدیث

013

نمبر:۵۱۸۶، مسلم شریف: ۱/۴۷۵، باب الوصیۃ بالنساء، کتاب الرضاع، حدیث نمبر:۱۴۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ عورتوں کے بارے میں نیکی کی وصیت قبول کرو، بلاشبہ وہ پسلی سے پیدا ہوئی ہیں، اور پسلی میں اوپر والا حصہ سب سے زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنے میں لگو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر اس کو یوں ہی چھوڑے رہو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، لہٰذا تم لوگ عورتوں کے بارے میں بہتر سلوک کی وصیت قبول کرو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: استوصوا بالنساء خیرا: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے ساتھ نرمی کرنے کی تاکید فرمارہے ہیں اور مردوں سے اس بات کا مطالبہ فرمارہے ہیں کہ وہ عورتوں کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت پر عمل کرکے ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔

فانہن خلقن من ضلع: عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا، اور چوں کہ عورت حضرت حوا کی صف میں شامل ہیں، اس لئے مطلقاً عورتوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے۔ (عمدۃ القاری)

وان اعوج شیئ: سب سے زیادہ ٹیڑھی پسلی اوپر والی ہوتی ہے، اگر اس کو طاقت کے زور پر سیدھا کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ سیدھی تو نہ ہوگی البتہ ٹوٹ جائے گی، یہی معاملہ عورتوں کا ہے، چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "المرأۃ کالضلع ان اقمتھا کسرتھا" عورت پسلی کی طرح ٹیڑھی ہوتی ہے، اگر اس کو ایک بارگی سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی، مطلب یہ ہے عورتوں کے ساتھ مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرنا چاہئے، سختی کرنے سے اس کے بگاڑ میں اضافہ ہی ہوگا، "وان ترکتہ" اور اگر ٹیڑھا چھوڑ دیا، اس کی اصلاح پر توجہ نہ دی تو وہ ٹیڑھی رہے گی۔ حاصل یہ ہے کہ امور دنیا میں ان کی کوتاہی سے صرف نظر کیا جائے، البتہ دینی امور میں ان کی نگرانی کی جائے، اور ان کو تنبیہ کی جائے لیکن سارے امور میں حتی الامکان شفقت ونرمی کا پہلو ہی اختیار کیا جائے۔ (مرقاۃ:۶/۳۵۶)

013

کجی عورت کی فطرت ہے

{٣٠٨٨} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيْمَ لَكَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ٢، باب الوصیۃ بالنساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ٣٢٣٩۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بے شک عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے، لہٰذا وہ ایک راہ پر تمہارے لئے کبھی سیدھی نہ ہوگی، اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کی کجی کے ساتھ ہی اس سے فائدہ اٹھاؤ، اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہتے ہو تو تم اس کو توڑ دوگے، اور اس کا توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔ (مسلم)

تشریح: ضلع: حضرت حواء علیہا السلام مراد ہیں، یا جنس مراد ہے، حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئیں تھیں، "فان استمتعت" عورت سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس کی تھوڑی سی کجی گوارا کرلو، "وکسرھا طلاقھا" یعنی جب عورت کی غلطیوں پر چشم پوشی سے کام نہ لوگے تو بحث وتکرار اور ضد وہٹ دھرمی میں اضافہ ہوگا اور پھر ایک دن طلاق کی نوبت آجائے گی۔

میاں بیوی آپسی بغض سے باز رہیں

{٣٠٨٩} **وَعَنْهُ** قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقاً رَضِیَ مِنْهَا آخَرَ۔ (روہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ١/٤٧٥، باب الوصیۃ، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ١٤٦٩۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے نفرت نہ کرے، اگر اس کی ایک عادت بری لگی تو اس کی دوسری عادت اچھی لگے گی۔ (مسلم)

تشریح: عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آنا چاہئے، ان کے عیوب سے چشم پوشی کر کے ان کے اچھے اخلاق پر نظر رکھنا چاہئے، ہر انسان میں اچھائیاں ہوتی ہیں، برائیاں بھی ہوتی ہیں، اگر اچھائیوں پر نظر رکھی جائے تو یقینی طور پر محبت و مؤدت پیدا ہوگی، اور جن برائیوں سے مرد کو تکلیف ہوتی ہے، عورت ان کو دور کرنے پر توجہ دے گی۔

لایفرک: کوئی مرد عورت سے کلی طور پر نفرت نہ کرے، کیوں کہ کوئی بھی عورت سراپا خطا نہیں ہوتی ہے اچھائیوں اور برائیوں دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ شادی کے لئے ایسی عورت کی تلاش جس میں کسی بھی پہلو سے کوئی عیب نہ ہو، فضول کوشش ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی آدمی ایسا ساتھی تلاش کرنے لگے جس میں کوئی عیب نہ ہو تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بلا ساتھی کے رہے گا۔

(۲) اس حدیث میں خاص طور پر شوہر کے لئے ہدایت ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھی طرح برتاؤ کرے۔ اس کی غلطیوں کو نظر انداز کرے۔ (مرقاۃ: ۶/۳۵۷)

کجی عورت کو ورثہ میں ملی ہے

{۳۰۹۰} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ وَلَوْ لَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ اُنْثٰى زَوْجَهَا الدَّهْرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۸۱، باب قول اللہ تعالیٰ و اعدنا موسیٰ ثلاثین لیلۃ، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۳۹۹، مسلم شریف: ۱/۴۷۶، باب لولا حواء، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۴۷۰۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑتا، اور اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر سے تمام عمر خیانت نہ کرتی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: لولا بنی اسرائیل: بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے "من وسلویٰ" نازل ہوتا تھا، یعنی درختوں پر ترنجبین کے مثل جو ایک شیریں چیز ہے، بکثرت پیدا کردی گئی اس کو "من" کہا گیا اور بٹیریں ان کے پاس جمع ہوجاتی تھیں یہ آسانی سے پکڑ کر ان کو ذبح کرلیتے اسی کو "سلوی" کہا گیا ہے، بنو اسرائیل کے لئے یہ حکم تھا کہ بقدر ضرورت لے لیا کریں آئندہ کیلئے جمع نہ کریں، لیکن انہوں نے فطری نالائقی اور طبعی حرص کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرکے جمع کرنا شروع کردیا، چنانچہ رکھا ہوا گوشت سڑنے لگا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وماظلمونا ولکن کانوا انفسھم یظلمون" انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے، بنو اسرائیل کے اسی بدبختی کے بعد سے کھانا اور گوشت سڑ کر خراب ہونے لگا، اگر انہوں نے یہ قبیح حرکت نہ کی ہوتی تو گوشت وغیرہ کبھی سڑتا نہیں، "لولا حواء" حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کو جنت میں ہر چیز کھانے کی اجازت تھی لیکن ایک درخت کے سلسلہ میں ممانعت تھی، شیطان کے وسوسہ سے حضرت حوا علیہا السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس درخت سے کھانے پر ابھارا، حضرت آدم علیہ السلام نے اس میں سے تناول فرمالیا، چنانچہ حضرت حوا علیہا السلام کی اس کجی کی بناء پر تمام عورتوں میں کجی پیدا ہوگئی، اگر حضرت حواء علیہا السلام سے یہ خطا نہ ہوتی تو کسی بھی عورت میں کجی کا خمیر نہ ہوتا، اور کوئی عورت شوہر کی نافرمانی نہیں کرتی۔ (مرقاۃ: ٦/٣٥٨)

بیوی کو مارنا

{٣٠٩١} **وَعَنْ** عَبْدِ اللهِ بْنِ زَمْعَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْلِدْ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ. وَفِي رِوَايَةٍ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ فَيَجْلِدُ اِمْرَأَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهٗ يُضَاجِعُهَا فِي آخِرِ يَوْمِهٖ ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِي ضِحْكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ فَقَالَ لِمَ

يَضْحَكُ اَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۳۷، باب سورۃ والشمس و ضحٰھا، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۹۴۲، مسلم شریف: باب النار یدخلھا الجبارون، کتاب الجنۃ، الخ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ مارے، پھر دن کے آخر حصہ میں اس سے جماع کرے، ایک روایت میں ہے کہ تم میں کا کوئی شخص ارادہ کرتا ہے پھر اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے مارتا ہے، اور شاید دن کے آخیر حصہ میں اس سے ہم بستر بھی ہوگا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ریاح خارج ہونے پر ان کے ہنسنے کے بارے میں ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: کہ کوئی تم میں سے کیوں اس کام پر ہنستا ہے، جو وہ خود کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آنا چاہئے، بیوی ہی وہ ہستی ہے جس کے ساتھ شوہر صحبت کرکے جنسی لذت محسوس کرتا ہے، بیوی اس کی جنسی تسکین کا ذریعہ بنتی ہے، اس کو کوڑے سے بے رحمی کے ساتھ مارنا سوائے وحشی پن کے کچھ نہیں ہے، اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی نصیحت کی ہے کہ اگر کسی کی ریح خارج ہوجائے تو دوسرے لوگ مذاق نہ اڑائیں، کیوں کہ ریح تو ہر انسان کی خارج ہوتی ہے، اس پر ہنسنے اور مذاق اڑانے کی کیا بات ہے، معلوم ہوا کہ کسی کے عیب کو دیکھ کر ہنسنا نہ چاہئے، بلکہ اپنے عیوب پر نظر رکھنا چاہئے۔ (مرقاۃ: ۶/۳۵۹)

لا یجلد أحدکم امرأتہ جلد العبد: مطلب یہ ہے کہ بیوی کو شدید مارنا ممنوع ہے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ بیوی کو ہلکے پھلکے انداز میں مارنے کی اجازت ہے، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ غلام کو سرکشی کرنے کے وقت سزا دی جاسکتی ہے، لیکن معاف کرنا بہرحال بہتر ہے۔

بیوی کو مارنے کی کب اجازت ہے

قرآن کریم کی آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر بیوی نافرمانی کرے تو اس کی اصلاح کے لئے اولاً نرمی سے اس کو شوہر سمجھائے، اگر سمجھانے سے باز نہ آئے تو بستر کی علاحدگی اس سے اختیار کرلے،

تاکہ وہ شوہر کی ناراضگی کا احساس کر کے نادم ہو جائے، اگر کوئی عورت ان دو امور سے باز نہ آئے تو اس کو معمولی مار مارنے کی اجازت ہے، لیکن یہ مار معمولی ہونے کے ساتھ چہرے پر ہرگز نہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، "لاتضرب الوجه" (چہرے پر مت مارو) شوہر نے اگر بیوی کو مارا تو بیوی کو نہ قصاص لینے کا حق ہے اور نہ شوہر گنہگار ہوگا، ابو داؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، "لایسئل الرجل فیما ضرب امرأته" بوقت ضرورت بیوی کو مارنے والے شوہر کی گرفت نہ ہوگی، یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ بوقت مجبوری نظام خانہ داری کی اصلاح کی خاطر شریعت نے شوہر کو معمولی طور پر مارنے کی رخصت اگر چہ دی ہے، لیکن نہ مارنا بہر حال بہتر ہے، چنانچہ اجازت دینے کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ولن یضرب خیارکم" شریف مرد اپنی عورتوں کو مارنے کی سزا نہیں دیتے ہیں۔

ثم یجامعها: یعنی یہ بات کتنی عجیب ہے کہ جس عورت کو سخت مار مارو پھر کچھ دیر بعد اسی سے لذت حاصل کرو، شریف آدمی کے لئے یہ چیز مطلقاً مناسب نہیں ہے، پھر ممکن ہے کہ عورتوں کو نہ مارنے کی نصیحت کی مجلس میں کسی کے با آواز ریح خارج ہوگئی، تو لوگ اس پر ہنسنے لگے، چوں کہ ہنسی کی وجہ سے ریح خارج کرنے والے کو ندامت ہوتی ہے، اور اس پر ہنسنا اور مذاق اڑانا غیر شریفانہ عمل ہے، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اچھے انداز میں اس سے روکا ہے، "لم یضحك احدکم مما یفعل" یعنی جب ہر انسان ریح خارج کرتا ہے، تو اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے، یہ کوئی نادر یا انوکھی بات تو ہے نہیں، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر فرمایا ہے کہ اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ کسی پر عیب گیری سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکنا چاہئے کہ کہیں وہ خود تو اس عیب میں گرفتار نہیں ہے۔

(طیبی: ۶/۳۴۱)

خوش اسلوبی کا اعلیٰ نمونہ

{۳۰۹۲} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لِيْ صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِيْ وَكَانَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ یَنْقَمِعْنَ مِنْہُ فَیُسَرِّ بُھُنَّ اِلَیَّ فَیَلْعَبْنَ مَعِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۰۵، باب الانبساط الی الناس، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۶۱۳۰، مسلم شریف: ۲/۲۸۵، باب فی فضل عائشۃ کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر: ۲۴۴۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلا کرتی تھی، جب جناب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو وہ چھپ جاتی تھیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میرے پاس بھیج دیتے تھے، تو وہ پھر میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: بیوی کے جذبات کی رعایت کرنی چاہئے، اور اس کی خوشی کا خاص خیال رکھنا چاہئے، بیوی خوش اور مطمئن رہے گی تو شوہر کی زندگی بھی پرسکون رہے گی۔

کنت العب بالبنات: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہوئی تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تقریبا سات سال کی تھیں اور رخصتی کے وقت ان کی عمر نو سال تھی، ظاہر بات ہے کہ وہ ایک چھوٹی بچی تھیں، بچپن کے تقاضوں کے مطابق کھیل کود کرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے، ادھیڑ عمر کے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور عمر کے تقاضے کچھ اور تھے لیکن بیوی کے حقوق کی ادائیگی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غفلت نہیں برتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اور مزاج کا خیال رکھا، ان کو ان کی سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے سے کبھی نہیں روکا۔ "اذا دخل ینقمعن" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیاں شرم سے چھپ جاتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کھیلنے کے لئے بھیج دیتے تھے۔

بیوی کی خوشی کا خیال

{۳۰۹۳} **وَعَنْہَا** قَالَتْ وَاللّٰہِ لَقَدْ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ يَقُوْمُ عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ وَالْحَبْشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِالْحَرْبِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهِ لِأَنْظُرَ إِلٰى لَعِبِهِمْ بَيْنَ أُذُنِهِ وَعَاتِقِهِ ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ أَجْلِيْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَنَا الَّتِيْ أَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوْا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۷۸۸، باب نظر المرأۃ الحبش، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۳۶، مسلم شریف: ۱/۲۹۲، باب الرخصۃ فی اللعب کتاب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر: ۸۹۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کی قسم میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ میرے کمرے کے دروازہ پر کھڑے ہیں، جب کہ حبشی لوگ مسجد میں نیزہ بازی کر رہے تھے، حضرت رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر مبارک سے مجھے چھپا لیا تاکہ میں آنحضرت ﷺ کے کانوں اور مونڈھوں کے درمیان ان کا کھیل دیکھ سکوں، پھر آنحضرت ﷺ میری وجہ سے کھڑے رہے یہاں تک کہ میں خود ہی اس جگہ سے ہٹ گئی اس واقعہ سے نوعمر لڑکیوں کے کھیل سے دلچسپی کا اندازہ کرلو۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: شوہر کو بیوی کی جائز خواہشات کی تکمیل کرنا چاہئے، اس کی دل داری کی خاطر اگر کبھی تھوڑی بہت تکلیف برداشت کرنا پڑے تو خوشی سے برداشت کرنا چاہئے، آقا ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل داری کی خاطر اس وقت تک کھڑے رہے، جب تک حبشیوں کے کرتب دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود ہی ہٹ نہ گئیں، ایسے موقع پر بسا اوقات شوہر ان امور کو اپنے وقار کے خلاف سمجھتا ہے، حالانکہ یہ وقار کے خلاف نہیں ہے، بلکہ مرد کا تکبر ہوتا ہے جو بیوی کے مزاج کی رعایت سے روکتا ہے۔

رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقوم علی باب حجرتی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس کمرہ میں رہتی تھیں وہ اگرچہ حضور ﷺ کی ملکیت میں تھا لیکن چوں کہ یہ ان کے قیام کیلئے خاص کیا گیا تھا اس مناسبت سے انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ میرے کمرے کے دروازہ پر کھڑے تھے، لوگوں نے نیزہ کا کھیل دکھانا شروع کیا، وہ خاص انداز میں نیزہ کو پھینکتے تھے اور طرح طرح کے داؤ پیچ کا

مظاہرہ کرتے تھے، اس موقع پر آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور آنحضرت ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ عنہا بھی اس موقع پر کہیں آ گئے، انہوں نے زمین سے کنکری اٹھا کر مارنا چاہا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "دعهم یا عمر" اے عمر رہنے دو۔

مسجد میں نیزہ بازی کے جواز کا مسئلہ

مسجد کے اندر نیزہ کا کھیل کیسا ہے؟ درحقیقت مسجد عبادت کی جگہ ہے لہٰذ جو چیزیں عبادت سے متعلق ہوں انہیں مسجد میں جائز ہونا چاہئے اور جو چیزیں اس سے متعلق نہ ہوں، انہیں جائز نہ ہونا چاہئے، چنانچہ جن علماء نے مسجد میں عبادت کے علاوہ دوسرے کاموں کی اجازت نہیں دی ہے، انہوں نے حدیث باب کے بارے میں بھی یہ تاثر ظاہر کیا ہے کہ اس کھیل کا مظاہرہ مسجد میں نہیں بلکہ مسجد کے متعلقات میں کیا جا رہا تھا، چنانچہ صاحب مرقات کہتے ہیں کہ مسجد سے مراد مسجد سے متصل اس کا صحن ہے، اور چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کمرے کے دروازے سے ان کو دیکھ رہی تھیں اور ان کا کمرہ مسجد کے اندر تھا، اس مناسبت سے یہاں مسجد کا ذکر ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۲۶۵)

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کو داخل مسجد سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے انہوں نے بخاری صفحہ نمبر: ۶۵ / پر بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے، اور اس پر جو باب قائم کیا ہے وہ ہے، "باب اصحاب الحراب فی المسجد" مسجد میں نیزہ والوں کے آنے کا تذکرہ۔

یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسلحہ کی نمائش اور فنون حرب کا مظاہرہ بہ نیت جہاد داخل عبادت ہے، اور جب یہ چیزیں عبادت میں داخل ہیں تو غیر اوقات صلوۃ مسجد کے اندر یہ عمل جائز ہونا چاہئے تاکہ دیکھنے والوں کو ترغیب ہو، البتہ یہ فرق ملحوظ رکھنا ہوگا کہ اگر مقصد جہاد نہ ہو بلکہ محض بدن میں توانائی پیدا کرنے کے لئے کسرت وغیرہ کا عمل ہو یا سیاسی اغراض کے لئے فنون حرب اور آلات حرب کی نمائش ہو تو اس کو عبادت قرار نہیں دیا جا سکتا، اور اس کی مسجد کے اندر اجازت نہ ہوگی، لیکن اگر مقصد جہاد کی تیاری ہو اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے یہ کام کیا جا رہا ہے تو اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ الباب سے توسع معلوم ہوتا ہے۔ (ایضاح البخاری)

ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسترنی: رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر مبارک سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے پردہ کردیا تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کھیل کو دیکھ سکیں، جب دیکھتے دیکھتے اکتا گئیں اور تھک گئیں تو وہاں سے ہٹ گئیں۔

عورت کا اجنبی مرد پر نظر ڈالنا

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عورت مرد پر نظر ڈال سکتی ہے، چنانچہ حنفیہ کے یہاں یہی مسئلہ ہے کہ مرد کا عورت کی طرف دیکھنا شہوت کے ساتھ اور بغیر شہوت کے بہر صورت ناجائز ہے، جب کہ عورت کا مرد کو شہوت کے ساتھ دیکھنا حرام اور بغیر شہوت دیکھنا جائز ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کا بھی مرد کو مطلقاً دیکھنا ممنوع ہے، ان کا استدلال عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہے، جس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے پردہ کرنے کے لئے فرمایا، اور جب ہم نے کہا کہ وہ تو نابینا شخص ہیں ہم کو دیکھ نہیں سکتے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "الستما تبصرانه" یعنی وہ تو نابینا ہیں تم تو نابینا نہیں ہو، معلوم ہوا کہ عورت بھی مرد سے پردہ کریگی، اور حدیث باب کا علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ جواب دیتے ہیں کہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے، یا پھر اس وقت کا ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نابالغ تھیں، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب درست نہیں ہیں، اس لئے مذکورہ واقعہ وفد حبشہ کی آمد کے بعد کا ہے اور وفد حبشہ کی آمد (۷ھ) میں ہوئی ہے، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً ۱۶ر سال تھی اور اس وقت حجاب کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ (فتح الباری)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مذکورہ حکم کا تعلق فتویٰ سے نہیں ہے تقوی سے ہے، یا یہ حکم حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہی کے سلسلہ میں تھا، کیونکہ وہ نابینا تھے، اور بسا اوقات نابینا کے جسم کے بعض وہ اعضاء کھل جاتے ہیں جن کا دیکھنا ہر حال میں عورت کے لئے حرام ہے

فاقدروا قدر الجارية: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم عمر کی لڑکی تھیں، کھیل دیکھنے کی خواہش تھی،

اسی کے بارے میں فرماتی ہیں کہ دیکھو کم عمر لڑکیاں کھیل دیکھنے کی کتنی حریص ہوتی ہیں، یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ مباح کھیل دیکھنا جائز ہے، عورتیں بھی پردہ کے ساتھ اس کو دیکھیں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کی خوش اخلاقی بہترین گذران اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خصوصی محبت وشفقت کا اندازہ ہوتا ہے۔

بیوی کی خوشی وناراضگی کا جاننا

{۳۰۹۴} **وَعَنْهَا** قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اِذَا کُنْتِ عَنِّیْ رَاضِیَۃً وَاِذَا کُنْتِ عَلَیَّ غَضْبٰی فَقُلْتُ مِنْ اَیْنَ تَعْرِفُ ذَالِكَ فَقَالَ اِذَا کُنْتِ عَنِّیْ رَاضِیَۃً فَاِنَّكِ تَقُوْلِیْنَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَاِذَا کُنْتِ عَلَیَّ غَضْبٰی قُلْتِ لَا وَرَبِّ اِبْرَاھِیْمَ قَالَتْ قُلْتُ اَجَلْ وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا اَھْجُرُ اِلَّا اسْمَكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۷۸۷/ ۲، باب غیرۃ النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۲۸، مسلم شریف: ۲/ ۲۸۵، باب فی فضائل عائشۃ، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر: ۲۴۳۹۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کہ بلاشبہ مجھے معلوم ہو جاتا ہے، جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو اور جب مجھ سے ناراض ہوتی ہو، میں نے عرض کیا آنحضرت ﷺ یہ کیسے جان لیتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو تو یوں کہتی ہوں یہ بات نہیں حضرت محمد ﷺ کے رب کی قسم اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو یوں کہتی ہو کہ یہ بات نہیں ابراہیم کے رب کی قسم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول، خدا کی قسم بات ٹھیک ہے، لیکن میں صرف آنحضرت ﷺ کا مبارک نام چھوڑتی ہوں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: دنیاوی معاملات میں کبھی بیوی کا خفا ہو جانا بھی ممکن ہے شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنے

اندر اتنی حس پیدا کرے کہ بیوی کی خوشی اور ناخوشی اور اس کے اسباب کو سمجھے اور اگر اس کی خفگی جائز ہے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی کبھی کبھی دلار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹھ جاتی تھیں، لیکن ان کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ ناراضگی بھی حد درجہ اپنائیت اور شدید محبت کی بناء پر ہوتی تھی۔

اين تعرف: میری خوشی یا ناراضگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے معلوم ہوتی ہے، علامات سے، کرامت سے، یا فراست سے۔

فانک تقولین: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو قسم کھاتے وقت "لاورب محمد" کہتی ہو اور جب خفا ہوتی ہو تو "لاورب ابراهيم" کہتی ہو "ما اهجر الا اسمك" مطلب یہ ہے کہ بے اختیار میں نام کو چھوڑ دیتی ہوں، خفگی کی بنا پر اختیار سلب ہوجاتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے جو والہانہ تعلق ہے اس میں ذرہ برابر کمی نہیں آتی ہے۔

سوال: ناراضگی کے وقت خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لے کر کیوں قسم کھاتی تھیں؟

جواب: اس میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت کا دخل ہے، چوں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے قریبی تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ وہ ناراضگی کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے علاوہ دوسرے نبی کا نام لیتیں تو بھی اس نبی کے نام کو اختیار کرتیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین ہیں۔ (فتح الباری)

بلا وجہ صحبت سے انکار کرنے والی

{۳۰۹۵} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَی الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهٗ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَاَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰی تُصْبِحَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ) وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهُمَا قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا مِنْ رَجُلٍ یَدْعُوْ اِمْرَأَتَهٗ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَتَاْبٰی عَلَیْهِ اِلَّا كَانَ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ سَاخِطاً عَلَیْهَا حَتّٰی یَرْضٰی عَنْهَا۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۴۵۹، باب اذا قال احدکم امین، کتاب بدؤ الخلق، حدیث نمبر: ۳۲۳۷، مسلم شریف: ۲/۴۶۴، باب تحریم امتناعها من فراش زوجها، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۳۶۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب شوہر اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے، اور بیوی انکار کردے، جس کی بناء پر شوہر ناراضگی کی حالت میں رات گذارے تو ایسی عورت پر فرشتے صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں، (بخاری ومسلم) اور دونوں کی ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو شخص بھی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی انکار کردے تو وہ ذات جو آسمان میں ہے، اس عورت سے ناراض رہتی ہے یہاں تک کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہوجائے۔

تشریح: اگر بیوی شوہر کے کسی حق کو ادا نہ کرے، جس کی بنا پر شوہر ناراض ہوجائے، تو شوہر کی ناراضگی کیوجہ سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوجاتے ہیں، اور اللہ کے فرشتے بھی لعنت کرتے ہیں، بیوی کو بلا عذر شرعی شوہر سے کنارہ کش نہ ہونا چاہئے، اور شوہر اگر اس سے جنسی تسکین کرنا چاہے تو شوہر کی خواہش ضرور پوری کرنا چاہئے، الا یہ کہ کوئی عذر شرعی لاحق ہو۔

اذا دعا الرجل امراته: معلوم ہوا کہ شوہر اور بیوی کے بستر الگ الگ ہوسکتے ہیں، "فأبت" شرعی طور پر عام حالات میں شوہر کی جماع کی خواہش کی تکمیل عورت پر لازم ہے لہٰذا انکار کرنا نافرمانی ہے، "لعنتها الملائكة" یہ وعید اس وقت ہے جب بلا عذر عورت شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کردے۔

سوال: حیض عذر ہے یا نہیں؟ یعنی حائضہ عورت کو شوہر اپنے بستر پر بلائے تو اس کے لئے انکار کی گنجائش ہے یا نہیں؟

جواب: حیض عذر نہیں ہے، کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک حائضہ سے "مافوق الازار استمتاع" جائز ہے جب کہ بعض علماء کے نزدیک شرمگاہ کے علاوہ بقیہ اعضاء سے لطف اٹھانا درست ہے۔

حتی تصبح: چوں کہ شوہر رات میں غصہ میں سویا ہے، لہٰذا فرشتے رات بھر عورت پر لعنت کرتے ہیں۔

سوال: دن میں عورت انکار کرے اور شوہر ناراض ہو جائے تو عورت نافرمان ہو گی یا نہیں؟

جواب: چوں کہ شوہر عموماً رات میں کام کاج اور دیگر امور کی وجہ سے عورت سے لطف اندوز ہونے کی کوشش نہیں کرتا، اس لئے صبح کا تذکرہ ہے، لیکن اگر کسی کا شوہر اپنی بیوی کو دن میں بستر پر بلاتا ہے، اور بیوی انکار کرتی ہے تو بھی یہ نافرمانی ہے، اور جس طرح رات میں ایسے کرنے سے فرشتے ناراض ہو جاتے ہیں ایسے ہی دن کا بھی معاملہ ہے۔ (مرقاۃ: ۳۶۲/۳۶۱/۶)

سوکن کا دل دکھانا

{۳۰۹۶} **وَعَنْ** اَسْمَاءَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ اِمْرَأَةً قَالَتْ اَنَّ لِيْ ضَرَّةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ اِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِيْ غَيْرَ الَّذِيْ يُعْطِيْنِيْ فَقَالَ الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حواله: بخاری شریف: ۷۸۵/۲، باب المتشبع بما لم ینل، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۱۹، مسلم شریف: ۲۰۶/۲، باب النساء والکاسیات العاریات، کتاب اللباس والزینۃ، حدیث نمبر: ۲۱۳۰۔

ترجمه: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے، کیا میرے اوپر کوئی گناہ ہے اگر میں خاوند کی طرف کسی ایسی چیز کو منسوب کروں جو انہوں نے مجھے نہیں دی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ دی ہوئی چیز کا اظہار کرنے والا دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کے مانند ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ سوکنوں کو آپس میں محبت والفت سے رہنا چاہئے، ایسے عمل سے گریز کرنا چاہئے کہ ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب بنے، شوہر کی طرف سے کوئی چیز ملی نہ ہو، لیکن اپنی سوکن کو جلانے کی غرض سے ملنے کا دعویٰ کرنا جھوٹ اور فریب ہے، لہٰذا اس سے گریز لازم ہے۔

اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ "كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ" اسکا ایک مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے اندر ایک شخص شریف لوگوں کے کپڑے پہنتا تھا اور ڈاکو اور چوروں کا کام کرتا تھا غرضیکہ بدکام جھوٹ وغیرہ اس کا کاروبار تھا اور کپڑے بہت شریف لوگوں جیسے پہنتا تھا تاکہ کسی کو حقیقت پر اطلاع نہ ہو، اس جملہ سے ان کی طرف اشارہ ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی کپڑے استعمال کرتا ہے ایک ازار اور ایک رداء جس کے ذریعہ سے قدم تک ڈھک جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سر سے پیر تک وہ جھوٹ بولتا ہے،، تیسرا مطلب یہ ہے کہ عرب کے اندر جو لوگ خوب رئیس ہوتے تھے، وہ دو کرتے پہنا کرتے تھے، لیکن جو لوگ غریب ہوتے تھے وہ آستین کے اندر ایک کپڑا اس طور پر لگا لیتے اور سی لیتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس نے بھی دو کپڑے پہن رکھے ہیں حالانکہ وہ دھوکہ ہوتا تھا، تو اس دھوکہ کی طرف اس جملہ سے اشارہ ہے، غرضیکہ یہ جملہ ایسے موقع میں استعمال ہوتا ہے جہاں کسی چیز کا جھوٹ دھوکہ، بطلان وغیرہ بیان کرنا مقصود ہو۔ (مرقاۃ: ۶/۳۶۲)

آپ ﷺ کا ایلاء فرمانا

{۳۰۹۷} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ آلىٰ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهٖ شَهْراً وَكَانَتِ انْفَكَّتْ رِجْلُهٗ فَاَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعاً وَّعِشْرِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ آلَيْتَ شَهْراً فَقَالَ اِنَّ الشَّهْرَ يَكُوْنَ تِسْعاً وَّعِشْرِيْنَ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۲/۷۸۳، باب قول الله تعالیٰ الرجال قوامون علی النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۲۰۱۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایک مہینہ کا ایلاء فرمایا، اسی زمانہ میں آنحضرت ﷺ کے پیر میں موچ آگئی، چنانچہ آنحضرت ﷺ بالا خانہ پر انتیس دن جلوہ افروز رہے، پھر آنحضرت ﷺ اتر آئے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آنحضرت ﷺ نے تو ایک مہینہ کا ایلا فرمایا تھا،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ مہینہ انتیس دنوں کا بھی ہوتا ہے۔ (بخاری)

تشریح: آلیٰ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِہٖ: ایلاء باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں قسم کھانا، ایلاء کی دو قسمیں ہیں، (۱) ایلاء لغوی (۲) ایلاء شرعی، چار مہینے یا اس سے زیادہ بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا ایلاء شرعی ہے، اور چار مہینے سے کم کسی بھی مدت تک بیوی سے علاحدہ رہنے کی قسم کھانا ایلا لغوی ہے اور ایلاء لغوی کا حکم یہ ہے کہ بیوی سے علاحدہ رہنے کی جتنی مدت مقرر کی ہے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر بیوی سے صبحت کرلی تو قسم کا کفارہ واجب ہے، اور اگر وہ مدت پوری کرلی پھر صحبت کی تو کچھ واجب نہ ہوگا، اور ایلاء شرعی میں چار مہینے سے پہلے قسم توڑنا اور بیوی سے صحبت کرنا ضروری ہے، اور اس صورت میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور اگر چار مہینے تک بیوی سے علاحدہ رہا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک طلاق بائنہ خود بخود واقع ہوگی، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت قاضی کے پاس جائے گی، قاضی شوہر کو بلا کر حکم دے گا کہ یا تو قسم توڑدو، یعنی بیوی سے صحبت کرو، اور کفارہ ادا کرو، ورنہ اپنی بیوی کو طلاق دو، یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق خود بخود واقع نہ ہوگی، بلکہ قاضی طلاق دلوائے گا، اس کے بعد جاننا چاہئے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی میں دو واقعے پیش آئے ہیں، ایک واقعہ میں آنحضرت ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایک مہینہ تک علاحدہ رہنے کی قسم کھائی تھی یعنی ایلا لغوی کیا تھا، اور جناب آنحضرت ﷺ نے یہ مدت پوری کی تھی، دوسرے واقعہ میں جناب آنحضرت ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام کیا تھا، اور بعض روایت میں ہے کہ شہد کو حرام کیا تھا، اس سلسلہ میں سورہ تحریم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تھیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے شہد استعمال کیا اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تعلق قائم کیا، اور قسم کا کفارہ دیا، اس لئے کہ حلال کو حرام کرنا قسم ہے، اسی طرح حرام کو حلال کرنا بھی قسم ہے، اور اس آخری صورت میں فوراً کفارہ واجب ہوگا۔ (تحفۃ الالمعی: ۹۵، ۹۶/۶)

ایلا کا سبب

اس ایلا کے سبب کے اندر اختلاف ہے کہ کس وجہ سے آپ نے ایلا کیا اور ایلا کے یہاں لغوی

معنی قسم کھانا مراد ہے، اس ایلا کا اول سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ ایک مرتبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے اور ان کو کسی کام سے بھیج دیا اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حفصہ کے بستر پر لٹا کر وطی فرمائی جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا لوٹیں اور کواڑ بند پائے تو سمجھ گئیں جب دروازہ کھولا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے پانی کا قطرہ ٹپکا جس سے وہ سمجھ گئیں اور خوب ناراض ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو راضی کرنے کیلئے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام فرمالیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کسی سے کہنا نہیں ان کے قریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مکان تھا انہوں نے جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہہ دیا، غرض کہ یہ واقعہ آپکے ایلاء یعنی قسم کھانیکا سبب بنا۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں جا کر شہد نوش فرماتے تھے اور یہ دوسری ازواج کو برا معلوم ہوتا تھا تو سب نے یہ طے کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرما کر آئیں گے تو سب الگ الگ یہ کہنا کہ آپ نے تو آج مغافیر (گوند) کھایا ہے اور اس کی بو آرہی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں سے فارغ ہو کر آئے تو ہر ایک کے یہاں گئے تو اس نے یہی کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو آج ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغافیر کھالیا ہے آپ نے جب ہر ایک سے یہ سنا تو اپنے اوپر شہد کو حرام کرلیا، تیسرا سبب یہ بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ آپکی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد نفقہ طلب کیا تو اس پر آپ نے قسم کھالی، چوتھا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں گوشت بھیجا تو انہوں نے انکار فرمادیا۔ دوسری مرتبہ بھیجا اس دفعہ بھی انکار کیا اور تیسری مرتبہ بھی ایسے ہی ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی یہ چار اسباب بیان کئے گئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قسم کھانے اور پھر مشربہ کے اندر قیام کرنے کے۔ لیکن حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ چاروں سبب ایک دم پائے گئے ہوں یہ بھی ممکن ہے بلکہ آپ کی عالی ظرفی کا تقاضہ یہی ہے کہ کسی ایک واقعہ کی بنا پر ناراض ہو کر آپ نے ایلا اور مشربہ کے اندر قیام نہیں کیا بلکہ یہ چاروں واقعے ہی سبب بنے۔ دوسری بات اس حدیث کے اندر یہ ہوئی اس کے اندر مصنف نے "انفکاك رجل" اور ایلا کا واقعہ ایک ہی جگہ ذکر کر دیا حالانکہ یہ دونوں واقع الگ الگ ہیں چنانچہ انفکاک کا واقعہ ۵ رھ میں اور ایلا کا واقعہ ۹ رہجری کے اندر پیش آیا۔ ابن حبان نے اپنی تاریخ میں۔ رزین نے اپنی تاریخ کے اندر ایسے ہی علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ

013

ایلاء ۹ھ ہجری میں اور "انفکاک رجل" کا واقعہ ۵ھ ہجری میں پیش آیا ہے لیکن اکثر نے ان دونوں کے اندر خلط واقع کر دیا آجکل کے مشائخ اور اساتذہ کا یہ خیال ہے کہ حافظ کو بھی اس واقعہ کے اندر خلط ہو گیا لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ حافظ نے ان کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ "ان شھرا یکون تسعا وعشرین" کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ مہینہ کبھی ۲۹ روز کا ہوتا ہے اور یہ مہینہ ایسا ہی ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ خاص یہ مہینہ ۲۹ روز کا ہے۔ (تقریر حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ)

آیت تخییر کا شان نزول

{۳۰۹۸} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَکْرٍ یَسْتَأْذِنُ عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْساً بِبَابِہٖ لَمْ یُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِنْھُمْ قَالَ فَاُذِنَ لِاَبِیْ بَکْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ اَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَأْذَنَ فَاُذِنَ لَہٗ فَوَجَدَ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَالِساً حَوْلَہٗ نِسَائُہٗ وَاجِماً سَاکِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَاَ قُوْلَنَّ شَیْئاً اُضْحِكُ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللہِ لَوْ رَأَیْتَ بِنْتَ خَارِجَۃَ سَأَلَتْنِی النَّفْقَۃَ فَقُمْتُ اِلَیْھَا فَوَجَأْتُ عُنُقَھَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ھُنَّ حَوْلِیْ کَمَا تَرٰی یَسْأَلْنَنِی النَّفْقَۃَ فَقَامَ اَبُوْبَکْرٍ اِلٰی عَائِشَۃَ یَجَأُ عُنُقَھَا وَقَامَ عُمَرَ اِلٰی حَفْصَۃَ یَجَأُ عُنُقَھَا کِلَاھُمَا یَقُوْلُ تَسْأَلِیْنَ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا لَیْسَ عِنْدَہٗ فَقُلْنَ وَاللہِ لَانَسْأَلُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئاً اَبَداً لَیْسَ عِنْدَہٗ ثُمَّ اعْتَزَلَھُنَّ شَھْراً اَوْ تِسْعًا وَّعِشْرِیْنَ ثُمَّ نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ حَتّٰی بَلَغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْماً قَالَ فَبَدَأَ بِعَائِشَۃَ فَقَالَ یَا عَائِشَۃَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَعْرِضَ عَلَیْكِ اَمْراً اُحِبُّ اَنْ لَا تَعْجَلِیْ فِیْہِ حَتّٰی تَسْتَشِیْرِیْ اَبَوَیْكِ قَالَتْ وَمَا ھُوَ یَا رَسُوْلَ اللہِ فَتَلَا عَلَیْھَا الْاٰیَۃَ قَالَتْ اَفِیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ اَسْتَشِیْرُ اَبَوَیَّ بَلْ اَخْتَارُ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَاَسْأَلُكَ اَنْ لَا تُخْبِرَ

اِمْرَأَةً مِنْ نِسَائِكَ بِالَّذِيْ قُلْتُ قَالَ لَا تَسْأَلْنِيْ اِمْرَأَةٌ مِنْهُنَّ اِلاَّ اَخْبَرْتُهَا اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِيْ مُعَنِّتاً وَلَا مُتَعَنِّتاً وَلٰكِنْ بَعَثَنِيْ مُعَلِّماً مُيَسِّرًا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۴۸۰، باب بیان ان تخییر امرأته لا یکون طلاقا، کتاب الطلاق، حدیث نمبر: ۱۴۷۸۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی اجازت طلب کر رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں سے کسی کو اجازت نہیں ملی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی، چنانچہ وہ اندر تشریف لے گئے، اس کے بعد حضرت عمر تشریف لائے اور انہوں نے اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت مل گئی، تو انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے درمیان غمگین اور خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، اور راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دل میں کہا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑیں، چانچہ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر خارجہ کی بیٹی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں وہ مجھ سے زیادہ خرچہ مانگے تو میں اس کی طرف کھڑا ہوں اور اس کی گردن مروڑ دوں، چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ میرے ارد گرد تم دیکھ رہے ہو یہ مجھ سے زیادہ خرچہ مانگ رہی ہیں، یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف تاکہ ان گردن مروڑ دیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف ان کی گردن مروڑنے کے لئے کھڑے ہوئے، دونوں نے کہا کہ تم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیز مانگ رہی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں ہے، چنانچہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کہا کہ خدا کی قسم ہم کبھی بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہو، پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایک مہینہ یا انتیس دن کنارہ کش رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی "یاایھا النبی الخ" اے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے فرمادیجئے، یہاں تک کہ پہنچے تم میں سے نیک کام کرنے

والیوں کے لئے بڑا ثواب ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابتداء کرتے ہوئے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم اس معاملہ میں جلدی نہ کرنا، بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کرلینا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کیا ہے؟ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ آیت پڑھ کر سنائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آنحضرت ﷺ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی، بلکہ میں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کرتی ہوں، اور میں آنحضرت ﷺ سے سوال کرتی ہوں، کہ آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں کسی سے نہ بتائیں جو میں نے کہا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ اگر کوئی بیوی مجھ سے پوچھیں گی تو میں اس کو ضرور بتاؤں گا، بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا کہ میں کسی کو رنج پہنچاؤں یا کسی کی تکلیف کا خواہاں رہوں، بلکہ خدا نے مجھے سکھانے والا اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (مسلم)

تشریح: غزوہ احزاب، بنو قریظہ اور بنو نضیر کی فتوحات کے بعد اموال غنیمت تقسیم ہوئے تو مسلمانوں میں کسی قدر خوش حالی پیدا ہوگئی۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جمع ہو کر شکوہ کیا کہ ہم فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہے ہیں جب کہ قیصر و کسریٰ کی بیویوں کی عیش و عشرت تو ایک طرف، ان کی کنیزیں بھی فراخی کی زندگی گذار رہی ہیں۔ اور مسلمان اور مسلمان عورتوں کی حالت بھی بہتر ہوگئی ہے آنحضرت ﷺ ہمارے لئے بھی کچھ انتظام فرمادیں تو بہتر ہوگا، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اس مطالبہ سے آنحضرت ﷺ کو بہت رنج ہوا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اللہ کے حکم سے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اس بات کا اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو تنگی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی زوجیت میں رہیں اس میں ان کے لئے اجر عظیم کا وعدہ ہے، اور اگر چاہیں تو طلاق کے ذریعہ کچھ دنیوی مال و متاع لے کر رخصت ہو جائیں تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے قرآن کے اس حکم کو سن کر آنحضرت ﷺ کو اختیار کرلیا اور دنیا کی فراخی کو آنحضرت ﷺ کی زوجیت سے نکل کر قبول کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں، اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب زوجین کی طبیعتوں میں مناسبت نہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ بیوی کو اختیار دے دیا جائے کہ شوہر کی موجودہ حالت پر قناعت کرکے ساتھ رہنا چاہئے تو

رہے ورنہ سنت کے مطابق طلاق دے کر عزت کے ساتھ رخصت کردے، یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت کے سپرد کردیا جائے کہ تو اپنے کو طلاق دیکر آزاد ہوجائے۔

(معارف القرآن)

فوجد الناس: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں سے کنارہ کشی فرمائی تھی، اس کی اطلاع جب لوگوں کو ہوئی تو وہ بہت فکرمند ہوئے اور در اقدس پر حاضری دی لیکن چوں کہ یہ ذاتی نوعیت کا معاملہ تھا، لہٰذا گھر میں آنے کی اجازت کسی کو نہ ملی، "فاذن لابی بکر" حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما چوں کی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر تھے اور جگری دوست اور یار غار اور راز دار بھی اسی طرح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دوسرے درجہ پر تھے۔ اسلئے ان کو گھر میں آنے کی اجازت ہوگی، "حوله نساء" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جمع تھیں، اور شیخین بھی وہاں چلے آئے، ممکن ہے کہ یہ واقعہ آیات حجاب کے نزول سے پہلے کا ہو، "اضحك النبی صلی الله علیه وسلم" اپنے ساتھی کو مغموم دیکھ کر کوئی ایسا عمل کرنا یا کوئی ایسی بات کہنا جس سے اس کا غم دور ہوجائے اور وہ خوش ہوجائے مستحب ہے، "یاایها النبی" اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کو اختیار دے دیا کہ یا تو وہ اس حال میں راضی رہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رکھیں ورنہ وہ طلاق لے کر جہاں چاہیں چلی جائیں، اختیار ملنے کے بعد اگر عورت شوہر کو اختیار کرے تو جمہور کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر اپنے نفس کو اختیار کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی، "فبدا بعائشة" چوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام بیویوں میں سب سے زیادہ سمجھدار تھیں، لہٰذا سب سے پہلے اختیار دئے جانے سے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو آگاہ کیا، "تستشیر ابویک" چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرقت میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نقصان تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ جذبات میں آکر کہیں دنیوی زیب وزینت اختیار نہ کرلیں، لہٰذا ان سے فرمایا کہ اپنے والدین سے ضرور مشورہ کرلینا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فراق کا مشورہ نہ دیں گے، "افیك یارسول الله صلی الله علیه وسلم استشیر ابوی" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کے بارے میں میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ تھا کہ مشورہ اس وقت ہوتا ہے جب کسی مسئلہ کے

تمام پہلو واضح نہ ہوں اور معاملہ میں تردد ہو، میں دل وجان سے آنحضرت ﷺ کو پسند کرتی ہوں، اور آنحضرت ﷺ کو اختیار کرتی ہوں، لہٰذا مشورہ کی ضرورت نہیں، اور مشورہ کا سوال ہی پیدا ہوتا "اسئلك"، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کو اختیار کیا لیکن آنحضرت ﷺ سے غایت درجہ محبت نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ان کے فیصلہ سے دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم واقف نہ ہوسکیں، تاکہ ان میں سے بعض یا سب دنیوی زیب و زینت اختیار کر کے حضور ﷺ سے جدا ہو جائیں، اور وہ حضور ﷺ کی توجہات کی اور زیادہ مستحق ہو جائیں۔

لہٰذا انہوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ میرے فیصلہ سے دیگر ازواج کو مطلع نہ فرمائے گا، "لاتسئلنی امراۃ"، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس درخواست کو حضور ﷺ نے قبول کرنے سے منع فرما دیا، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی محبت عام تھی، آنحضرت ﷺ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم نقصان میں رہیں اور خسارہ میں پڑ جائیں، چنانچہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کو اختیار کیا، جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقام و مرتبہ کو پہلے سے بہت زیادہ بلند فرما دیا۔ (مرقاۃ: ۶/۳۶۴)

باری کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کو اختیار

{۳۰۹۹} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهاَ قَالَتْ كُنْتُ اَغَارُ مِنِ الَّلائِيْ وَهَبْنَ اَنْفُسَهُنَّ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَتَهَبُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا فَلَمَّا اَنْزَلَ اللهُ تَعَالىٰ تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ مَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلاَجُنَاحَ عَلَيْكَ قُلْتُ مَا اُرٰى رَبَّكَ اِلاَّ يُسَارِعُ فِيْ هَوَاكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ اِتَّقُوْا اللهَ فِي النِّسَاءِ فِيْ قِصَّةِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۳۰۶/۲، باب ترجی من تشاء الخ، کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴۷۸۸، مسلم شریف: ۴۷۳/۱، باب جواز هبتها نوبتها، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۴۶۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں غیرت کرتی تھی ان عورتوں سے جو ہبہ کرتی تھیں اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے، میں کہتی کیا عورت اپنے آپ کو ہبہ کرسکتی ہے؟ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی "ترجی من تشاء منهن الخ" ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں، اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں، اور جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دور رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کریں، تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی گناہ نہیں۔ میں نے کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بہت جلد پوری کر دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم) اور جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث "اتقوا الله فی النساء" حجۃ الودع کے قصہ میں گذر چکی ہے۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوچ یہ تھی کہ عورت کا اپنے کو ہبہ کرنا قلت حیا کی دلیل ہے، لہٰذا انہوں نے اس پر عار دلائی، لیکن چونکہ یہ انکا اپنا خیال تھا، ورنہ نبی کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کر کے اپنی عظمت شان بڑھانا، اور تمام ایمان والوں کی ماں بننا یہ بہت عظیم الشان سعادت ہے، اس حدیث میں جو آیت ہے اس سے معلوم یہ ہوا کہ بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا، اور باری کی رعایت کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہ تھا، اس میں درحقیقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رخصت تھی، لیکن اس رخصت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کی دلداری کی خاطر تمام عمر باری کی رعایت برتی، اور جس کی باری ہوتی اسی کے ساتھ رات گذارنے کا معمول رکھا۔

اغار من اللائی وہبن: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان عورتوں پر آتی تھی جو اپنے کو ہبہ کرتی تھیں، اور وہ یہ خیال کرتی تھی کہ یہ قلت حیا کی دلیل ہے، "ترجی" اس آیت کا مطلب اور مفہوم ایک تو اوپر گذرا ہے اور دوسرا مفہوم بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی جن عورتوں سے چاہیں نکاح کر لیں، اور جن سے چاہیں نکاح نہ کریں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ آیت دراصل "لا یحل لك النساء من بعد" کے لئے ناسخ ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے علاوہ عورتیں بھی وفات تک حلال رکھی گئیں تھیں، "ما اری ربك" یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی مرضی اور خواہش کو بہت جلد پورا فرماتے ہیں۔ (مرقاۃ: ٦/٣٦٦)

{الفصل الثانی}

باہمی تسابق

{۳۱۰۰} **عَنْ** عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلٰى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي قَالَ هٰذِهٖ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۳۴۸، باب فی السبق علی الرجل، کتاب الجہاد، حدیث نمبر: ۲۵۷۸۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھیں، حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکل گئی، پھر جب میرا جسم بھاری ہوگیا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوڑ لگائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے آگے بڑھ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس آگے نکل جانے کا بدلہ ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: بیویوں کے ساتھ پیار و محبت کی زندگی گذارنا چاہئے، شریعت کے دائرہ میں رہ کر ان کی خوشی کا خیال رکھنا چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دیکھئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی وہ بچی تھیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بچپنہ کی بھرپور رعایت کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھاپے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل داری کی خاطر دوڑ کا مقابلہ کرکے امت کو عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کرنے کا عملی طور پر درس دیا ہے۔

فسابقتہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پیدل دوڑ کا دو مرتبہ مقابلہ ہوا، پہلی مرتبہ اس وقت جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دبلی پتلی تھیں، چنانچہ وہ آگے نکل گئیں پھر عرصہ بعد دوسری مرتبہ

دوڑ کا مقابلہ کیا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بدن بھاری ہو چکا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے، اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ تم آگے نکل گئیں تھیں، یہ اس کا بدلہ ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن معاشرت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔

علی رجلی: یہ جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس لئے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ دوڑ کا مقابلہ سواری پر نہیں ہوا تھا، بلکہ پیروں پر دوڑ ہوئی تھی، علامہ طیبی نے فرمایا کہ اس جملہ سے تاکید مقصود ہے، جیسا کہ کوئی کہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا۔ (طیبی: ۶/۳۴۹)

کیا دوڑ کا مقابلہ وقار کے خلاف ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث میں مذکور مقابلہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آج کل لوگ وقار وقار پکارتے ہیں، یہ وقار تکبر کا پوٹلہ ہے ان لوگوں نے تکبر کا نام وقار رکھ لیا ہے، یاد رکھو وقار کے خلاف وہ کام ہے جس میں دین پر بات آتی ہو، اور جن میں دینی مصلحت پر کوئی اثر نہ پہنچے، محض اپنی عرفی سبب کی ہوتی ہے، تو ایسا کام کرنا عین تواضع ہے، آج کل جو لوگ وقار کا پوٹلہ بغل میں دبائے ہوتے ہیں وہ بیوی کے ساتھ دوڑنے کو خلاف وقار سمجھیں گے، مگر وہ ذرا زبان سنبھالیں، اور آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مسابقت کی ہے، تو کیا معاذ اللہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو بھی خلاف وقار کہیں گے، ہر گز نہیں، اور اگر کوئی ایسا کہے تو اس کے ایمان کی خیر نہیں، یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل خلاف وقار نہیں تھا، ہاں تکبر کے خلاف ضرور تھا، پس اگر آج کل کے مدعیان متکبر نہیں ہیں تو وہ ذرا ہم کو اپنی بیویوں کے ساتھ دوڑ کر دکھائیں، مگر ان سے قیامت تک ایسا نہ ہو سکے گا، ہاں جو شخص متکبر نہ ہوگا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہوگا، وہ ایسا ضرور کر سکتا ہے، اور بحمد اللہ ہم نے بھی اس سنت پر عمل کیا ہے۔ (اشرف الجواب)

مسابقہ کا حکم: حدیث میں چار چیزوں کے اندر مسابقہ کا جواز مذکور ہے، بقیہ چیزوں میں مسابقہ کے بارے میں حدیث نقل نہیں ہوئی ہے، (۱) اونٹ میں (۲) گھوڑے، خچر میں (۳) تیر اندازی میں (۴) پیدل دوڑنے میں۔ کسی بھی مسابقہ میں ایک طرف سے شرط جائز ہے، دونوں طرف سے شرط لگانا حرام ہے۔ (تحقیق کے لئے مرقاۃ دیکھیں)

بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا سلوک کرے

{۳۱۰۱} **وَعَنْهَا** قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ وَاِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ۔

(رواہ الترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجہ) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلٰى قَوْلِهٖ لِاَهْلِيْ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۲۲۸، باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب المناقب، حدیث نمبر: ۳۸۹۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے کہ جو اپنے اہل وعیال کے حق میں بہتر ہے اور میں تم سب میں اہل وعیال کے حق میں سب سے بہتر ہوں، اور جب تمہارا کوئی ساتھی مرجائے تو اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ (ترمذی، داری) اور اس کو ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "لاھلی" تک نقل کیا ہے۔

تشریح: چونکہ گھر والوں کا ہر وقت کا ساتھ ہے، ان کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنا مشکل ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص ایسا کرے تو وہ بہت بلند اخلاق کا حامل ہے، "انا خیرکم لاھلی" میں تم سب کے مقابلہ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال اور اعزاء واقربا کا جس طرح خیال رکھا ہے کسی کیلئے ممکن ہی نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمان رب ہے "انك لعلی خلق عظیم" یقینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہو (سورہ القلم)، "واذا مات صاحبکم فدعوہ" جب کوئی عزیز مرجائے تو پھر برائی سے اسکا ذکر کرنا ممنوع ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "اذکروا موتاکم بالخیر" اپنے مرے ہوئے لوگوں کا ذکر بھلائی سے ہی کرو، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جملہ میں "صاحب" سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا ہے، اور مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں تو اس پر افسوس کرنا اور بے قرار ہونا چھوڑ دو۔ (مرقاۃ: ۶/۳۶۸)

اطاعت شعار بیوی کو جنت کی خوشخبری

{٣١٠٢} **وَعَنْ** اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْأَۃُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَھَا وَصَامَتْ شَھْرَھَا وَ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا وَطَاعَتْ بَعْلَھَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ شَآءَتْ۔ (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حوالہ: ابو نعیم فی الحلیۃ: ٦/٣٠٨۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ عورت جب اپنی پانچ نمازیں پڑھے اور اپنے رمضان کے مہینے کے روزے رکھے، اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ (ابونعیم فی الحلیۃ)

تشریح: اذا صَلَّتْ خمسھا: مطلب یہ ہے کہ پاکی کے ایام میں مکمل طور پر نماز کی ادائیگی کرنے والی ہو، "وصامت شھرھا"، رمضان کے روزے پابندی سے رکھے، اور جو روزے عذر شرعی کی وجہ سے قضا ہو جائیں ان کو بعد میں رکھے۔ "احصنت فرجھا"، اور بدکاری سے مکمل طور پر اجتناب کرے "اطاعت بعلھا"، شوہر کی حد درجہ وفادار اور خدمت گذار ہو، جن امور میں شوہر کی اطاعت لازم ہے ان میں قطعاً اس کی نافرمانی نہ کرے۔ "فلتدخل" ان اوصاف کی حامل عورت کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ وہ بلا روک ٹوک جنت کے دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

شوہر کا مقام

{٣١٠٣} **وَعَنْ** اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کُنْتُ آمُرُ اَحَداً اَنْ یَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْأَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۱۹/۱ ۲، باب ماجاء فی حق الزوج، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۱۵۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ سجدہ کرے کسی کے لئے تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (ترمذی)

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر میں کسی کو کسی کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیتا یعنی غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔

اس حدیث کا شان ورود یہ ہے کہ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین ملک شام گئے وہاں انہوں نے بادشاہوں کے دربار کا منظر دیکھا جب بڑا دربار میں آتا تو سب لوگ دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں، اور جب وہ بیٹھتا ہے تو سب اس کو سجدہ کرتے ہیں اور جب تک وہ بیٹھا رہتا ہے سب لوگ اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! حقیقی تعظیم کے لائق تو آپ ہیں، ہمارا جی چاہتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مجلس میں جلوہ افروز ہوں تو ہم آنحضرت ﷺ کو سجدہ کیا کریں اور آپ کے سامنے کھڑے رہا کریں، آنحضرت ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور سجدہ کے تعلق سے وہ بات فرمائی جو اوپر گذری، اور قیام کے تعلق سے فرمایا: "لا تقوموا کما یقوم الاعاجم" یعنی جس طرح سے عجمی لوگ دربار میں کھڑے رہتے ہیں تم کھڑے نہ رہو، ہمارے اکابر نے اس حدیث کو آگے بڑھایا اور فرمایا: کسی کے استقبال کے لئے کھڑا ہونا پھر بیٹھ جانا بھی اس حدیث کا مصداق ہے، کیونکہ ممانعت کی علت تعظیم ہے، عجمی اپنے بڑوں کے سامنے کھڑے ہو کر ان کی تعظیم کیا کرتے تھے، اور ان کے سامنے بیٹھنے کو توہین سمجھتے تھے، پس اگر استقبال کے لئے کھڑے ہونے کی اجازت دی جائے گی تو یہ قیام بڑھتا بڑھتا عجمیوں کے قیام تک پہنچ جائے گا، چنانچہ آنحضرت ﷺ جب مجلس میں تشریف لاتے تو آنحضرت ﷺ کے احترام میں کوئی کھڑا نہیں ہوتا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی بھی قابل احترام نہیں تھا، پھر بھی صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین آنحضرت ﷺ کو آتا ہو دیکھتے

تھے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت نبی ﷺ کو یہ بات پسند نہیں ہے۔

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استقبال کے لئے کھڑے ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ کھڑا ہونا تعاون کے لئے تھا، غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر جب وہ گدھے پر سوار ہو کر لشکر کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **قوموا الی سیدکم** "تم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو"، اسکا مطلب یہ تھا کہ جا کر ان کو سواری سے اتارو اس لئے کہ وہ بیمار تھے، مسند احمد کی حدیث میں "**فانزلوہ**" کی صراحت ہے (یہ حدیث متفق علیہ ہے، مشکوۃ: حدیث نمبر: ۳۶۹۵)

تاہم اپنے کسی بڑے کی تعظیم کے لئے جیسے اپنے والد اپنے استاذ یا اپنے شیخ کی تعظیم کیلئے کھڑے ہونے کی گنجائش ہے مضائقہ نہیں، بشرطیکہ وہ اپنے لئے کھڑے ہونے کو ناپسند کرے اور اگر وہ اپنے لئے کھڑے ہونے سے خوش ہوتا ہے تو یہ اس کے تکبر کی نشانی ہے اس کے لئے کھڑا نہ ہوا جائے۔ اسلئے کہ اس کے لئے کھڑا ہونا تکبر میں اس کی مدد کرنا ہے جو کہ ممنوع ہے، اسی طرح کوئی حاکم، اگر اور اسکے لئے کھڑا نہ ہوا جائے تو وہ ظلم کرے گا نقصان پہنچائے گا تو اس کے شر سے بچنے کے لئے اس کے لئے کھڑے ہونے میں بھی مضائقہ نہیں۔

اور سجدہ کے تعلق سے فرمایا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو حکم دیا جاتا کہ جب ان کے شوہر باہر سے آئیں تو عورتیں سجدہ کر کے ان کی تعظیم بجالایا کریں۔ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ عورت پر شوہر کا پہلا حق یہ ہے کہ وہ جائز حدود میں رہ کر شوہر کی ہر طرح تعظیم بجالائے۔ (تحفۃ الالمعی: ۶۰۰/۳)

شوہروں کو خوش کرنا

{۳۱۰۴} **وَعَنْ** اُمِّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا اِمْرَأَۃٍ مَاتَتْ وَزَوْجُھَا عَنْہَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّۃَ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۲۱۹، باب ماجاء فی حق الزوج الخ، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۱۶۱۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جوعورت اس حال میں انتقال کرے کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے شوہر کا ایک حق یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت پر ضروری ہے کہ اگر کسی وجہ سے شوہر ناراض ہو جائے تو پہلی فرصت میں اسے منالیں، غلطی کس کی ہے یہ نہ دیکھے اگر مرد کی غلطی ہے اور عورت معافی مانگ لے تو یہ صرف شوہر راضی ہو جائے گا، بلکہ محبت میں اضافہ ہو جائے گا اور اگر غلطی عورت کی ہے تب تو اسے معافی مانگی ہی چاہئے، اور رات کی تخصیص اس لئے ہے کہ ممکن ہے دن میں عورت کو صفائی کا موقع نہ ملے پس جب رات میں دونوں جمع ہوں تو عورت پر لازم ہے کہ وہ شوہر کو کسی بھی طرح راضی کرلے۔ (تحفۃ الالمعی: ۶۰۱/ ۳)

شوہر کی خواہش پوری کرنے کی تاکید

{۳۱۰۵} **وَعَنْ** طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا الرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ لِحَاجَتِهٖ فَلْتَاْتِهٖ وَاِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۱۹، باب ماجاءَ فی الزوج، کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۱۶۰۔

ترجمہ: حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو حاجت پوری کرنے کے لئے بلائے تو بیوی کو چاہئے کہ اس کے پاس جائے خواہ وہ تنور پر مصروف ہو۔ (ترمذی)

تشریح: فلتأته: شوہر کا ایک بنیادی حق یہ بھی ہے کہ شوہر بیوی سے صحبت کرنا چاہے تو بیوی انکار نہ کرے، بیوی کے انکار سے شوہر کے گناہ میں پڑنے کا احتمال ہے، اور نکاح کے عظیم فائدہ "عفت" کے فوت ہونے کا خدشہ ہے "وان کانت علی التنور" اگر چہ وہ تنور پر ہو، مقصد یہ ہے کہ بیوی اگر کسی اہم

کام میں مشغول ہے تو اس کام کو چھوڑ کر آئے اگر نقصان کا خدشہ ہے تو نقصان ہونے دے شوہر کی بات نہ ٹالے۔ (تحفۃ الالمعی: ۶۰۱ / ۳)

شوہر کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت

{۳۱۰۶} **وَعَنْ** مُعَاذٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِيْ اِمْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا اِلاَّ قَالَتْ زَوْجَتُهٗ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ لَا تُؤْذِيْهِ فَاتَلَكِ اللهُ فَاِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيْلٌ يُوْشَكُ اَنْ يُفَارِقَكِ اِلَيْنَا۔ (رواه الترمذی وابن ماجه) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حواله: ترمذی شریف: ۱/۲۲۲، باب کتاب الرضاع، حدیث نمبر: ۱۱۷۴، ابن ماجه شریف: ۱۴۵، باب فی المرأة تؤذی زوجها، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۱۴۔

ترجمه: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اسکی جنت والی بیوی یعنی حور عین کہتی ہیں کہ اس کو تکلیف مت پہنچاؤ، خدا تجھے ہلاک کرے یہ تو تیرے پاس مہمان ہے عنقریب وہ تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا۔ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے فرمایا: کہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: شوہر کو ستانا اور تکلیف پہنچانا یہ برا عمل ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور ملاء اعلی پر رہنے والے سخت ناراض ہوتے ہیں اور شوہر کو ستانے والی عورت کے حق میں بد دعا کرتے ہیں۔

الحور العین: بڑی آنکھوں والی گوری عورت، یہ جنت کی مخصوص عورتوں کی صفت ہے، دنیا میں اگر کوئی عورت گوری اور بڑی آنکھوں والی ہے تو اس کو حور عین نہیں کہیں گے۔

لاتؤذیه: جنت میں رہنے والی حوریں جب دیکھتی ہیں کہ کوئی عورت اپنے شوہر کو ستا رہی ہے تو اسکے حق میں بد دعا کرتی ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ "لعن الملائكة لعاصية الزوج" جو عورت شوہر کی نافرمانی کرتی ہے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

سوال: حوروں کو کیسے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں عورت اپنے شوہر کو ستارہی ہے؟

جواب: دنیا اور آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے جس سے ایک طرف نظر آتا ہے، جیسے کاروں میں کالا شیشہ ہوتا ہے، چنانچہ جنت کی حوروں کو دنیا کی بیوی کے معاملات نظر آتے ہیں اور اس کو کوستی ہیں، لہٰذا دنیا کی بیویوں کو حوروں کی بددعا سے بچنا چاہئے۔

سوال: دنیا کی عورت جب حور کی بات سنتی نہیں تو اس سے کیا فائدہ؟

جواب: یہ غیب کی باتیں ہیں جو مخبر صادق رسول اللہ ﷺ نے بتائیں ہیں، پس جس طرح امور غیبیہ پر ایمان لانا ضروری ہے اور وہ ایمان کے لئے مفید ہے، اسی طرح اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ (تحفۃ المعی)

یوشک ان یفارقک: حوریں کہتی ہیں کہ شوہر کو مت ستاؤ، وہ عنقریب تم کو چھوڑ کر ہماری طرف آنے والا ہے، حضرت مفتی سعید احمد صاحب زید مجدہم فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث سے یہ بات سمجھی ہے کہ اگر بیوی بلاوجہ شوہر کو پریشان کرے گی تو مرد کا پہلے انتقال ہو جائے گا، اور بیوی پیچھے ٹھوکریں کھائے گی، اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوگا یعنی شوہر بیوی کو بلاوجہ پریشان کرے گا تو وہ پیچھے رہ جائے گا، اور دھکے کھائے گا، مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ (حوالہ بالا)

بیوی کے حقوق کا ذکر

{۳۱۰۷} **وَعَنْ** حَکِیْمِ بْنِ مُعَاوِیَةَ الْقُشَیْرِیِّ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ زَوْجَةِ اَحَدِنَا عَلَیْهِ قَالَ اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَکْسُوْهَا اِذَا اِکْتَسَیْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلاَ تُقَبِّحْ وَلاَ تَهْجُرْ اِلاَّ فِیْ الْبَیْتِ۔ (رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ)

حوالہ: مسند احمد: ۴۴۶/۴، ۴۴۷/۴، ابو داؤد شریف: ۲۹۱، باب فی حق المرأۃ علی زوجها، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۴۲، ابن ماجہ شریف: ۱۳۳، باب حق المرأۃ علی الزوج، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۵۰۔

ترجمہ: حضرت حکیم بن معاویہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ جب تم کھاؤ، تو اس کو بھی کھلاؤ، جب پہنو تو اس کو بھی پہناؤ، اور چہرے پر مت مارو، اور اس کو برا مت کہو، اور گھر کے علاوہ میں علاحدگی مت اختیار کرو۔ (احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ)

تشریح: اسلام میں حقوق ایک طرفہ نہیں ہیں، بلکہ دو طرفہ ہیں، جس طرح شوہر کے بیوی پر کچھ حقوق ہیں ان کی ادائیگی بیوی پر لازم ہے، اسی طرح بیوی کے بھی کچھ حقوق ہیں ان کی ادائیگی شوہر پر لازم ہے، عورت کا مرد پر یہ حق ہے کہ مرد اس کے کھانے پینے پہننے اوڑھنے اور رہنے سہنے کا حسب حیثیت بہتر انتظام کرے، جب مارنے کی شدید ضرورت ہو تو ہلکی پھلکی مار کی رخصت ہے لیکن چہرے پر قطعی نہ مارے، اگر عورت کی اصلاح کی ضرورت ہو تو اپنی خواب گاہ سے اس کو نکال دے، لیکن گھر سے قطعی نہ نکالے۔

لا تضرب الوجہ: اگر سمجھانے بجھانے سے عورت کی اصلاح نہ ہو تو اس کو مارنے کی گنجائش ہے، لیکن چہرے پر مارنے کی اجازت نہیں ہے۔

سوال: کن وجوہات کی بنا پر شوہر بیوی کو مار سکتا ہے؟

جواب: شوہر کیلئے چار وجہ سے بیوی کو مارنے کی گنجائش ہے۔

(۱)......شوہر زینت کا حکم کرے اور وہ زینت نہ کرے۔

(۲)......شوہر جماع کیلئے کہے اور عورت انکار کر دے۔

(۳)......نماز چھوڑنے پر، امام محمدؒ کی ایک روایت ہے کہ نماز چھوڑنے پر مارنے کا حق نہیں ہے۔

(۴)......شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنے پر۔ (مرقاۃ: ۶/۳۷۰)

لا تقبح: شوہر بیوی کو گالی نہ دے اور نہ برا بھلا کہے اور نہ بد دعا دے، یہ عورت کا شوہر پر حق ہے، "**ولا تھجر**" عورت کی نافرمانی کی صورت میں شوہر گھر میں رہتے ہوئے اس سے علاحدگی اختیار کر سکتا ہے، لیکن خود گھر سے نکل جائے یا عورت کو نکال دے اس کی اجازت نہیں ہے۔ (الدر المنضود: ۴/۶۵)

بیوی کو بہت زیادہ مارنے کی ممانعت

{۳۱۰۸} **وَعَنْ** لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِي اِمْرَأَةً فِي لِسَانِهَا شَيْءٌ يَعْنِي الْبَذَاءَ قَالَ طَلِّقْهَا قُلْتُ اِنَّ لِي مِنْهَا وَلَداً وَلَهَا صُحْبَةٌ قَالَ فَمُرْهَا يَقُوْلُ عِظْهَا فَاِنْ يَكُ فِيْهَا خَيْرٌ فَسَتَقْبَلُ وَلَا تَضْرِبَنَّ ظَعِيْنَتَكَ ضَرْبَكَ اَمَتَكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۹، باب فی الا ستنثار، کتاب الطہارت، حدیث نمبر: ۱۴۲۔

ترجمہ: حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میری ایک بیوی ہے، جس کی زبان میں کچھ ہے یعنی وہ بہت بدزبان ہے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم اس کو طلاق دیدو میں نے کہا اس سے میرا لڑکا ہے، اور ایک لمبی مدت سے اس کی صحبت رہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کو حکم کرو، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ اس کو نصیحت کرو، اگر اس کے اندر بھلائی ہوگی تو وہ نصیحت قبول کریگی، اور اپنی بیوی کو اپنی باندی کی طرح ہرگز مت مارو۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث حاصل یہ ہے کہ اگر بیوی بہت فحش گو بدزبان ہو اور اس سے نبھاؤ کی صورت نہ ہو طلاق دے دینا بہتر ہے، لیکن اگر اس کی اولاد ہو اور طلاق کی وجہ سے بچہ کی پریشانی کا خیال ہو تو ایسے میں شوہر کو حکمت عملی سے کام لینا چاہئے اور نصیحت کرتے رہنا چاہئے، نصیحت کا اثر قبول کرے تو بہتر ہے اور اگر نصیحت کا اثر نہ ہو تو مارنے کی گنجائش ہے، لیکن مارنا ہلکا پھلکا ہو بہت زیادہ بے رحمی سے قطعاً نہ مارے۔

طلقہا: بیوی کی بدزبانی برداشت نہ ہو تو طلاق دے دو، امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ اباحت کیلئے ہے "ولہا صحبۃ" یعنی بیوی کیساتھ قدیم تعلق ہے اس کو یکسر توڑنا بھی نہیں چاہتا ہوں، "یقول" یہ راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کرنے کا حکم کیا۔ "ولا تضربن" مطلب یہ ہے کہ آزاد

عورت کو باندی کی طرح مت مارو اور اس کے ساتھ باندی جیسا سلوک نہ کرو۔

عورتوں کا مارنا شریفوں کا شیوہ نہیں ہے

{٣١٠٩} **وَعَنْ** اِيَاسِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَضْرِبُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ فَجَآءَ عُمَرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ فَرَخَّصَ فِيْ ضَرْبِهِنَّ فَاَطَافَ بِاٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ طَافَ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ اُولٰئِكَ بِخِيَارِكُمْ۔ (رواه ابوداؤدوابن ماجه والدارمی)

حواله: ابو داؤد شریف: ١/٢٩٢، باب فی ضرب النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ٢١٤٦، ابن ما جه شریف: ١٤٦، باب فی ضرب النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ١٩٨٥، دارمی: ١٩٨/٢، باب فی النهی عن ضرب النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ٢٢١٩۔

ترجمہ: حضرت ایاس بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ کی بندیوں کو مارو مت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ عورتیں اپنے شوہروں پر دلیر ہوگئی ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مارنے کی اجازت عطا فرمادی، اس کے بعد بہت سی عورتوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو گھیر لیا، اور انہوں نے اپنے شوہروں کی شکایت کی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس آ کر بہت سی عورتوں نے اپنے شوہروں کی شکایت کی، وہ لوگ تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہیں۔

تشریح: لا تضربوا: پہلے مردوں کو مطلقاً عورتوں کو مارنے سے منع کر دیا گیا، لیکن جب عورتیں منھ زور ہونے لگیں تو پھر اجازت عطا فرمادی، "لیس اولئك بخیارکم" یہ پسندیدہ لوگ نہیں

ہیں، ہلکی پھلکی مار کی اجازت ہے، لیکن آنحضرت ﷺ نے اس کو پسند نہیں کیا ہے، **معلوم ہوا کہ نہ مارنا افضل ہے۔**

بیوی کو شوہر کے خلاف اکسانے کی مذمت

{۳۱۱۰} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَأَةً عَلٰى زَوْجِهَا اَوْ عَبْداً عَلٰى سَيِّدِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو دؤاد شریف: ۲/۷۰۳، باب فیمن خب مملوکاً کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۱۷۰۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف یا کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف ورغلائے۔ (ابو داؤد)

تشریح: کسی عورت کے سامنے اس کے شوہر کے نقائص بیان کر کے یا کسی غیر مرد کی خوبیاں بیان کر کے شوہر سے بدظن کرنا حرام ہے، اسی طرح غلام و باندی کو آقا کے خلاف ورغلانا اور آقا کے گھر کو چھوڑنے پر آمادہ کرنا انتہائی قبیح فعل ہے، ایسے شخص کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے اس کا ہم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

لیس منا: مذکورہ شنیع حرکت کرنے والا یا کرنے والی ہمارے تابعداروں میں سے نہیں ہے، "من خبب"، شوہر کے خلاف اکسانے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱)......شوہر کے عیوب بیان کئے جائیں، اور عورت کے ذہن میں یہ بٹھایا جائے کہ وہ بڑا ظالم ہے، تمہارے جائز حقوق ادا نہیں کرتا ہے۔

(۲)......کسی اجنبی کی اس مقصد سے خوب تعریف کی جائے تا کہ عورت شوہر سے کنارہ کش ہو کر اجنبی کی طرف راغب ہو جائے، اس طرح کی خصلت عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے ان کو اس سے بچنا

چاہئے "او عبدا علی سیدہ"غلام کو آقا کی نافرمانی پر اکسائے چوری کرنے پر ابھارے۔

(مرقاۃ:۶/۳۷۲)

اہل وعیال پر شفقت کمال ایمان کی علامت ہے

{۳۱۱۱} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَکْمَلِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُہُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُہُمْ بِاَھْلِہٖ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۸۹/۲، باب ماجاء فی استکمال الایمان، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۶۱۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مسلمانوں میں کامل ایمان والے وہ ہیں، جن کے اخلاق اچھے ہیں اور جو اپنے گھر والوں سے بہتر سلوک کرتے ہیں۔ (ترمذی)

تشریح: اللہ کی مخلوق سے محبت کرنا بالخصوص اپنے اعزہ اقربا اور اپنے اہل کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کرنا یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے، اور اللہ و رسول کی حقیقی اطاعت ہے، لہٰذا ایسا شخص کامل مؤمن ہے۔

بیوی کے حق میں شوہر کی شفقت

{۳۱۱۲} **وَعَنْ** اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُہُمْ خُلُقًا وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِہِمْ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَرَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ اِلٰی قَوْلِہٖ خُلُقاً۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۲۱۹/۱، باب ماجاء فی المرأۃ، کتاب الرضاع، حدیث

013

نمبر:۱۱۲۶، ابو داؤد شریف: ۶۴۳/۲، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان، کتاب السنۃ، حدیث نمبر: ۴۶۸۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مؤمنوں میں کامل ایمان اس شخص کا ہے جو ان میں بہت اچھے اخلاق کا ہو، اور تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابو داؤد نے اس روایت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "خلقا" تک نقل کیا ہے۔

تشریح: خیارکم لنسائھم: بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک پر ابھار کر ایک معاشرتی کمزوری کی اصلاح کی گئی ہے لوگ عام طور پر ایک جانب کے ساتھ تو اچھے اخلاق کا برتاؤ کرتے ہیں مگر نوکروں بچوں اور بیویوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا برتاؤ کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں، غیروں سے بڑی مہذب گفتگو کریں گے اور متعلقین سے تو تڑاق کے ساتھ باتیں کریں گے یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ (تحفۃ الالمعی)

گڑیا اور پروں والا گھوڑا

{۳۱۱۳} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَوْحُنَيْنٍ وَفِي سَهْوَتِهَا سِتْرٌ فَهَبَّتْ رِيْحٌ فَكَشَفَتْ نَاحِيَةُ السِّتْرِ عَنْ بَنَاتٍ لِعَائِشَةَ لُعَبٍ فَقَالَ مَاهٰذَا يَا عَائِشَةُ قَالَتْ بَنَاتِيْ وَرَاٰى بَيْنَهُنَّ فَرَساً لَهٗ جِنَاحَانِ مِنْ رِقَاعٍ فَقَالَ مَا هٰذَا الَّذِيْ اَرٰى وَسْطَهُنَّ قَالَتْ فَرَسٌ قَالَ وَمَاهٰذَا الَّذِيْ عَلَيْهِ قَالَتْ قُلْتُ جِنَاحَانِ قَالَ فَرَسٌ لَهٗ جِنَاحَانِ قَالَتْ اَمَا سَمِعْتَ اَنْ لِسُلَيْمَانَ خَيْلاً لَهَا اَجْنِحَةٌ قَالَتْ فَضَحِكَ حَتّٰى رَاَيْتُ نَوَاجِذَهٗ ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۶۷۵/۲، باب فی اللعب بالبنات، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۴۹۳۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ غزوہ تبوک یا غزوہ حنین سے حضرت رسول اکرم

ﷺ واپس تشریف لائے، تو انکے گھر کے دریچہ پر پردہ لٹک رہا تھا، اچانک ہوا چلی تو پردہ کا ایک کنارہ ہٹ گیا، جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھیلنے کی گڑیاں کھل گئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ عائشہ یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یہ میری گڑیاں ہیں، آنحضرت ﷺ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے کپڑے کے دو پر تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ میں ان کے درمیان کیا دیکھ رہا ہوں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ گھوڑا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا دو پر ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑے کے کہیں پر ہوتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں آنحضرت ﷺ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس کچھ گھوڑے ایسے تھے جن کے پر تھے، آنحضرت ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے دانت دیکھ لئے۔ (ابو داؤد)

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت کم عمر تھیں، کم عمری کی وجہ سے گڑیوں اور دیگر کھلونوں سے کھیلتی تھیں، آنحضرت ﷺ ان کی عمر کا لحاظ رکھتے تھے، حدیث باب سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ سے بہت بے تکلف تھیں، اور آنحضرت ﷺ ان کی سادہ گفتگو سے بہت لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔

بناتی: بنات سے مراد گڑیاں ہیں، یعنی چھوٹی چھوٹی تصویریں جو کہ بچیوں کی شکل کی ہوتی ہیں، گھر کی عورتیں اپنی بچیوں سے بنواتی ہیں تا کہ ان کو سینا پرونا اور بچوں کی پرورش کرنا آجائے، فقہا نے ان کی بیع اور شرا کو جائز رکھا ہے، ایک قول یہ ہے کہ پہلے اجازت تھی بعد میں منسوخ ہوگئی۔

{الفصل الثالث}

غیر اللہ کے لئے سجدہ ممنوع ہے

{۳۱۱۴} **عَنْ** قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ

فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ فَقُلْتُ لَرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ اَنْ يُسْجُدُ لَهٗ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّيْ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَاَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ بِاَنْ يَسْجُدُ لَكَ فَقَالَ لِيْ: اَرَاَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِيْ اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ فَقُلْتُ: لَا فَقَالَ: لَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتَ اٰمُرُ اَحَداً اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يُسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ۔

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/ ۲۹۱، باب فی حق المرأۃ علی المرأۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۴۰۔

ترجمہ: حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حیرہ آیا تو میں نے دیکھا کہ لوگوں کو کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے دل میں کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حقدار ہیں کہ ان کا سجدہ کیا جائے، چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حیرہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حقدار ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھلا بتاؤ، اگر تم میری قبر کے پاس سے گذرو گے تو اس کو سجدہ کرو گے، میں نے عرض کیا نہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ایسا نہ کرو، اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں، اس حق کی بنا پر جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر ان کا حق مقرر کیا ہے۔ (ابو داؤد) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے آگے جھکنا یعنی سجدہ کرنا جائز نہیں ہے خواہ کتنی ہی عظیم ذات کیوں نہ ہو، کیونکہ جب فخر انسانیت نے اپنے لئے سجدہ کرنے سے منع فرمادیا تو پھر کسی کے لئے سجدہ اللہ کے علاوہ جائز نہیں ہے۔ اس حدیث سے شوہروں کا مقام ومرتبہ بھی سمجھ میں آتا ہے لہٰذا عورتوں کو چاہئے کہ جائز حدود میں رہ کر اپنے شوہروں کی بھرپور تعظیم کریں اور ان کی نافرمانی سے بچیں۔

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مقام حیرہ میں گیا، حیرہ بکسر الحاء عراق کے ایک شہر کا نام ہے، تو وہاں کے بعض لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ رسول اللہ ﷺ اس مرزبان کے مقابلہ میں زیادہ مستحق ہیں، کہ ہم آپ کو سجدہ کریں، جب یہ سفر سے واپس ہوئے تو حضور اکرم ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا اور اپنے اس گمان کا بھی تذکرہ کیا کہ آپ زیادہ مستحق ہیں اس بات کے کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، آنحضرت ﷺ نے اس کا بڑا حکیمانہ جواب دیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ جب میں مرجاؤں گا اور اپنی قبر میں پہنچ جاؤں گا، تو کیا تم اس وقت بھی میری قبر کو سجدہ کروگے؟ میں نے صاف انکار کیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر ایسی بات کیوں کہتے ہو، پھر آگے جو حدیث میں ہے وہ ظاہر ہے جو ترجمۃ الباب سے متعلق ہے۔ (الدر المنضود: ۴/۶۴)

سوال: غیر اللہ کو سجدہ کرنا کیوں منع ہے؟

جواب: ایمان وکفر کے مابین حد فاصل کی حیثیت سے جو عبادت ہے وہ نماز ہے اس میں چار طرح کے افعال ہیں، (۱) قیام (۲) قعود (۳) رکوع (۴) سجدہ، ان میں سے دو عمل پہلے والے انسان عادتاً کرتا ہے، مگر رکوع وسجدہ انسان عادتاً نہیں کرتا ہے، یہ عبادت ہی کے ساتھ خاص ہیں، لہٰذا دونوں کو شریعت محمدیہ نے عبادت ہی کا حکم دے کر غیر اللہ کے لئے منع کیا۔ (معارف القرآن)

سوال: کیا شریعت محمدیہ میں سجدۂ تعظیمی جائز ہے؟

جواب: شریعت محمدیہ میں سجدۂ تعظیمی بھی حرام ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واسجدوا للہ الذی خلقھن" یعنی اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے، حدیث باب میں بھی سجدہ تعظیمی ہی کی ممانعت ہے، ان کے علاوہ احادیث متواترہ سے ہر طرح کے سجدہ کی حرمت ثابت ہے۔

سوال: کیا سجدہ تعظیمی اور سجدہ عبادت کے درمیان فرق ہے؟

جواب: سجدۂ عبادت کفر ہے جب کہ سجدہ تعظیمی قریب الکفر ہے اور حرام ہے، اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ سجدہ عبادت شرک اعتقادی عملید ونوں ہے، جب کہ سجدہ تعظیمی صرف شرک عملی ہے۔

اشکال: شوہر سے زیادہ قابل تعظیم والدین ہوتے ہیں، پھر کیوں نہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر سجدہ کسی کے لئے جائز ہوتا تو اولاد کو حکم ہوتا کہ وہ والدین کو سجدہ کریں۔

جواب: عموماً اولاد والدین کا احترام کرتی ہیں، جب کہ بیوی اپنے شوہر کے مساوی سمجھنے کی وجہ سے تعظیم سے غفلت کرتی ہیں، لہٰذا بیویوں کے اندر شوہر کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے یہ بات کہی گئی ہے۔ (۲) عورتیں والدین اور گھر والوں کی شہ پر شوہر کی نافرمانی کرتی ہیں، لہٰذا امت کو سمجھایا گیا ہے کہ شوہر کی اطاعت اور تعظیم لازم ہے کسی کے کہنے پر ان کی نافرمانی اور بے تعظیمی کی اجازت نہیں۔

سوال: کن حقوق کی بناء پر شوہر کو یہ فضیلت ملی کہ اس کی تعظیم اس قدر لازم ہوگی؟

جواب: حدیث باب میں جن حقوق کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت "اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوْا" مرد عورتوں کے نگراں ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں (سوۃ النساء) میں بیان ہوئے ہیں، (مرد حاکم ہیں عورتوں پر دو وجہ سے ایک تو اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو یعنی مردوں کو بعضوں پر یعنی عورتوں پر فضیلت دی ہے، یہ تو وہبی امر ہے اور دوسری اس سبب سے کہ مردوں نے عورتوں پر اپنے مال یعنی مہر میں اور نان ونفقہ میں خرچ کئے ہیں) (تفصیل کے لئے معارف القرآن جلد نمبر: ۲/ دیکھیں)

نافرمان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں

{۳۱۱۵} **وَعَنْ** عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُسْئَلُ الرَّجُلُ فِيْمَا ضَرَبَ امْرَأَتَهٗ عَلَيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲/ ۲۹۲، باب فی ضرب النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۴۷، ابن ماجہ شریف: ۱۴۲، باب ضرب النساء، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۹۸۶۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شوہر سے اپنی بیوی کو مارنے کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔

(ابوداؤد وابن ماجہ)

تشریح: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کوکسی وجہ سے مارا تو اس مارنے والے سے یعنی شوہر سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے اس کوکس وجہ سے مارا، یعنی کسی کے نجی اور خانگی مسائل میں دخل نہیں دینا چاہئے، خاص طور سے اس قسم کی ناگوار بات، لیکن یہ اسی صورت میں ہے جب شوہر حد سے تجاوز نہ کر رہا ہو، (کذا فی البذل) اور دوسرا مطلب اس حدیث کا یہ ہوسکتا ہے کہ آدمی سے بروز قیامت بیوی کو مارنے پر گرفت نہیں کی جائے گی، کیونکہ بوقت حاجت ضرب کی اجازت قرآن کریم سے ثابت ہے۔

(الدر المنضود:۶۶/۴)

بغیر شوہر کی اجازت کے بیوی نفل روزے نہ رکھے

{۳۱۱۶} **وَعَنْ** اَبِی سَعِیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ جَاءَ تْ اِمْرَأَۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَہٗ فَقَالَتْ زَوْجِیْ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ یَضْرِبُنِیْ اِذَا صَلَّیْتُ وَیُفَطِّرُنِیْ اِذَا صُمْتُ وَلَا یُصَلِّی الْفَجَرَ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَہٗ قَالَ فَسَأَلَہٗ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَمَّا قَوْلُھَا یَضْرِبُنِیْ اِذَا صَلَّیْتُ فَاِنَّھَا تَقْرَأُ بِسُوْرَتَیْنِ وَقَدْ نَھَیْتُھَا قَالَ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَتْ سُوْرَۃً وَّاحِدَۃً لَکَفَتِ النَّاسَ قَالَ وَاَمَّا قَوْلُھَا یُفَطِّرُنِیْ اِذَا صُمْتُ فَاِنَّھَا تَنْطَلِقُ تَصُوْمُ وَاَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا اَصْبِرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لاَ تَصُوْمُ اِمْرَأَۃٌ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِھَا وَاَمَّا قَوْلُھَا اِنِّیْ لاَ اُصَلِّیْ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِنَّا اَھْلُ بَیْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذٰلِکَ لاَ نَکَادُ نَسْتَیْقِظُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَاِذَا اسْتَیْقَظْتَ یَا صَفْوَانَ فَصَلِّ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱/۳۳۳، باب المرأۃ تصوم بغیر اذن زوجھا، کتاب الصوم، حدیث نمبر ۲۴۵۹، ابن ماجہ شریف: ۱۲۶، باب فی المرأۃ تصوم بغیر اذن زوجھا، کتاب الصیام، حدیث نمبر: ۱۷۶۲۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئی جب کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے اس عورت نے کہا کہ میرے شوہر صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھ کو مارتے ہیں اور جب میں روزہ رکھتی ہوں تو تڑوادیتے ہیں، اور فجر کی نماز اس وقت پڑھتے ہیں جب کی سورج طلوع ہوجاتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ حضرت صفوان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی شکایت کے متعلق ان سے دریافت کیا، تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک اس کی یہ بات کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک یہ دوسورتیں پڑھتی ہے، حالانکہ میں نے اس کو اس سے منع کیا ہے، راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر ایک سورت ہوتی تو بھی لوگوں کے لئے کافی ہوتی، اور اس کا یہ کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو روزے تڑواتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل روزے رکھے چلی جاتی ہے، اور میں جوان آدمی ہوں لہٰذا صبر نہیں کرسکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر روزے نہ رکھے، اور جہاں تک اس کا یہ کہنا کہ میں نماز سورج نکلنے تک پڑھتا ہوں، تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ ہم ایسے گھر والے ہیں جن کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے بیدار نہیں ہوپاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صفوان کہ جب تم بیدار ہو اس وقت نماز پڑھ لو۔(ابوداؤد)

تشریح: عورتوں کو اپنے شوہروں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہئے، ان کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شوہروں کے سکون وراحت کا ذریعہ بنایا ہے اگر یہ جوان شوہروں سے کنارہ کشی اختیار کریں گی اور ان کی جنسی خواہش پوری نہ کریں گی تو شوہر گناہ میں ملوث ہوسکتے ہیں، لہٰذا جس وقت شوہر کو ان کی ضرورت ہو اس وقت بہت لمبی نمازیں پڑھنے کا اہتمام نہ کریں، اسی طرح نفلی روزے رکھنا ہو تو وہ شوہر سے اجازت لے لیں، کیونکہ ممکن ہے رات میں شوہر کسی وجہ سے صحبت نہ کرسکنے کی بنا پر دن میں خواہشمند ہو، اور بیوی کے روزہ کی وجہ سے اس کو کوفت ہو، اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو جیسے ہی وقت ملے نماز پڑھ لے۔

جاء ت امراۃ: حضرت صفوان کی بیوی نے حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر تین شکایتیں کیں، حضرت صفوان نے تینوں شکایتوں کا ترتیب وار جواب دیا، پہلی شکایت کا حضرت صفوان نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کا عذر قبول کیا، اور آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ ساری دنیا کیلئے ایک رکعت میں ایک سورت کی قراءت کافی ہے پھر تم دوسورت کیوں پڑھتی ہو، آنحضرت ﷺ نے شوہر کی موجودگی میں شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزے رکھنے سے منع کیا ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے "لاتصوم امراۃ وبعلھا شاھد الا باذنہ" کوئی عورت نفلی روزہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نہ رکھے جبکہ اسکا شوہر موجود ہو۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس حدیث پر اتفاق ہے، تیسری شکایت کا حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ ہم سورج نکلنے سے پہلے بیدار ہی نہیں ہو پاتے تو نماز کس طرح پڑھیں، آنحضرت ﷺ نے حضرت صفوان کو معذور قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ جب آنکھ کھلے تو اس وقت نماز پڑھ لیا کرو، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ یہاں غایت اسفار مراد ہے۔

اس حدیث سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت صفوان کی اہلیہ ایک رکعت کے اندر دوسورتیں پڑھتی تھیں آپ نے منع کیا تو گویا آپ ﷺ مناع للخیر ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں ایسے ہی زوج کے بھی حقوق ہیں لہٰذا زوج کے حقوق کی رعایت بھی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی ایک سورۃ کے پڑھنے میں بھی ہو سکتی ہے۔ اس حدیث کے اندر ایک جملہ وارد ہوا ہے "وانا رجل شاب فلا اصبر" اور میں جوان آدمی ہوں صبر نہیں کرسکتا ہوں، اس پر ایک بڑا زور دار اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ جب قصہ افک پیش آیا اور حضرت صفوان پر اور حضرت ام المؤمنین حبیبۃ الرسول پر تہمت کا الزام لگا۔ تو انہوں نے اس وقت یہ فرمایا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کبھی بھی کسی عورت کا پاجامہ نہیں کھولا، تو اس جملہ سے نہایت ضبط وتحمل معلوم ہوتا ہے، اور اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت زور دار ہیں، اور خود صراحۃً صابر نہ ہونے کو بیان فرمادیا، اب دونوں کے اندر تعارض کو دفع کرنے کیلئے حافظ بزرگوار نے فرمایا کہ وہ حدیث صحیح ہے جس کے اندر ہے کہ میں نے کبھی پاجامہ نہیں کھولا اور یہ حدیث جو حضرت ابوسعید سے مروی ہے صحیح نہیں ہے، بلکہ ضعیف ہے، لیکن دوسرے علماء نے اس حدیث کی سندکو

حسن قرار دیا ہے، اور تعارض کا جواب بعض نے یہ دیا ہے کہ "ما کشفت کنف انثی" کا مطلب یہ ہے کہ ای فی الحرام، یعنی حرام کام کے لئے کبھی میں نے اجنبیہ کا پاجامہ نہیں کھولا اور یہاں اس حدیث کے اندر حلال کی بحث ہے اس جواب کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے پہلے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا لیکن اس جواب پر حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا کہ ایک روایت کے اندر ہے "لا فی الحلال ولا فی الحرام" لہٰذا آپ کا جواب ختم ہوگیا، لہٰذا اب حافظ نے اپنا جواب دیا کہ "لا اصبر" کا مطلب یہ ہے کہ "الآن" یعنی اب مجھ سے صبر نہ ہوگا، یہی جواب علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے۔
(تقریر شیخ حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ)

شوہر کا حکم ٹالنے کی ممانعت

{۳۱۱۷} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَ لَهٗ فَقَالَ اَصْحَابُهٗ يَا رَسُوْلَ اللهِ تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْأَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَلَوْ اَمَرَهَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تَفْعَلَهٗ۔ (رواه احمد)

حواله: احمد: ۶/۷۶۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے، کہ ایک اونٹ حاضر خدمت ہوا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چوپائے اور درخت سجدہ کرتے ہیں تو ہم زیادہ مستحق ہیں، اس بات کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو، جو تمہارا رب ہے اور اپنے بھائی کی عزت کرو، اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہر کو

سجدہ کرے، اور اگر شوہر بیوی کو حکم دے کہ زرد پہاڑ سے پتھر اٹھا کر کالے پہاڑ پر لے جائے اور کالے پہاڑ سے سفید پہاڑ پر لے جائے تو عورت کیلئے یہی مناسب ہے کہ شوہر کے حکم کے مطابق عمل کرے۔ (احمد)

تشریح: کسی بھی انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ سجدہ کرنا جائز نہیں ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، سید البشر اور وجہ تخلیق کائنات ہیں، تمام کمالات کے مجموعہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کرنا فرض ہے، لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سجدہ کرنا جائز نہیں ہے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کیلئے ہر حال میں شوہر کی اطاعت لازم ہے، شوہر اگر کوئی ایسا حکم کرے جس میں سخت مشقت ہو تو بھی بیوی کے لئے اس حکم پر عمل کرنا ہی بہتر ہے۔

جاء بعیر فسجد له: اونٹ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا، اونٹ کا سجدہ کرنا خرق عادت کے طور پر تھا اور وہ مجبور محض تھا، لہٰذا اس جزء سے استدلال کر کے انسانوں کے لئے سجدہ کا جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ سجدہ کرنے کی ممانعت ہے، "اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم" عبادت اللہ کی کرو، اور تعظیم واطاعت نبی کی بھی لازم سمجھو، عبادت واطاعت میں بڑا فرق ہے۔ "ان یسجد لزوجھا" اس میں اس بات کی تاکید ہے کہ شوہر کی حدود شریعہ کے اندر رہ کر اطاعت فرض ہے۔

ولو امرہا ان تنقل: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں کنایہ ہے کہ اگر شوہر بیوی کو کسی دشوار کام کا حکم کرے اور وہ کام بے فائدہ ہو تو بھی بیوی شوہر کی اطاعت کرے، "من جبل اصفر الی جبل اسود" دو رنگوں کی تخصیص مبالغہ کے لئے ہے، اس وجہ سے کہ دو رنگوں کے پہاڑ عموماً قریب قریب نہیں ہوتے ہیں۔ (طیبی: ۶/۳۵۷)

نافرمان بیوی کی نماز مقبول نہیں

{۳۱۱۸} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃٌ لَا تُقْبَلُ لَھُمْ صَلَاۃٌ وَلَا تَصْعَدُ لَھُمْ حَسَنَۃٌ: اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلٰی مَوَالِیْہِ فَیَضَعُ یَدَہٗ فِیْ اَیْدِیْھِمْ وَالْمَرْأَۃُ السَّاخِطُ عَلَیْھَا زَوْجُھَا وَالسَّکْرَانُ حَتّٰی یَصْحُوَ۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حوالہ: بیھقی فی شعب الایمان: ۶/۴۱۷، باب فی حقوق الاولاد لخ، حدیث نمبر: ۸۷۲۷۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تین طرح کے لوگوں کی نماز مقبول نہیں ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی نیکی اوپر چڑھتی ہے، (۱) بھاگا ہوا غلام جب تک وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آکر ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ رکھ دے، (۲) وہ عورت جس کا شوہر اس سے ناراض ہو، (۳) نشہ باز جب تک کہ ہوش میں نہ آئے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: غلام کا آقا کے پاس سے فرار ہونا بہت بڑا جرم ہے، جب تک وہ واپس آکر مالکوں کا مطیع وفرمانبردار نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض رہتے ہیں، اسی طرح شوہر کو ناراض کرنے والی عورت بھی اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ عورت ہے، اس کی نیکی وتقویٰ حقیقی معنوں میں اس وقت اس کے حق میں مفید نہیں جب تک کہ اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے، اس کے علاوہ نشہ کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ گار ہوتا ہے، جب تک کہ وہ نشہ سے باز نہیں آتا، اور توبہ واستغفار نہیں کرتا، اللہ کے غضب میں مبتلا رہتا ہے۔

لاتقبل: یعنی نماز کا ثواب نہیں ملتا ہے، "الی مولیہ" اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ غلام کو نہ صرف اپنے آقا کا وفادار رہنا چاہئے بلکہ اس کی اولاد کی خدمت اور اس کی وفاداری سے بھی اجتناب نہ کرنا چاہئے "فیضع یدہ" مراد اطاعت وفرماں برداری کرنا ہے، "المراۃ الساخط" اگر شوہر غصہ میں یا ناراضگی کی بنا پر طلاق دیدے، تو اب چوں کہ وہ شوہر نہیں رہا، لہٰذا اسکی ناراضگی کا عورت پر اثر نہ ہوگا۔ (مرقاۃ: ۶/۳۷۸)

نیک بیوی کی شناخت

{۳۱۱۹} وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النِّسَاءِ خَیْرٌ قَالَ الَّتِیْ تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ وَتُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهٗ فِیْ نَفْسِهَا وَلَا فِیْ مَالِهَا بِمَا یَکْرَهُ۔ (رواه النسائی والبیهقی فی شعب الایمان)

حوالہ: نسائی شریف: ۲/ ۶۰، باب ای النساء خیر، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۲۳۱، بیهقی فی شعب الایمان: ۶/ ۴۱۹، باب فی حقوق الاولاد الخ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی عورت سب سے اچھی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت جب اس کا خاوند اس کو دیکھے تو وہ خوش کر دے، جب کوئی حکم کرے تو اس کو بجالائے اور اپنی جان و مال میں اس کے خلاف کوئی ایسا عمل نہ کرے جو شوہر کو ناپسند۔ (نسائی، بیہقی)

تشریح: جس عورت کے اندر تین خوبیاں ہوں وہ عورت سب سے بہتر ہے اور سب سے اچھی ہے، (۱) خوبصورت ہو (۲) اطاعت شعار ہو (۳) امانت دار ہو۔

تسرہ اذا نظر: یعنی بیوی حسین ہو اور خوش اخلاق ہو، ہمہ وقت ہشاش بشاش رہتی ہو، شوہر اس کو دیکھے تو مسرور ہو جائے، "وتطیعہ اذا امر" اس میں حسن سیرت کا ذکر ہے کہ بیوی ہمہ وقت شوہر کی اطاعت اور فرماں برداری پر کمر بستہ رہتی ہو، حکم ملتے ہی خوش ہو کر بجالاتی ہو۔ "فی نفسها ولا مالها" اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہو، شوہر کے مال کو اور خود اپنے مال کو بھی شوہر کی مرضی و اجازت کے بغیر خرچ نہ کرتی ہو۔ جس شخص کو ان اوصاف کی حامل بیوی مل گئی تو وہ انتہائی خوش نصیب ہے، اس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کی سب سے عظیم نعمت عطا فرما دی ہے۔

013

خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو نیک بیوی ملی

{۳۱۲۰} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ اُعْطِيَهُنَّ فَقَدْ اُعْطِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ قَلْبٌ شَاكِرٌ وَلِسَانٌ ذَاكِرٌ وَبَدَنٌ عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَةٌ لَا تَبْغِيْهِ خَوْناً فِيْ نَفْسِهَا وَلَا مَالِهٖ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حواله: بیهقی فی شعب الایمان: ۴/۱۰۴، باب فی تعدید نعم الله عز و جل، حدیث نمبر: ۴۴۲۹۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس کو دی گئیں تو اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کی گئی۔(۱) شکر گذار دل، (۲) ذکر کرنے والی زبان، (۳) مصیبتوں پر صبر کرنے والا بدن، (۴) وہ عورت جو کہ اپنی ذات اور اپنے شوہر کے مال میں خیانت کو پسند نہیں کرتی ہے۔(بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا چاہئے، جہاں تک ممکن ہو زبان کو ذکرواذکار سے تر رکھنا چاہئے، اور کسی قسم کی بیماری یا مشقت میں مبتلا ہونا پڑے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبر کرنا چاہئے، نیک وصالح عورت سے شادی کرنا چاہئے، اور جس شخص میں مذکورہ اوصاف ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کا باتوفیق بندہ ہوگا۔

وزوجة: وہ عورت جو اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرنے والی ہو، اور شوہر کے مال میں کسی قسم کی خیانت کو پسند نہ کرتی ہو اپنے نفس کی غیر شوہر سے پوری حفاظت کرتی ہو اس طرح کہ غیر مرد کی اس پر نظر تک نہ پڑے اور، شوہر کے مال کو اس کی مرضی کے مطابق ہی خرچ کرتی ہو، ایسی عورت جس خوش نصیب شخص کو ملتی ہے تو اس کو عظیم نعمت مل گئی جس کی وجہ سے اس کو ہر وقت راحت ہی راحت ہے۔ لہٰذا جس شخص کو ایسی بیوی ملے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی انتہائی قدر کرنا چاہئے۔

{باب الولی فی النکاح واستئذان المرأة}

نکاح میں ولی اور عورت سے نکاح کی اجازت لینے کا بیان

اس باب کے تحت کل تیرہ روایتیں درج کی گئی ہیں جو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کا بطلان، نکاح کے لئے عورت سے اجازت، بالغہ کی عبارت سے نکاح کا جواز، بغیر بینہ نکاح کا عدم جواز اور بغیر اجازت بالغہ، نکاح کے رد وغیرہ جیسے احکام پر مشتمل ہیں۔

"ولی" کے معنی مددگار، محافظ اور سرپرست کے ہیں یہاں مراد نکاح کا ذمہ دار اور متولی ہے، "ولایة" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "تنفیذ الامر علی الغیر" یعنی اپنا قول کسی پر شرعاً نافذ کر دینا۔ اور "ولی" کی تعریف فقہاء نے لکھی ہے کہ "ہو العاقل البالغ الوارث" نیز اسباب ولایت چار ہیں "قرابت، ملک، ولاء، امامت، پھر جاننا چاہئے کہ ولایت فی النکاح کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)......ولایت ندب واستحباب، اس کا تحقق عاقلہ بالغہ میں ہوتا ہے، یعنی گو وہ اپنا نکاح ہمارے نزدیک خود بھی کر سکتی ہے، لیکن ولی کے ذریعہ سے ہو تو بہتر ہے۔

(۲)......ولایت اجبار، اس کا تحقق صغیرہ میں ہوتا ہے اور ایسے ہی کبیرہ معتوہہ میں اس لئے کہ نابالغہ اور معتوہہ کی ولایت تو غیر معتبر ہے، اب جب ولی اس کا نکاح کرے گا، تو بغیر اجازت ہی کرے گا، یہی معنی ہیں، ولایت اجبار کے۔ (مرقاة: ۶/۲۶۵)

عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت چار وجوہ سے ضروری ہے

پہلی وجہ: یہ بات جائز نہیں کہ نکاح کا پورا اختیار عورتوں کو دیدیا جائے، ایک تو اس وجہ سے کہ عورتوں کی عقل ناقص ہوتی ہے اور ان کی سوچ نکمی ہوتی ہے، اس لئے وہ بسا اوقات نہیں سمجھ پاتی کہ ان کے لئے کیا مفید ہے، اور دوم اس وجہ سے کہ عورتیں عام طور پر خاندانی خصوصیات کا لحاظ نہیں کرتیں، کبھی وہ غیر کفو کی طرف مائل ہو جاتی ہیں، جو ان کے خاندان کے لئے ننگ و عار کی بات ہوتی ہے، پس ضروری ہے کہ ان کے نکاح کے معاملہ میں اولیاء کا کچھ دخل ہو تا کہ یہ خرابیاں لازم نہ آئیں۔

دوسری وجہ: فطری اور بدیہی طریقہ جو لوگوں میں رائج ہے وہ یہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہوں اس لئے ضروری ہے کہ، بست و کشاد ان کے ہاتھ میں ہو وہی عورتوں کے مصارف کے ذمہ دار ہوں، اور عورتیں ان کی پابند ہوں، قرآن کریم میں ہے "الرجال قوامون علی النساء" (سورہ النساء) مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں پس ان کے نکاح کا اختیار بھی مردوں کو ہوگا۔

تیسری وجہ: عورتوں کے نکاح میں اولیاء کی اجازت کی شرط لگانے سے ان کی شان دوبالا ہوتی ہے، اور عورتوں کا خود نکاح کرنا بے شرمی کی بات ہے، جس کا سبب قلت حیا ہے اور اس میں اولیا کی حق تلفی اور ان کی بے قدری ہے۔

چوتھی وجہ: نکاح کی تشہیر ضروری ہے تا کہ بدکاری سے وہ ممتاز ہو جائے اور شہرت دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اولیاء نکاح میں موجود ہوں۔

البتہ یہ جائز نہیں کہ عورتوں کے نکاح کا پورا اختیار مردوں کو دیدیا جائے کیونکہ اولیاء وہ بات نہیں جانتے جو عورت اپنی ذات کے بارے میں جانتی ہے، اور نکاح کا گرم سرد بھی اسی کو چکھنا پڑے گا اس لئے اس کی مرضی معلوم کرنا ضروری ہے شوہر دیدہ سے زبانی اجازت ضروری ہے اور باکرہ کا سکوت بھی اجازت ہے۔ (مستفاد از رحمۃ اللہ الواسعہ: ۵/۷۵)

اس کی مزید وضاحت کے لئے چند فقہی مسائل کا سمجھ لینا مناسب ہے۔

المسئلہ الاولیٰ: عبارات النساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ یعنی عورت اپنے یا کسی کے نکاح کا ایجاب یا قبول کرے تو وہ نکاح معتبر ہے یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عبارات النساء سے نکاح منعقد نہیں ہوتا امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

دلائل احناف

(۱)......قرآن پاک کی بہت سی آیات میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے مثلاً "حتی تنکح زوجا غیرہ، لا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن، فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف" یہاں "فعلن" میں فعل سے مراد نکاح ہے اگر نکاح میں ان کی عبارت کا ہی اعتبار نہ ہوتا تو وہ عقد بھی نہ کرسکتیں تو ان کی طرف نکاح کی نسبت نہ کی جاتی۔

(۲)......فصل اول کی دوسری حدیث بحوالہ مسلم "الایم احق بنفسھا من ولیھا" عورت اپنے نفس کی اپنے ولی کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہے۔ أیم اس عورت کو کہتے ہیں جو کسی کے نکاح میں نہ ہو خواہ کنواری ہو یا بیوہ، اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے نکاح کی زیادہ حق دار ہے اس کے احق بالنکاح ہونے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کی عبارت سے نکاح درست ہو جانا چاہئے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

(۱)......ائمہ ثلاثہ عموماً ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا کہ عورت ولی کے اذن کی بغیر اپنا نکاح نہیں کرسکتی ہے لیکن یہ احادیث ان کی دلیل نہیں بنتی بلکہ یہ انکے خلاف ہیں کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنا نکاح خود کریں لیکن اذن ولی کے ساتھ تو نکاح ہو جاتا ہے۔

(۲)......فصل ثالث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بحوالہ ابن ماجہ "لا تزوج المرأۃ المرأۃ" عورت عورت کا نکاح نہ کرے۔ وان لا تزوج المرأۃ نفسھا" عورت خود اپنا نکاح نہ

کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا ایجاب یا قبول کرنا منہی عنہ ہے، اس کے ہم بھی قائل ہیں لیکن منہی عنہ ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ یہ نکاح منعقد ہی نہ ہو، "لان النهی عن الافعال الشرعية لا يقتضی بطلانها" اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو خود ایسا قدم اٹھانا نازیبا ہے۔

المسئلة الثانية

تمہید: نکاح کے بارے میں شریعت کا مزاج یہ ہے کہ یہ زندگی کا انتہائی نازک معاملہ ہے اس میں قدم بہت سوچ سمجھ کر رکھنا چاہیئے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس میں تمام متعلقہ فریقوں کی رضامندی شامل ہو تا کہ بعد میں کوئی پیچیدگی پیدا نہ ہو، اس لئے احادیث میں ایک طرف تو ولی کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنی بیٹی یا زیر کفالت لڑکی کا نکاح کرتے وقت اس لڑکی کی مرضی پیش نظر رکھے اس کی مرضی ومنشاء کے بغیر نکاح نہ کرے، دوسری طرف لڑکی کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اس معاملہ میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس کو ولی نامناسب سمجھتا ہو، ولی کی رائے کا لحاظ رکھنا چاہیئے کیونکہ اس کی رائے تمہاری رائے سے زیادہ وزنی ہوگی، دونوں کی رضا جمع ہو جانے سے بہت سے فتنوں کا سد باب ہو جائے گا۔

اس بنا پر شرعاً، عرفاً، اخلاقاً، لڑکی کو ولی کی رضا کے بغیر نکاح نہیں کرنا چاہیئے لیکن اگر کوئی عاقلہ بالغہ لڑکی اپنا نکاح بغیر اذن ولی کے کرلے تو نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہوا ہے، ائمہ ثلثہ اور صاحبین کے نزدیک ایسا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، امام صاحب کے نزدیک اگر نکاح اپنے کفو میں کیا ہے اور مہر مثل یا اس سے زیادہ کے ساتھ کیا ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، اور ولی فسخ بھی نہیں کرا سکتا اگر غیر کفو میں کیا یا مہر مثل سے کم میں کیا تو امام صاحب کی دو روایتیں ہیں ایک ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ نکاح تو منعقد ہو جائے گا لیکن ولی قاضی کے پاس جا کر فسخ کرا سکتا ہے، نادر الروایۃ، یہ ہے کہ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا بہت سے حضرات نے زمانہ کے حالات اور نزاکت کی وجہ سے امام صاحب کی نادر الروایۃ پر فتویٰ دیا ہے کہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، کیونکہ اس دور میں عدالت سے نکاح فسخ کرانا بہت مشکل ہے۔ "فکم من واقع لا یرفع"۔

دلیل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث بحوالہ مسلم "الأیم احق بنفسها من ولیها" عورت اپنے نفس کی اپنے ولی کے مقابلہ میں زیادہ حق دار ہے۔ احق اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالغہ عورت کے نکاح میں دو حق ہیں ایک اس کا اپنا حق اور دوسرا ولی کا، بہتر تو یہی ہے کہ ان دونوں حقوق میں تعارض نہ ہو، لیکن تعارض ہو جائے تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے حق کو ترجیح ہوگی، یعنی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

دلیل ائمہ ثلاثہ

(١)......فصل ثانی کی پہلی حدیث ابوموسیٰ اشعری: "لا نکاح الا بولی"۔ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

(٢)......فصل ثانی کی دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: "ایما امرأة نکحت نفسها بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل الخ"۔ جو عورت اپنا نکاح اپنے ولی کے بغیر کرے پس اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے اسکا نکاح باطل ہے۔

جوابات

(١)......دونوں حدیثیں سنداً اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے استدلال کیا جائے خصوصاً صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں، حدیث ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں اضطراب کی امام ترمذی نے تفصیل بیان کی ہے۔(ترمذی: ١/٢٠٩)

ایسے ہی دوسری حدیث میں بھی محدثین نے کلام کیا ہے۔(بذل المجهود: ٣/٢١)

(٢)......اگر ان حدیثوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو جواب یہ ہے کہ دونوں حدیثیں صغیرہ یا مجنونہ یا مملوکہ پر محمول ہیں اگر صغیرہ یا مجنونہ یا باندی اپنا نکاح خود کر لے تو ہمارے نزدیک بھی منعقد نہیں ہوگا۔

(٣)......حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغیر اذن ولی کے کسی کا نکاح کرنا ثابت ہے، ان کے بھائی عبدالرحمن سفر پر تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بیٹی حفصہ کا منذر بن زبیر سے نکاح کر دیا تھا۔(عمدۃ القاری: ٢٠/١٢٨)

حالانکہ اس کے ولی عبد الرحمن تھے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہوتی اور ان کا یہ نظریہ ہوتا کہ بغیر اذن ولی کے نکاح منعقد نہیں ہوتا تو آپ یہ نکاح نہ کراتیں۔

(۴)......"لا نکاح الا بولی" میں لا نفی جنس نفی کمال کے لئے ہے یعنی نکاح کامل نہیں کیونکہ قاضی اسے فسخ کرسکتا ہے ایسے ہی باطل کا مطلب یہ ہے کہ یہ نکاح علی شرف الزوال ہے، یعنی عنقریب قاضی کی عدالت میں فسخ ہوجائے گا۔

(۵)......ان حدیثوں میں یہ بتانا مقصود نہیں ہے کہ یہ نکاح ہوا یا نہیں، اس کا فیصلہ تو "الأیم احق بنفسھا" میں کردیا گیا ہے، یہاں لڑکی کے اس اقدام کی مذمت اور حوصلہ شکنی کرنی مقصود ہے کہ اسے خود یہ اقدام کرنا خلاف حیاء حرکت ہے ایسا نہ کرنا چاہئے، یہ بتانا مقصود نہیں کہ اگر کیا تو ہوگا یا نہیں۔

المسئلۃ الثالثۃ

ولایت اجبار کا مدار: کسی کے نکاح کا اختیار ہونا ولایت کہلاتا ہے، ولایت کی دو قسمیں ہیں ولایت اجبار، ولایت استحباب، ولایت اجبار وہ ولایت ہے جس میں جس کا نکاح کرایا گیا ہے اس کے اذن کی ضرورت نہ ہو ولایت استحباب وہ ولایت ہے جس میں جس کا نکاح کرایا گیا ہو اس کے اذن کے بغیر نکاح صحیح نہ ہو۔

عورت پر ولایت اجبار کا مدار کیا ہے، اس میں اختلاف ہوا ہے، حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار کا مدار صغر ہے صغر پر ولایت اجبار ہوگا کبیرہ پر نہیں ہوگا، ائمہ ثلثہ کے نزدیک ولایت اجبار کا مدار بکارت ہے، اس طرح عورتوں کی کل چار قسمیں ہوئیں۔

(۱) صغیرہ باکرہ، (۲) کبیرہ ثیبہ، (۳) صغیرہ ثیبہ، (۴) کبیرہ باکرہ۔

پہلی دو صورتیں ائمہ اربعہ میں اتفاقی ہیں پہلی میں بالاتفاق ولایت مجبرہ ہوگی اور دوسری میں بالاتفاق نہیں ہوگی آخری دو صورتیں اختلافی ہیں تیسری صورت میں ہمارے نزدیک ولایت اجبار ہوگی ائمہ ثلثہ کے نزدیک نہیں ہوگی، اور چوتھی صورت میں ائمہ ثلثہ کے نزدیک ہوگی ہمارے نزدیک نہیں۔

دلیل ائمہ ثلاثہ

ائمہ ثلاثہ بعض احادیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے "لا تنکح الثیب حتی تستأمر" معلوم ہوا کہ غیر ثیبہ کا نکاح بغیر استیمار واستیذ ان کے جائز نہیں ہوگا، "الایم احق نفسها" والی حدیث کی بعض روایات میں "الثیب" کا لفظ ہے اس کے مفہوم مخالف سے بھی استدلال کرتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف ہمارے نزدیک ویسے ہی معتبر نہیں پھر اگر مفہوم منطوق کے معارض ہو تو بالاتفاق منطوق کو ترجیح ہوتی ہے، ہمارا استدلال منطوق سے ہے، کما سیأتی۔

اس باب کی فصل اول میں حضرت خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہا کا واقعہ آرہا ہے جس میں یہ ہے کہ وہ ثیبہ تھیں ان کے والد نے ان کا نکاح ان کی رضا کے بغیر کردیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح ختم فرمادیا تھا، اس واقعہ سے بھی شافعیہ نے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس ردنکاح کی وجہ ثیوبت نہیں تھی، بلکہ خنساء بالغہ تھیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو غیر صحیح قرار دیا تھا چنانچہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی پہلے خاوند سے اولاد بھی تھی۔ (عمدۃ القاری: ۲۰/۱۲۹)

دلیل احناف

(۱)...... اس باب کی پہلی متفق علیہ حدیث جس میں یہ لفظ بھی ہیں "لا تنکح البکر حتی تستأذن" یہاں باکرہ سے مراد بالغہ ہے کیونکہ یہاں کہا گیا ہے کہ اس سے اذن لیا جائے اور اذن نابالغہ معتبر نہیں ہے، اس حدیث کے منطوق سے معلوم ہوا کہ بالغہ باکرہ پر ولی کی ولایت اجبار حاصل نہیں لہٰذا بکارت مدار ولایت مجبرہ نہ ہوئی۔

فصل ثالث کی پہلی حدیث بحوالہ ابوداؤد "عن ابن عباس ان جاریة بکرا أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت ان اباه زوجها وهي كارهة فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم" حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے ذکر کیا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کردیا اور وہ نکاح اس کو ناپسند

ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے اس کو اختیار مرحمت فرمایا۔ اس قسم کے اور بھی واقعات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باکرہ بالغہ کا نکاح جو اس کے ولی نے اس کی اذن کے بغیر کیا تھا باطل قرار دیا۔ (اعلاء السنن: ۶۶/۱۱، اشرف التوضیح ۴۳۲/۲)

ولایت اجبار کس کو حاصل ہے

ایک چوتھا مسئلہ یہاں یہ ہے کہ ولایت اجبار امام مالک واحمد کے نزدیک صرف اب اور وصی کے لئے ہے امام شافعی کے نزدیک جد فی حکم الاب ہے دوسرے اولیاء کے لئے حق اجبار نہیں ہے، اسی لئے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تزویج الیتیمہ یعنی وہ صغیرہ جس کے باپ نہ ہو درست نہیں، تاوقتیکہ وہ بالغ نہ ہو جائے، اور حنفیہ کے نزدیک حق اجبار جملہ اولیاء کیلئے ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اب اور جد کی صورت میں بعد البلوغ لڑکی کو خیار حاصل نہیں ہوتا اور دیگر اولیاء کی صورت میں خیار حاصل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

{الفصل الاول}

نکاح سے قبل لڑکی سے اجازت لینا

{۳۱۲۱} **عَنْ** اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لاَ تُنْكَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَامَرَ وَلَاتُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰی تُسْتَاذَنَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كَیْفَ اِذْنُهَا قَالَ اَنْ تَسْكُتَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۳۰/۲، باب استئذان الثیب فی النکاح، کتاب الحیل، حدیث نمبر: ۶۹۶۸، مسلم شریف: ۴۵۵/۱، باب استئذان الثیب فی النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۱۹۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ بیوہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے، اور کنواری لڑکی کا بھی نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے اجازت حاصل نہ ہو جائے، صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کنواری کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ وہ خاموش رہے۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: لاتنکح الأیم حتی تستأمر: یہاں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں اَیم کے لئے استیمار کا اور بکر کے لئے استیذان، مقصود ایک ہے کہ جب تک ان سے اذن حاصل نہ ہو ان کا نکاح نہیں ہوتا، الفاظ میں فرق کر کے یہ بتانا ہے کہ ثیبہ کے نکاح کیلئے صراحۃ اذن ضروری ہے کیونکہ استیمار کا معنی ہے طلب امر کرنا یعنی زبان سے کہے تب نکاح کرو، باکرہ کے نکاح کیلئے استیذان کافی ہے، یعنی ایسی علامت ہی کافی ہے جس سے پتہ چل جائے کہ وہ راضی ہے، لہٰذا اس کا سکوت بھی اذن ہی سمجھا جائے گا۔

اَیم کا اطلاق ہر اس عورت پر ہوتا ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ اس کا نکاح ہی نہ ہوا ہو، یا بیوہ ہو یا مطلقہ ہو، اب یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اَیم میں جب باکرہ بھی داخل ہے تو پھر اس کے لئے الگ سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، "لاتنکح البکر حتی تستأذن" اس کا ایک جواب تو یہی ہے کہ الگ الگ جملوں میں ذکر کر کے اور بکر کی تخصیص بعد التعمیم کر کے دونوں کے اذن کی نوعیت میں فرق کی طرف اشارہ کرنا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب اتنا فرمایا: "لاتنکح الأیم حتی تستأمر" تو کسی کو شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید باکرہ اس حکم میں داخل نہ ہو اس میں حیاء کا غلبہ ہوتا ہے اس سے کیسے اذن لیا جاسکتا ہے، اس لئے مستقل جملہ لاکر اس شبہ کا ازالہ کر دیا ہے، اس بات کا قرینہ یہ ہے کہ خود اس حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے باکرہ سے طلب اذن کا ذکر فرمایا تو صحابہ کرام نے عرض کیا "و کیف اذنہا" اس سے اجازت کیسے لی جاسکتی ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ "ان تسکت" یعنی اس کا خاموش رہنا ہی اذن ہے۔ (اشرف التوضیح: ۴۳۶/۲، التعلیق: ۴/۱۵)

ولایت اجبار کا مسئلہ

یہاں ولایت اجبار کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ولی بغیر اذن مولیہ نکاح دینے سے درست ہوجاتا ہے اور ولایت اجبار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کو مار پیٹ کرز بردستی سے نکاح میں دیدیا جائے جیسا کہ ظاہری لفظ سے معلوم ہورہا ہے اب اس میں اختلاف ہوا کہ ولایت اجبار کا مدار کس پر ہے تو شوافع کے نزدیک بکارت پر ہے اگر عورت باکرہ ہے خواہ بالغہ ہو نابالغہ ہو، ولی بغیر اس کی اجازت کے شادی کرسکتا ہے، اور اگر ثیبہ ہے تو شادی نہیں کرسکتا، "الا باذنہا" اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولایت اجبار کا مدار صغر پر ہے خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ تو چار صورتیں نکلیں گیں۔

(۱)......ثیبہ بالغہ، بالاتفاق ولایت نہیں ہوگی۔

(۲)...... باکرہ صغیرہ بالاتفاق ولایت اجبار ہوگی۔

(۳)......ثیبہ صغیرہ، امام اعظم کے نزدیک ولایت ہوگی اور شوافع کے نزدیک ولایت نہیں ہوگی۔

(۴)...... باکرہ بالغہ،شوافع کے نزدیک ولایت ہوگی، احناف کے نزدیک نہیں ہوگی۔

شوافع اپنے مدعی پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الثیب احق بنفسھا من ولیھا" شادی شدہ عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے۔ بیوہ اپنے نفس کی اپنے والی کے مقابلہ میں زیادہ حقدار ہے۔تو یہاں ثیبہ کو اپنے نفس کا زیادہ حقدار قرار دیا گیا ہے،تو مفہوم مخالف سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ باکرہ سے اس کا ولی زیادہ حقدار ہے۔لہٰذا ولایت اجبار کا مدار بکارت پر ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے کہ باکرہ سے بھی اجازت طلب کرنے کا حکم ہے، دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے " الأیم احق بنفسھا من ولیھا" اور لغت میں ایم کہا جاتا ہے اس عورت کو جس کا زوج نہ ہو خواہ وہ مطلقہ ہو یا متوفی عنہا زوجہا ہو یا بالکل شادی نہ ہوئی ہو، اور اس کے مؤید اکثر اہل علم کی رائے ہے کما قال الترمذی: نیز شیخ تقی الدین سبکی جو شافعی المذہب ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ظاہر قرآن وحدیث احناف کے موافق ہے اور خود سبکی

نے مسلک احناف کو اختیار کیا، شوافع کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف ہمارے نزدیک قابل حجت نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کی دلیل مفہوم مخالف سے ہے اور ہماری دلیل منطوق سے ہے لہٰذا اس کو ترجیح ہوگی، یا اس سے باکرہ صغیرہ مراد ہے، باقی احناف کے نزدیک ولایت اجبار کا مدار جو صغر پر ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی چھ سالہ لڑکی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا، تو معلوم ہوا کہ صغیرہ کا ولی بغیر اس کی اجازت نکاح کرسکتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ بغیر شہوت نکاح کے مصالح کے بارے میں رائے پیدا نہیں ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس سے رائے لینے میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ (درس مشکوۃ: ۱۲/ ۳)

سوال: جس لڑکی کی بکارت زنا کے سبب زائل ہوگئی ہو، اس سے صراحتاً اجازت لی جائے گی یا نہیں؟ مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکی باکرہ کے حکم میں ہے یا ثیبہ کے؟

جواب: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ لڑکی باکرہ کے حکم میں ہے، لہٰذا اس سے صراحتاً اجازت لینا ضروری نہیں ہے، بعض لوگ اسکو ثیبہ کے حکم میں شمار کرتے ہیں۔ (مرقاۃ: ۶/۲۶۵)

بیوہ بالغہ کا خود نکاح کرنا

{۳۱۲۲} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِہَا مِنْ وَلِیِّہَا وَالْبِکْرُ تُسْتَاْذَنُ فِیْ نَفْسِہَا وَاِذْنُہَا صُمَاتُہَا، وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ الثَّیِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِہَا مِنْ وَلِیِّہَا وَالْبِکْرُ تُسْتَاْمَرُ وَاِذْنُہَا سُکُوْتُہَا، وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ الثَّیِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِہَا مِنْ وَلِیِّہَا وَالْبِکْرُ یَسْتَاْذِنُہَا اَبُوْہَا فِیْ نَفْسِہَا وَاِذْنُہَا صُمَاتُہَا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/ ۴۵۵، باب استئذان الثیب فی النکاح، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۲۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ بیوہ عورت اپنی ذات کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہے، اور کنواری لڑکی اس

کے بارے میں اجازت حاصل کی جائیگی، اور اس کی خاموشی اس کی طرف سے اجازت ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ثیبہ (شوہر دیدہ) اپنی ذات کے بارے میں ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہے، اور کنواری لڑکی سے اجازت لی جائے گی، اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ثیبہ اپنے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہے، اور باکرہ سے اس کی ذات کے بارے میں اس کا باپ اجازت طلب کرے گا، اور باکرہ کا خاموش رہنا اجازت دینا ہے۔ (مسلم)

تشریح: ثیبہ عورت شوہر دیدہ اور تجربہ کار ہوتی ہے، اپنے نفع ونقصان کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتی ہے، لہٰذا یہ اپنے نکاح کے انتظامات خود کرنا چاہے تو کر لے، ولی اس کا معاون ومددگار بنے گا، لیکن باکرہ ناتجربہ کار ہوتی ہے، لہٰذا اس کے نکاح کے تمام انتظامات ولی کو سنبھالنے ہوں گے، البتہ ولی نکاح لڑکی کی مرضی حاصل کرنے کے بعد ہی کریگا۔

الأیم احق بنفسها من ولیها: اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ بالغ عورت کو اپنے ولی سے زیادہ اختیار ہے اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ "احق" کے معنی مشارکت کے ہوں اور معنی یہ ہوں گے کہ نکاح کے معاملہ میں اس کو بھی ایک درجہ کا حق ہے اور اس کے ولی کو بھی دوسرے درجہ کا حق ہے اور عورت کا حق ولی کے حق سے مؤکد ہے۔

تعارض: اس حدیث سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ سب حق عورت کو حاصل ہے جب کہ ایک دوسری حدیث آرہی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "لا نکاح الا بولی" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے نکاح کے سلسلے میں سارا حق ولی کو ہے، اس کی رضامندی کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا ہے، ایک ہی معاملہ میں دو لوگوں کو پورا پورا حق دیا گیا ہے جس سے بظاہر تعارض محسوس ہو رہا ہے۔

جواب: جب کوئی معاملہ دو فریقوں سے متعلق ہوتا ہے تو شریعت ہر فریق سے اس طرح مخاطب ہوتی ہے کہ گویا ساری ذمہ داری اس پر ہے اور دوسرا فریق بالکل آزاد ہے، چنانچہ اس مسئلہ میں بھی جب شریعت نے عوروں سے خطاب کیا تو کہا "لا نکاح الا بولی" یعنی تمہیں اپنا نکاح کرنے کا حق نہیں ہے نکاح ولی کریگا، اور جب اولیاء سے خطاب کیا تو کہا کہ عورتوں کی اجازت ضروری ہے وہ اجازت

دے تو نکاح منعقد ہوگا ورنہ نہیں ہوگا، اور یہ بھی کہا کہ شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ بااختیار ہے، غرض کہ جب عورتوں سے خطاب کیا تو سارا حق ولیوں کو سونپ دیا اور جب ولیوں سے خطاب کیا تو عورتوں کو مختار بنادیا تاکہ معاملہ اعتدال میں رہے اور قرائن سے متعین کرنا ہوگا کہ حقیقت میں زیادہ حق کس کا ہے۔ (تحفۃ الالمعی: ۵۲۹/۳)

نکاح میں ولی زیادہ بااختیار ہے یا عورت

گذشتہ سطور کی بحث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نکاح کے حوالہ سے عورت اور اس کے ولی کے حقوق وابستہ ہیں لہذا نکاح دونوں کی اجازت اور مرضی سے ہو یہ سب سے بہتر شکل ہے، لیکن ان دونوں میں کس کا اختیار زیادہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لڑکی کا حق زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ولی کفو کے اندر لڑکی کے نکاح کا ارادہ کرے اور لڑکی منع کر دے تو اس پر جبر نہ کیا جائے گا، اور اگر عورت کفو میں نکاح کرنا چاہے اور ولی منع کرے تو ولی کو مجبور کیا جائے اور اگر ولی کسی طرح راضی نہ ہو قاضی لڑکی کی منشا کے مطابق نکاح کر دیگا، لڑکی کے نکاح میں زیادہ بااختیار ہونے کی وضاحت بخاری شریف میں موجود اس حدیث سے بھی ثابت ہوتی ہے جو اس کے بعد آرہی ہے کہ خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے والد نے ان سے اجازت لئے بغیر کر دیا یہ بیوہ تھیں، ان کے شوہر جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے جب ان کو پتہ چلا تو انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو ختم کر دیا، اس کے بالمقابل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو ان کا کوئی ولی ہاں موجود نہ تھا، ان کی طرف سے ان کے بہنوئی حضرت عباس رضی اللہ عنہا وکیل بنے اور انہوں نے نکاح کیا، معلوم ہوا کہ مقابلہ کے وقت لڑکی ولی سے زیادہ بااختیار ہے۔

البکر یستأذن ابوہا: باکرہ کا باپ اس سے اجازت لے گا اس کے نکاح کے بارے میں، باپ کی قید اتفاقی ہے، جو بھی ولی ہوگا وہ اجازت لے کر ہی نکاح کریگا، البتہ اگر بچی نابالغ ہے تو اس کی اجازت کے بغیر اس کے باپ اس کے دادا نکاح کر دیں گے تو نکاح ہو جائے گا، سیدنا صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جس وقت کیا تھا اس وقت وہ نابالغہ تھیں۔ (تحفۃ الالمعی: ۵۲۹/ ۳، مرقاۃ: ۲۶۶/ ۶)

ثیبہ کی اجازت کے بغیر کئے ہوئے نکاح کا رد ہونا

{۳۱۲۳} **وَعَنْ** خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَالِكَ فَاَتَتْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهٗ۔ (رواه البخاری وَفِيْ رِوَايَةِ اِبْنِ مَاجَةَ نِكَاحَ اَبِيْهَا)

حواله: بخاری شریف: ۲/ ۷۷۱، باب اذا زوج الرجل ابنته وهی کارهة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۵۱۳۸۔

ترجمه: حضرت خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب وہ بیوہ تھی تو ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا، ان کو یہ عقد پسند نہیں تھا، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کو رد فرما دیا۔ (بخاری) ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ ان کے باپ کے نکاح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرما دیا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ثیبہ کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہ ہوگا وہ اجازت دے گی تب ہی نکاح منعقد ہوگا چونکہ حضرت خنساء کے والد نے بیٹی کی مرضی کے بغیر نکاح کیا تھا، اور بیٹی نے اس کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فسخ کر دیا، یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ثیبہ اپنے بارے میں ولی سے زیادہ مختار ہے پورے ذخیرہ حدیث میں کہیں ایسا نہیں ہے کہ کسی بالغہ لڑکی نے ولی کی مرضی کے بغیر نکاح کیا ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد فرما دیا ہو۔

مذاہب ائمه: باکرہ صغیرہ کا نکاح باپ اور دادا کریں گے، اور اس کو کوئی اختیار نہیں ہے اس پر اجماع ہے سوائے چند عراقی فقہاء کے کہ انہوں نے اس سے اختلاف کیا ہے لیکن ان چند کے اختلاف سے اجماع پر کوئی اثر نہیں اور باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح کا اختیار نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اختیار تزویج تو ہے لیکن ان کے کئے ہوئے نکاح میں باکرہ صغیرہ کو اختیار حاصل ہے چاہے باقی رکھے چاہے رد کردے۔

ولی کا نابالغہ کا نکاح کرنا

{۳۱۲۴} **وَعَنْ** عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِيْنَ زُفَّتْ اِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِيْنَ وَلُعَبُهَا مَعَهَا وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِيْ عَشَرَةَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۴۵۶/ ۱، باب تزویج الاب البکر الصغیرۃ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۴۲۲۔

حل لغات: تزوج امرأۃ: عورت کو بیوی بنانا، شادی کرنا، زف العروس: دلہن کو شوہر کے پاس بھیجنا، اللعبة: کھلونا، ہر وہ چیز جس سے کھیلا جائے دل بہلایا جائے، گڑیا، جمع، لُعَبٌ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب کہ ان کی عمر سات سال تھی، اور جب وہ رخصت ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو ان کی عمر نو سال کی تھی، اور ان کے کھلونے ان کے ساتھ تھے، اور جب جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صغیرہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر اس کا باپ کرسکتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سات سال کی عمر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نکاح کردیا تھا، ظاہر ہے اس عمر میں لڑکی سے اجازت لینے کا کوئی فائدہ تو ہے نہیں، کیوں کہ وہ نابالغہ ہے، اس کے قول واقرار کا اعتبار نہیں، لہٰذا بغیر اجازت ہی نکاح کیا ہوگا، اور یہ نافذ ہوگیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال کی عمر میں اپنے کھلونوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آگئیں۔

وہی بنت سبع سنین: صاحب مرقات نے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک روایت میں سات سال کی عمر کا ذکر ہے، لیکن اکثر روایات میں نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر

کے بارے میں چھ سال کا ذکر آیا ہے، دونوں طرح روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ نکاح کے وقت درحقیقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال چند ماہ تھی، ایک روایت میں صرف سال پر اختصار کر کے چھ سال کہا ہے، اور دوسری روایت میں ساتویں سال کو سال شمار کر کے سات سال کی عمر ذکر کی ہے۔

(مرقاۃ:۶/۲۶۸)

وزفت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جس وقت دلہن بنا کر بھیجا گیا اس وقت ان کی عمر صرف نو سال تھی، ان کی قلت عمر ہی کو بیان کرنے کیلئے احادیث میں وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر ہے کہ ان کے ساتھ ان کے کھلونے بھی آئے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی شادیاں کیں سب بیوہ بڑی عمر کی عورتوں سے شادی کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صرف کنواری اور کم عمر تھیں، اس کی مصلحت کے سلسلہ میں مجدد ملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسمیں حکمت یہ تھی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ دکھلایا تھا کہ جس شخص کی عمر زیادہ ہو اس کو کنواری بچی کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے، عموماعادت یہ ہے کہ ایسی صورت میں مرد کا برتاؤ اپنی عمر کے تقاضے کے موافق ہوا کرتا ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو ان کی بچپن کی عمر کا تقاضا تھا، ان کے بچپن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری رعایت فرماتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ مسجد کے قریب حبشی لڑکے عید کے دن کھیل کود کر رہے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ حبشیوں کا کھیل دیکھوگی؟ انہوں نے خواہش ظاہر کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ کر کے دیر تک ان کو کھیل دکھلایا (اور وہ محض کہنے میں تو کھیل تھا ورنہ ورزش اگر اچھی نیت سے ہو تو عبادت ہے اور بچوں کی ان کھیلنے والوں کو دیکھنے میں کوئی فتنہ نہ تھا، اس لئے یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اجنبی مردوں کو کیسے دیکھا) اور جب تک وہ خود ہی نہ ہٹ گئیں، اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر ہی کھڑے ہو کر ان کو کھیل دکھلاتے رہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بچپن کی وجہ سے گڑیوں (یہ نام کی گڑیا تھی تصویر نہ تھی) کے کھیل کا بہت شوق تھا اور محلے کی لڑکیاں بھی ان کے پاس کھیلنے کے لئے آتی تھیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو وہ لڑکیاں متفرق ہو جاتیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جمع کر کے لاتے کہ آؤ بھاگتی کیوں ہو، جس طرح کھیلتی تھیں کھیلتی رہو۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مسابقت بھی کی کہ دیکھیں آگے کون

نکلتا ہے، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہلکی پھلکی تھیں، وہ آگے نکل گئیں، کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مسابقت کی اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بدن بھاری ہو چکا تھا، اس مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نکل گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس کا بدلہ ہے فرمایئے کنواری بچی کی دل جوئی اور دلداری اور اس کے جذبات کی عمر کی رعایت بڑھاپے میں کوئی مرد اس طرح کر سکتا ہے؟ جس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، "حاشا وکلا"، بوڑھوں سے یہ بہت دشوار ہے، مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بڑھاپے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو جوان شوہر کو اپنی جوان بیوی کے ساتھ کرنا چاہئے، بلکہ کوئی جوان بھی اتنا نہیں کر سکتا، جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ ان کے کھلونے ان کے ساتھ تھے۔

ولعبها معها: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھلونے ان کے ساتھ تھے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گڑیا ہے، جس سے کم عمر کی لڑکیاں کھیلتی ہیں، قاضی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اس سے گڑیا بنانے کا جواز معلوم ہوا، اور بچیاں اس سے کھیل سکتی ہیں یہ بھی معلوم ہوا، حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا لیکن منع نہیں فرمایا، لوگوں نے نقل کیا ہے کہ اس کا سبب بچیوں کو اولاد کی پرورش کرنے کی تربیت دینا ہے، اس کا بھی احتمال ہے کہ جن احادیث میں تصویر سازی کی حرمت آئی ہے، ان سے اس حدیث کی تربیت کی مصلحت سے خاص کر لیا گیا ہو اور ایسا بھی ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ تصویر سازی کی حرمت سے پہلے کا ہو۔ (مرقاۃ:۶/۲۰۶)

اس کے علاوہ ایک بات وہ بھی ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں مذکور ہے کہ "نام کی گڑیا تھی تصویر نہ تھی"، یعنی وہ کپڑے کے ٹکڑوں سے بنائی گئی تھی، اس میں آنکھ، ناک، کان وغیرہ شکل نہیں بنائی گئی تھی۔

سوال: کیا باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء بھی نابالغہ کا نکاح کر سکتے ہیں، اور کیا ان کے کئے ہوئے نکاح کی بھی وہی حیثیت ہوگی جو باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کی ہوتی ہے؟

جواب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک دیگر اولیاء نکاح صغیرہ کا اختیار نہیں رکھتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک نکاح کا اختیار تو تمام اولیاء کو ہے، البتہ

بلوغ کے بعد باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو لڑکی فسخ نہیں کر سکتی ہے، جبکہ دیگر اولیاء کے کئے ہوئے نکاح لڑکی بلوغ کے بعد فسخ کر سکتی ہے۔

وفات عنہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نو سال تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کی، آنحضرت ﷺ کے انتقال کے وقت ان کی اٹھارہ سال عمر تھی، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تقریباً اڑتالیس سال حیات رہیں، تقریباً ترسٹھ سال کی عمر ۵۷ھ میں آپ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، وصیت کے مطابق رات کے وقت جنت البقیع میں تدفین ہوئیں، اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروان کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے، لہٰذا انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی، قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمن، عبداللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔ (سیرت النبی)

{الفصل الثانی}

حق ولایت

{۳۱۲۵} **عَنْ** اَبِیْ مُوْسیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۳۹۴/۴، ابوداؤد: ۲۸۴/۱، باب فی الولی، ابن ماجہ: ۱۳۵، باب لانکاح الا بولی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۸۱، دارمی: ۱۸۵/۲، باب النھی عن النکاح بغیر ولی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۸۳، ترمذی شریف: ۲۰۸/۱، باب ماجاء لانکاح الا بولی، حدیث نمبر: ۱۱۰۱)

ترجمہ: حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: لا نکاح الا بولی: اسلامی معاشرہ میں عورتوں کے تمام امور مردوں کے توسط سے ہونا چاہئے، نکاح جیسا عظیم عمل ولی کی اجازت کے بغیر ہو جائے اس کو شریعت نے پسند نہیں کیا ہے۔

اختلاف مذاہب

یہاں ایک اختلافی مسئلہ ہے جو نہایت اہم ہے، وہ یہ کہ امام مالک وشافعی واحمد کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے بلکہ ان حضرات کا مسلک یہ ہے کہ عورتوں کی عبارت سے نکاح کا انعقاد نہیں ہوتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک عورتوں کی عبارت سے نکاح کا انعقاد ہوتا ہے، لیکن ولی کی رضامندی اور اذن ضروری ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بغیر اذن ولی عورتوں کی عبارات سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے، البتہ غیر مناسب جگہ میں شادی کرنے سے ولی کو خیار فسخ حاصل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ومالک واحمد دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ابوموسیٰ کی مذکورہ حدیث سے جس میں آپ نے صاف فرمایا: "لا نکاح الا بولی" ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے "ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل" جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ رواہ الترمذی، صاحبین دلیل پیش کرتے ہیں حضرت ام سلمہ کی حدیث سے "دخل علی النبی صلی الله علیه وسلم بعد وفاة ابی سلمة فخطبنی الی نفسی. فقلت یارسول الله لیس احد من اولیائی شاهد فقال لیس احد من اولیائك حاضراً ولا غائباً اولا یرضانی، رواه الطحاوی" اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی عبارت سے نکاح ہو جاتا ہے مگر ولی کی رضامندی ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہت سے دلائل ہیں۔

(۱)......قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے، جیسے "فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن حتی تنکح زوجا غیره، فاذا بلغن اجلهن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسهن" تو ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ عورتوں کی عبارت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے ولی کی رضامندی اور اذن کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ولی کو منع

کیاجارہاہے کہ اس کے معاملہ میں دخل اندازی نہ کرے۔

(۲)......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "الأیم احق بنفسھا من ولیھا" عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور مجھکو نکاح کا پیغام دیا میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اولیاء میں کوئی موجود نہیں ہے، ارشاد فرمایا: تمہارے اولیاء میں تو کوئی ہے ہی نہیں نہ حاضر و نہ غائب یا یہ ارشاد فرمایا: تمہارے اولیاء میں کوئی مجھکو ناپسند نہیں کرے گا۔ رواہ مسلم۔

(۳)......طحاوی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ انہوں نے اپنی بھتیجی حفصہ بنت عبد الرحمن کو منذر ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی کردی، حالانکہ عبد الرحمن رضی اللہ عنہ زندہ تھے، اگرچہ غائب تھے، یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ ولی نہ تھیں اور نہ ولی کی اجازت لی تھی اس کے باوجود نکاح منعقد ہوگیا، تو معلوم ہوا کہ بغیر ولی اور بغیر اذن ولی فقط عورت کی عبارت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے، نیز عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ ایک آزاد انسان ہے اس کو اپنے مال و نفس میں تصرف کا پورا حق ہونا چاہئے ورنہ اس کی حریت میں داغ پڑیگا۔

ائمہ ثلاثہ نے جن دو حدیثوں سے دلیل پیش کی ان کا جواب یہ ہے کہ دونوں سند کے لحاظ سے بہت مختلف فیہ ہیں چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر کلام کیا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کلام کیا ہے اور مرسل ہونے کو راجح قرار دیا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ لانفی کمال کے لئے ہے، اگر ولی غیر مناسب دیکھے تو فسخ کرسکتا ہے، یا اس سے مراد صغیرہ و مجنونہ ہے اور ان کا نکاح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی بغیر ولی صحیح نہیں ہوتا ہے، یا ولی سے عام مراد لیا جائے کہ خود عورت اپنے نفس کی ولی ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ اگر عورت خود راضی نہ ہو تو نکاح نہیں ہوگا، لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ باطل کے معنی علی شرف البطلان ہیں۔ اس لئے کہ عورت غیر کفو میں یا مہر مثل کے کم میں نکاح کرلے تو ولی کو فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مانند ہے، اسی لئے تو انہوں نے اپنی

بھتیجی کی بغیر اذن ولی شادی کردی۔ لہٰذا جمہور کے معنی کے اعتبار سے روای حدیث کے قول وفعل کے ساتھ تعارض ہوجائے گا جو اصول کے خلاف ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب لینے سے تعارض نہیں ہوگا، لہٰذا یہی اولیٰ ہوگا پھر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ایسا قرینہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ولی انعقاد نکاح ہوجاتا ہے وہ الفاظ یہ ہیں، "إن دخل بها فلها المهر" اگر نکاح درست نہیں ہوا تو مہر کیوں واجب ہوا، بیان ماسبق سے واضح ہوگیا کہ اس مسئلہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہی راجح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (درس مشکوٰۃ: ۱۳/ ۳، التعلیق: ۱۷/ ۴)

تفصیل کے لئے بذل المجہود اور درس ترمذی ملاحظہ فرمائیں۔

حق ولایت اور بطلان نکاح

{۳۱۲٦} **وَعَنْ** عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ نَفْسَهَا بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا فَاِنْ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حواله: احمد: ٦/ ٦٦، ابو داؤد: ۱/ ۲۸۴، باب فی الولی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۸۳، ترمذی ۱/ ۲۰۸ ۱، باب ما جاء لا نکاح الا بولی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۰۲، ابن ماجه: ۱۳۵/، لا نکاح الا بولی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۷۹، دارمی، ۲/ ۱۸۵، باب النهی عن النکاح بغیر ولی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۱۸۴۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے تو اس کا نکاح باطل ہے تو اس کا نکاح باطل ہے، پس اگر شوہر نے اس عورت سے جماع کرلیا تو اس عورت کے لئے مہر ہے شوہر کے عورت کی شرمگاہ کو حلال سمجھ کر فائدہ اٹھانے کی وجہ سے، اور اگر اولیاء جھگڑا کریں تو بادشاہ اس کا ولی ہے، جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر اولیاء عورت میں نکاح کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں ولایت نکاح سلطان وقت کو ہوگی اس لئے کہ وہ اولیاء اختلاف کی وجہ سے ساقط اور کالعدم ہو گئے اور قاعدہ یہ ہے کہ جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو تو بادشاہ وقت اس کا ولی ہوتا ہے، یہ حدیث بظاہر جمہور کی صریح دلیل ہے کہ جو عورت اپنا نکاح خود کرے وہ باطل ہے، معلوم ہوا کہ عورت کو اپنے نفس پر ولایت نہیں ہے اور عبارت النساء سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا حنفیہ کی طرف سے جواب

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہماری طرف سے متعدد جواب دئے گئے ہیں۔

(۱)... یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں سلیمان بن موسیٰ ہے، جو ضعیف ہے "ضعفه البخاری وقال النسائی فی حدیثه شئی"، دوسری وجہ ضعف کی وہ ہے جس کو خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر فرمایا ہے وہ یہ کہ اولاً یہ حدیث ابن جریج کو زہری سے بواسطہ سلیمان کے پہنچی تھی ابن جریج کہتے ہیں کہ میں بعد میں براہ راست زہری سے ملا اور ان کے سامنے اس حدیث کا ذکر کیا، فانکرہ۔ انہوں نے اس کا انکار فرمایا۔

(۲)... راوی حدیث یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل اس کے خلاف ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بھتیجی حفصہ بنت عبد الرحمن کا نکاح منذر بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا جب کہ عبد الرحمن رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے بلکہ شام کے سفر میں تھے، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عورت کو باب نکاح میں حق ولایت حاصل ہے۔

(۳)... یہ حدیث امۃ پر محمول ہے اس لئے کہ حرہ کے لئے ولایت کا ثبوت دوسری صحیح حدیث سے ثابت ہے "الایم احق بنفسها من ولیها"، عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے۔ اور اس کی من وجہ تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں "مولی" کا لفظ ہے "ولی" کا نہیں "بغیر اذن موالیها"۔

(۴)... یا اس کو محمول کیا جائے غیر کفو پر اور باطل سے علی شرف البطلان مراد لیا جائے اس لئے کہ بالغہ کو

اپنا نکاح خود کرسکتی ہے لیکن اگر غیر کفو میں کرے تو ولی کو حق اعتراض حاصل ہوتا ہے۔

(۵)... یہ کہ اس کو صغیرہ پر محمول کیا جائے اس لئے کہ وہی نکاح بلا ولی ہے کبیرہ تو اپنے نفس کی ولی خود ہے یہ جواب "القول بموجب العلة" کی قبیل سے ہے کہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں عورت کا نکاح بغیر ولی کے صحیح نہیں اسلئے کہ نکاح صغیرہ پر ہی صادق آتا ہے نکاح بلا ولی اور نکاح کبیرہ نکاح بلا ولی ہے ہی نہیں۔

(٦)... یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو عورت اپنے مولی کی اجازت سے نکاح کرے وہ صحیح ہے جیسا کہ ابوثور کا مسلک ہے کہ اگر عورت ولی کی اجازت کے بعد اپنا نکاح خود کرے تو وہ صحیح ہے۔(الدر المنضود:۴/۳۵)

نکاح میں شہادت کی ضرورت

{۳۱۲۷} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَغَايَا اللَّاتِي يَنْكِحْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ، وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلیٰ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۲۱۰، باب ما جاء لا نکاح الا ببینة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زانیہ ہیں وہ عورتیں جو بغیر گواہ کے اپنا نکاح کرلیں، زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔(ترمذی)

تشریح: نکاح کے لئے گواہوں کی موجودگی ضروری ولابدی شئ ہے، جو نکاح بغیر گواہوں کے ہوگا، وہ نکاح درست نہ ہوگا، اور فرضی نکاح کے بعد رضی اللہ عنہما اگر ایجاب و قبول کرنے والے صحبت کریں گے تو وظیفہ زوجیت کی ادائیگی نہ ہوگی، بلکہ کھلا ہوا زنا ہوگا۔

نکاح میں بینہ کا حکم

نکاح کے وقت دوگواہوں کا ایجاب وقبول سننا ضروری ہے یا نہیں؟ ابن ابی لیلیٰ، ابوثور اور اصحاب ظواہر کے نزدیک گواہ نکاح کے لئے شرط نہیں ہیں۔(اعلاء السنن: ۱۱/۶۵)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔(الکوکب الدری: ۱/۳۳۰)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح کے وقت دوگواہوں کا ہونا ضروری ہے۔(المغنی ابن قدامہ: ۶/۴۵۱، الکوکب الدری: ۱/۳۳۰)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی مشہور روایت یہی ہے۔(المغنی لابن قدامہ: ۶/۴۵۰)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب عموماً یوں نقل کیا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک دوگواہ ضروری نہیں اعلان ضروری ہے لیکن مالکیہ کی کتب کی چھان بین کے بعد ان کے مذہب کی صحیح تقریر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک عقد نکاح کے وقت دوگواہوں کا ہونا مندوب ہے اور دخول کے وقت تک دوگواہوں کو بنالینا واجب ہے ائمہ ثلاثہ سے ان کا اختلاف یہ ہوا کہ ائمہ ثلثہ کے نزدیک عقد کے وقت دوگواہوں کا ہونا انعقاد عقد کے لئے ضروری ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوگواہ تکمیل عقد کے لئے ضروری ہیں۔(دیکھئے الکوکب الدری: ۱/۳۳۱)

زیر بحث حدیث حنفیہ اور جمہور کی دلیل ہے۔(اشرف التوضیح: ۲/۴۳۷)

نکاح کی نصاب شہادت

نکاح کے لئے دوگواہ ضروری ہیں، مسلک حنفیہ میں نکاح جس طرح دومردوں کی گواہی سے منعقد ہوجاتا ہے اسی طرح ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی سے بھی منعقد ہوجاتا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہوں کے لئے مرد ہونا ضروری ہے ان کے نزدیک ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل وہ روایت ہے جس میں "شاھدی عدل" کے الفاظ ہیں اس میں چونکہ مذکر کا صیغہ مستعمل ہے لہٰذا ان کے نزدیک گواہوں کا مذکر ہونا ضروری ہے لیکن یہ استدلال نہایت

ضعیف ہے اس لئے کہ عرف عام میں "شاهدین" دوگواہوں کے مفہوم میں وہ تمام لوگ آجاتے ہیں جونصاب شہادت کو پورا کرتے ہوں اورنصاب شہادت بنص قرآن یہ ہے: "واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامراتان" اوراپنے میں سے دومردوں کوگواہ بناؤ، ہاں اگر دومرد نہ موجود ہوں تو ایک مرد اور دوعورتیں ان گواہوں میں سے ہوجائیں جنہیں تم پسند کرتے ہو(سورہ البقرہ، درس ترمذی)

نکاح میں فاسق کی گواہی

فاسق گواہ بن سکتا ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہ کے لئے عادل ہونا لازم ہے لہٰذا ان کے نزدیک فاسق کی گواہی معتبر نہیں ہے، جمہور کے نزدیک ہر شخص گواہ بن سکتا ہے خواہ فاسق ہو یا دین دار۔

اجازت نکاح کی حیثیت

{۳۱۲۸} **وَعَنْ** اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَتِيْمَةُ تُسْتَامَرُ فِي نَفْسِهَا فَاِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ اِذْنُهَا وَاِنْ اَبَتْ فَلَاجَوَازَ عَلَيْهَا۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی ورواه الدارمی عن ابی موسیٰ)

حواله: ترمذی شریف: ۱/ ۲۱۰، باب ماجاء فی اکراه الیتیمة علی التزویج، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۰۰۹، ابو داؤد ۱/ ۲۸۵، باب الاستیمار، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۹۳، نسائی شریف: ۲/ ۲۴، باب البکر یزوجها ابوها وهی کارهة، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۳۲۰۰۔

ترجمه: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے میں اجازت حاصل کی جائے، اگر وہ خاموش رہے تو

اس کی خاموشی اس کی جانب سے اجازت ہے، اور اگر انکار کردے تو اس پر جبر نہ کیا جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی نے اس روایت کو حضرت ابوموسیٰ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: تستامر الیتیمة فی نفسها فان سکتت فهو اذنها: اس حدیث میں یتیمہ بالاتفاق اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے، اس لئے کہ یتیمہ تو وہ صغیرہ لڑکی ہے جس کے باپ نہ رہا ہو، اور ظاہر ہے کہ صغیرہ کی اجازت کسی فقیہ کے نزدیک بھی معتبر نہیں، لہٰذا اس سے بکر بالغ مراد ہے، جس کو یتیمہ شفقۃً ماکان کے اعتبار سے کہا گیا ہے کمافی قولہ تعالیٰ "واٰتو الیتامیٰ اموالهم" اور یتیموں کو ان کے مال دیدو۔ اور قرینہ اس کا کہ اس سے باکرہ مراد ہے یہ ہے کہ آگے اس حدیث میں فرمارہے ہیں کہ "فان صمتت فهو اذنها" یعنی اس کے سکوت کو اذن قرار دیا جارہا ہے اور دوسری احادیث سے صراحۃً ثابت ہے کہ سکوت کا اذن ہونا باکرہ کے حق میں ہے، "فثبت بالامرین ان المراد بالیتیمة البکر البالغ"

باکرہ کے حق میں سکوت کا اذن ہونا تو اتفاقی مسئلہ ہے لیکن بکاء کا اذن ہونا مختلف فیہ ہے، حنفیہ و شافعیہ کے نزدیک تو بکاء بھی اذن کے حکم میں ہے اس میں مالکیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک بکاء اذن نہیں ہے، اور شافعیہ کے نزدیک نفس بکاء تو اذن ہے لیکن اگر بکاء چیخ و پکار کے ساتھ ہو تو اذن نہیں، اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ بکاء میں تفصیل ہے کہ اگر آنسو گرم ہیں تو اجازت نہیں ہے اور اگر ٹھنڈے ہیں تو اجازت ہے۔ (الدرالمنضور: ۴/۴۰، التعلیق: ۴/۱۹، مرقاۃ: ۶/۲۷۲)

غلام کا آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا

{۳۱۲۹} **وَعَنْ** جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَیْرِ اِذْنِ سَیِّدِہٖ فَھُوَ عَاھِرٌ ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والدارمی)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۲۸۴، باب فی نکاح العبد بغیر اذن سیده، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۷۸، ترمذی شریف: ۱/۲۱۱، باب ما جاء فی نکاح العبد،

کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۱۱۱، دارمی: ۲/۲۰۳، باب فی العبد یتزوج بغیر اذن سیدہ، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۹۶۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جس غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ زنا کرنے والا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

تشریح: ایما عبد تزوج بغیر اذن سیدہ: غلام کے ذمہ آقا کی خدمت لازم ہے، اور نکاح کے نتیجہ میں عائد ہونے والی ذمہ داریاں خدمت آقا میں خلل انداز ہوتی ہیں، لہٰذا غلام اور باندی کے لئے نکاح سے پہلے آقا کی اجازت لینا ضروری ہے۔

فھو عاھر: عاہر بمعنی زانی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ غلام کو بغیر اذن کے نکاح نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر وہ کرلے تو پھر مسئلہ اختلافی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح فاسد ہے اور ہمارے یہاں موقوفاً علی اجازت المولیٰ صحیح ہے "وعند الامام مالك یجوز لکن للمولی فسخه" اور داؤد ظاہری کے نزدیک جائز اور صحیح ہے۔

اذالنکاح عنده من الفروض: وہ کہتے ہیں کہ جو چیز فرض عین ہو وہ محتاج اذن نہیں ہے "اذانکح العبد بغیر اذن مولاہ فنکاحه باطل" جب غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرے تو وہ نکاح باطل ہے۔ یہ شافعیہ وحنابلہ کی دلیل ہے اور اپنے ظاہر پر ہے اور عند الحنفیہ مؤول ہے یعنی فی الحال غیر معتبر اور غیر نافذ ہے بلکہ اجازت مولیٰ پر موقوف ہے۔ (الدر المنضور: ۴/۳۱، مرقاۃ: ۶/۲۷۲، التعلیق: ۴/۱۹)

{الفصل الثالث}

فسخ نکاح کا اختیار

{۳۱۳۰} **وَعَنِ** ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ جَارِیَةً بِكْرًا اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِیَ

كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲۸۵/۱/۲۸۶، باب فی البکر یزوجها ابو ها، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۲۰۹۶۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک باکرہ لڑکی جناب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، اوراس نے بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے، اور وہ خود اس عقد کو ناپسند کرتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو اختیار عطافرمادیا۔ (ابو داؤد)

تشریح: یہ مسئلہ پہلے گذر چکا کہ ولایۃ اجبار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اب اور جد کے لئے ہے بخلاف حنفیہ کے کہ ان کے نزدیک تمام اولیاء کے لئے ہے لیکن فرق یہ ہے کہ لڑکی کو بعد البلوغ اب اور جد کی صورت میں خیار حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے اولیاء کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

ان جارية بكرا اتت النبی صلی اللہ علیہ و سلم الخ: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک باکرہ بالغہ نے آکر شکایت کی کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کر دیا ہے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اختیار مرحمت فرمایا یہ حدیث مسلک احناف کے عین موافق ہے کہ بالغہ پر کسی کو حق اجبار نہیں ہے اگر چہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا یہ حدیث جمہور کے خلاف ہوئی۔ (الدر المنضور: ۴۱/۴، مرقاۃ: ۲۷۳/۶)

عورت عورت کا نکاح نہ کرے

{۳۱۳۱} **وَعَنْ** اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا فَاِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِيْ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا۔ (رواه ابن ماجه)

حوالہ: ابن ماجہ: ۱۳۵، باب لا نکاح الا بولی، کتاب النکاح، حدیث نمبر: ۱۸۸۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا: کہ عورت دوسری عورت کا نکاح نہ کرے، اور نہ کوئی عورت اپنا نکاح کرے، بے شک جو عورت اپنا نکاح خود کرتی ہے، وہ زنا کاری میں مبتلا ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح: لا تزوج المرأۃ المرأۃ: اس میں نفی معنی میں نہی کے ہے اور یہ نہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تنزیہی ہے اس لئے کہ وہ اس بات کو اہمیت دیتے ہیں کہ عورت کا نکاح ولی کے ذریعہ ہو اور جس کا کوئی ولی نہ ہو تو پھر اس کا ولی قاضی ہے، "ولا تزوج المرأۃ نفسها" اور عورت خود اپنا نکاح نہ کرے حنفیہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت اپنا نکاح بلا شاہدین کے نہ کرے اور نہ غیر کفو میں کرے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ بلا ولی کے نہ کرے، "فان الزانیۃ ھی التی تزوج نفسها" جو عورت خود سے بلا گواہوں کے یا غیر کفو میں نکاح کرے وہ نکاح معتبر نہیں اور مجامعت حرام ہے خطیب نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا یہ روایت کی ہے، "ایما امرأۃ تزوجت نفسها من غیر ولی فھی زانیۃ" جو عورت اپنے ولی کے بغیر اپنا نکاح کرے وہ زانیہ ہے۔ (انوار المصابیح: ٦/٦٢) تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔

بلوغ کے بعد جلد نکاح کر دینا چاہئے

{٣١٣٢} **وَعَنْ** اَبِیْ سَعِیْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَہٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنِ اسْمَہٗ وَاَدَبَہٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْہُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْہُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُہٗ عَلٰی اَبِیْہِ۔

حوالہ: بیھقی فی شعب الایمان، باب فی حقوق الاولاد والاھلین، حدیث نمبر: ٨٦٦٦۔

حل لغات: الولد: لڑکا، اولاد، نسل، ولد، کا اطلاق واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب پر ہوتا ہے، ادب: (ن) ادب سکھانا، اخلاق سکھانا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہو، تو اس کو چاہئے، کہ اس کا نام اچھا رکھے، اس کو ادب

سکھائے، پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر لڑکا بالغ ہو گیا اور اس کا نکاح نہیں کیا اور وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

تشریح: اس حدیث میں والدین کو اولاد کے حقوق کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، بچے کے تین حقوق ہیں۔

(۱)......بچہ کا عمدہ اور مناسب نام رکھا جائے، کیوں کہ نام کے اثرات انسان کی شخصیت پر پڑتے ہیں، والد اگر خود با معنی اسلامی نام رکھ سکتا ہو تو رکھے ورنہ کسی پڑھے لکھے سمجھ دار شخص سے پوچھ کر اس کا نام رکھے۔

(۲)......جب ہوش سنبھالے تو اس کی اچھی طرح تعلیم و تربیت کی فکر کرے، اس کو اللہ اور رسول ﷺ کے حقوق سے آگاہ کرے اور ضروریات دین سے واقف کرائے۔

(۳)......جب تعلیم و تربیت کا مرحلہ گذر جائے اور لڑکا شادی کی عمر کو پہنچ جائے تو مناسب لڑکی تلاش کر کے اس کا نکاح کر دے، تاکہ لڑکا جنسی بے راہ روی کا شکار نہ ہو اگر والد نے قدرت کے باوجود اپنے لڑکے کا نکاح نہیں کیا، اور لڑکا بدکاری میں ملوث ہو گیا تو لڑکا تو گنہگار ہوگا ہی ساتھ میں اس کے والد بھی اللہ کی بارگاہ میں مجرم قرار پائیں گے کیونکہ یہ لڑکے کی بے راہ روی کا ذریعہ بنا ہے۔

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم زجر و توبیخ میں مبالغہ و تاکید پر محمول ہے اس لئے کہ یوں تو ظاہر حدیث کی دلالت اس پر ہے کہ فعل گناہ کا سارا گناہ باپ پر ہوگا اور بیٹے صاحب بالکل بے داغ محفوظ رہیں گے حالانکہ قرآن کریم میں فرمایا گیا: "کل نفس بما کسبت رھینۃ" ہر شخص اپنے کرتوت کی وجہ سے گروی رکھا ہوا ہے۔ (سورہ المدثر) اور "ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا۔ (سورہ الزلزال) قرآن کریم کی ان آیات کے پیش نظر حدیث کو زجر و توبیخ پر محمول کرنے کے علاوہ چارہ نہیں ہے۔ (التعلیق: ۴/۲۰)

ولد: لڑکا اور لڑکی دونوں اس میں داخل ہیں، "فلیحسن اسمہ" چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔ بچہ کا نام رکھنے میں جلدی کرنا چاہئے اور نام ایسا رکھنا چاہئے جو اچھا اور با معنی ہو، بچہ کا نام انبیاء اور صالحین کے نام پر رکھنے کی کوشش کرنا چاہئے نام رکھنے میں بے توجہی نہ برتنا چاہئے، اس لئے کہ قیامت

کے دن انہی ناموں کے ذریعہ سے پکارا جائے گا، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے، "انکم تدعون یوم القیامۃ باسمائکم واسماء آبائکم فاحسنوا اسمائکم" تم کو قیامت میں اپنے ناموں اور باپوں کے ناموں سے ساتھ پکارا جائے گا اس لئے اپنے نام اچھے رکھو۔ (ابوداؤد)

قیامت کے دن تمہیں تمہارے ناموں اور تمہارے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا، لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔ "وادبہ" بچوں کی بہتر تعلیم وتربیت باپ کی ذمہ داری ہے، باپ کے لئے اپنے بیٹے کے حق میں سب سے بہتر تحفہ اچھے آداب سکھانا ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے، "مانحل والد ولداً افضل من ادب حسن" کسی باپ نے اپنے بیٹے کو حسن ادب سے افضل کوئی عطیہ نہیں دیا۔

(ترمذی)

بچے کی دینی تربیت ماں باپ دونوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے، "علموا اولاد کم واھلیکم الخیر وادبوھم" اپنی اولاد اور اپنے گھر کے لوگوں کو اچھی اور عمدہ باتوں کی تعلیم دو، اور انہیں ادب سکھاؤ، آج کل والدین کو اپنی اولاد کی نالائقی کی شکایت رہتی ہے لیکن کیا وہ اپنے گریبان میں جھانک کر یہ دیکھنے کی زحمت گوارہ کرتے ہیں کہ انہوں نے بچے کو دینی تعلیم وتربیت دلانے میں کیا رول ادا کیا تھا، جو والدین اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا خیال رکھتے ہیں، عموماً ان کے بچے والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوتے ہیں۔

فاذا بلغ فلیز وجه: جب بچہ اور بچی بالغ ہو جائیں تو والدین کے لئے جس قدر جلد ممکن ہو ان کا مناسب جوڑا تلاش کر کے نکاح کر دیں اس میں ہر گز تاخیر نہ کریں، آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "یاعلی ثلاث لاتوخرھا: الصلاۃ اذا اتت، والجنازۃ اذا حضرت، والایم اذا وجدت لھا کفوا" اے علی رضی اللہ عنہ تین چیزوں میں دیر نہ کرنا، نماز میں جب اس کا وقت آجائے، جنازہ میں جب وہ تیار ہ جائے، اور بے نکاح لڑکی یا لڑکے کی شادی میں جب اس کا مناسب جوڑا مل جائے۔ (ترمذی)

ایضاً

{۳۱۳۳} **وَعَنْ** عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا

عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِی التَّوْرَاۃِ مَکْتُوْبٌ مَنْ بَلَغَتِ ابْنَتُہٗ اثْنَتَیْ عَشَرَۃَ سَنَۃً وَلَمْ یُزَوِّجْھَا فَاَصَابَتْ اِثْمًا فَاِثْمُ ذَالِکَ عَلَیْہِ۔

(رواھما البیھقی فی شعب الایمان)

حوالہ: بیھقی فی شعب الایمان، باب فی حقوق الاولادوالاھلین، حدیث نمبر: ٨٦٧٠۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہوگئی اور اس نے لڑکی کا نکاح نہیں کیا، پھر اس لڑکی سے بدکاری ہوگئی تو اس کا گناہ لڑکی کے باپ پر ہے۔ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

تشریح: ولم یزوجھا: مطلب یہ ہے کہ کفو میں بہتر رشتہ میسر تھا لیکن باپ نے نکاح نہیں کیا، "فأصابت اثما" زنا یا دواعیٔ زنا مثلا بدنظری اور بوس وکنار میں مبتلا ہوگئی، "فاثم ذلك" اگرچہ باپ نے براہ راست معصیت کا ارتکاب نہیں کیا ہے لیکن ایک درجہ میں سبب بنا ہے، لہٰذا وہ بھی گنہگار ہوگا۔

تم الجزء السادس عشر من الرفیق الفصیح
لمشکوٰۃ المصابیح بحمد اللہ واحسانہ وبمنہ وکرمہ تبارك و
تعالیٰ ویلیہ الجزء السابع عشر ان شاء اللہ تعالیٰ اولہ
کتاب الخلع والطلاق
ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وتب علینا انك انت التواب
الرحیم بحرمۃ حبیبك سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ
واصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔

محمدفاروق غفرلہ

٢٥/رمضان المبارک ١٤٣٦ھ